جدید فقہی مباحث

جدید تجارتی شکلیں

ترتیب

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہ

جلد ۱۵

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال۔ کراچی فون 34965877

چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

"اسلامک فقہ اکیڈمی ہند" ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں ۔ بالخصوص علماء اور دینی غیرت وفکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور مسرت سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری، فکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ وصحیح النظر اور راسخ العلم علماء اور کارکن شامل ہیں"۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر دارالعلوم کراچی

"مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے، اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہوتے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانہ پر یہ کام شروع نہیں کر سکے۔ فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا"۔

جدید تجارتی شکلیں

فہرست مقالات

☆☆☆☆☆☆

سوالنامہ :

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مختلف احادیث مروی ہیں، ان میں سے بعض مطلق ہیں، بعض مقید۔ احادیث وروایات کے اختلاف کی بنیاد پر بیع قبل القبض کے مختلف مسائل میں فقہاء مجتہدین میں اختلاف بھی ہوا جس کی تفصیل کتب فقہ اور شروح حدیث میں موجود ہے، لیکن جمہور فقہاء فی الجملہ بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے پر متفق ہیں، ادھر دور حاضر میں خرید وفروخت کی ایسی بہت سی شکلیں مروج ہیں جن کے بارے میں بیع قبل القبض کے دائرے میں شامل ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے بیع قبل القبض کی حقیقت، احکام اور اس سے وابستہ جدید مسائل ومعاملات کے بارے میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں:

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض جائز ہے یا ناجائز؟ اور ناجائز ہے تو اس کو شمار بیع باطل میں ہے یا بیع فاسد میں یا بیع مکروہ میں؟

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت کیا ہے، کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین کردی ہے یا اسے لوگوں کے عرف وعادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق ہوگا یا دونوں میں قبضہ کی ایک ہی صورت ہوگی؟

۴۔ بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں یا نہیں، اگر معلول بالعلۃ ہیں تو علت نہی کیا ہے؟

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت عام ہے یا اس میں کچھ استثناءات اور تخصیصات بھی ہیں، اس بابت مختلف ائمہ کی آراء اور ان کے وجوہ ودلائل تحریر کئے جائیں۔

۶۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کردیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہوجائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار نمبر (۲) پر، بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر (۱)) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں اگر فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص

تلخیص مقالات

مفتی محمد فہیم اختر ندوی

۵۔ممانعت عام یا مخصوص :

بیع قبل القبض کی ممانعت کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کے الفاظ میں باہم فرق ہے اور اسی فرق کی بنیاد پر فقہاء کی آراء میں اختلاف ہوا ہے، چنانچہ بعض فقہاء کے نزدیک یہ ممانعت تمام اشیاء میں عام ہے، جبکہ دیگر فقہاء نے حکم ممانعت کو مختلف اشیاء کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔

فقہاء کی آراء ذکر کرنے سے پہلے بعض وہ احادیث بیان کی جارہی ہیں جن میں مختلف الفاظ میں قبضہ سے قبل خرید و فروخت کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

إن رسول الله ﷺ نهى أن يبيع الرجل طعاما حتى يستوفيه (بخاری)۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ:

من اشترى طعاما بكيل أو وزن فلا يبعه حتى يقبضه (مسند احمد)۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يكتاله (مسلم)

حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ:

قلت يا رسول الله، إني اشترى بيوعا فما يحل لي منها وما يحرم علىّ؟ قال: فإذا اشتريت فلا تبعه حتى تقبضه (مسند احمد)۔

اور حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ:

إن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (ابوداؤد)

انہیں صحابہ کرامؓ سے الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ کچھ اور روایات بھی مروی ہیں، مذکورہ روایات میں کہیں قید کے ساتھ ممانعت اور کہیں علی الاطلاق ممانعت کے پیش نظر فقہاء و مجتہدین کی آراء میں اختلاف ہوا ہے، فقہاء کی آراء ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

☆ حکم ممانعت عام ہے، کسی بھی سامان کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ رائے حضرت امام شافعی، امام محمد بن حسن شیبانی اور امام زفر کی ہے۔

لا يجوز بيع المبيع قبل قبضه عقارا كان أو منقولا لا بإذن البائع ولا بغير إذنه لا قبل أداء الثمن ولا بعده (شرح المہذب)۔

ابن عقیل کی ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ان حضرات نے بنیادی طور پر حضرت حکیم بن حزام اور حضرت زید بن ثابت کی ان روایات کو پیش نظر رکھا ہے، جن میں مطلق خریدی ہوئی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، مسلم نے حضرت عبداللہ بن

عباسؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے "واحسب کل شیٔ مثلہ" یعنی میرا خیال ہے کہ دوسری اشیاء کا بھی یہی حکم ہے۔

☆ یہ ممانعت صرف اشیاء خورد و نوش کے ساتھ خاص ہے، دوسری اشیاء قبضہ سے پہلے فروخت کی جا سکتی ہیں، یہ رائے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ہے۔

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

نقل عن احمد أن المطعوم لا یجوز بیعہ قبل قبضہ سواء کان مکیلا أو موزونا أو لم یکن (المغنی)۔

ان کا مستدل حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وہ روایات ہیں جن میں صراحت ہے کہ یہ ممانعت خوردنی اشیاء کی بابت تھی۔

☆ مالکیہ کے نزدیک یہ ممانعت صرف خوردنی اشیاء جو ناپ کر، تول کر، یا گن کر خریدی گئی ہوں، کے ساتھ مخصوص ہے، چنانچہ اگر خوردنی اشیاء بھی بلا تعیین مقدار، مجموعہ (جزافا) خریدی گئی ہوں تو ان کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کیا جا سکتا ہے۔

ابن قدامہ حنبلی امام مالک کا قول نقل کرتے ہیں:

فإنہ قال: ما بیع من الطعام مکیلۃ أو موازنۃ لم یجز بیعہ قبل قبضہ، وما بیع مجازفۃ أو بیع من غیر الطعام مکایلۃ أو موازنۃ جاز بیعہ قبل قبضہ (المغنی)۔

مالکیہ کے پیش نظر وہ روایات ہیں جن میں ممانعت صرف طعام کے ساتھ مخصوص بیان ہوئی ہے، ناپ تول کر خریدی ہوئی اشیاء ہی میں ممانعت مخصوص کرنے کی دلیل غالباً مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وہ روایت ہے، جس میں ناپ تول کر خریدی ہوئی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، مالکیہ کے نزدیک بلا کیل و وزن خرید و فروخت کی صورت میں نفس عقد ہی سے مبیع خریدار کے ضمان میں آ جاتی ہے اور تصرف کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

صاحب مجمع الانہر لکھتے ہیں:

بخلاف الجزاف وھو بیع الشیٔ بلا کیل ولا وزن ولا عدد، فإن بیعہ قبل قبضہ جائز علی المشھور لأنہ ملکہ بالعقد ولذا لو تلف قبل قبضہ کان ضمانہ من المشتری (الدر الدانی)۔

☆ احناف کے نزدیک حکم ممانعت صرف اشیاء منقول کے ساتھ مخصوص ہے، جو اشیاء منتقل نہیں کی جا سکتی ہیں، جیسے زمین و مکان وغیرہ، ان کی فروختگی قبضہ سے پہلے جائز ہے، یہ رائے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ہے۔

احناف کے پیش نظر گرچہ وہی روایات ہیں جن میں حکم ممانعت عام ہے، لیکن انہوں نے روایات کے الفاظ کے بجائے مقصد پر نگاہ رکھی ہے کہ اصل مقصد غرر سے بچانا ہے، اموال غیر منقول میں یہ اندیشہ نہیں کہ حوالگی سے پہلے وہ چیز ضائع ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ اگر اموال غیر منقول میں بھی یہ اندیشہ پیدا ہو جائے، مثلاً زمین و مکان دریا کے کنارے واقع ہوں اور سیلاب کی زد میں آ جانے کا خطرہ ہو، یا صحرائی علاقہ میں ریت میں اٹک جانے کا اندیشہ ہو تو

ایسی صورت میں مکان وزمین کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں ہے۔

قبضہ سے پہلے زمین کی فروختگی کا جواز حضرت عثمانؓ سے عملاً ثابت بھی ہے۔

پس قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے مسئلہ میں سب سے زیادہ تنگی حضرات شوافع کے یہاں ہے اور اس کے برعکس سب سے زیادہ وسعت مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک ہے، احناف نے علت کی بنا پر نص میں تخصیص کا راستہ اختیار کرتے ہوئے غیر منقول میں جواز اور منقول اشیاء میں عدم جواز کی رائے اپنائی ہے۔

☆ ابن حزم کے نزدیک یہ ممانعت صرف گندم کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ طعام سے مراد ان کے نزدیک صرف گندم ہی ہے۔

☆ عثمان البتی سے مطلقاً جواز کی رائے منقول ہے، ابن حزم نے عطا کی بھی یہی رائے نقل کی ہے، لیکن یہ ایک قول شاذ وغیر معتبر ہے۔

هذا القول مردود بالسنة والحجة المجمعة على الطعام (تکملہ فتح الملہم)۔

۲۔ فیکٹری سے خریداری کے بعد قبضہ سے پہلے فروختگی:

فیکٹری سے مال کی خریداری کے بعد اسے قبضہ میں لئے بغیر دوسرے کے ہاتھ فروخت کرکے فیکٹری ہی سے اپنی ضمانت پر مال ترسیل کرائی جائے تو مال پر قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے اس فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے گا، یا ضمانت کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھتے ہوئے حکم جواز دیا جائے گا، اس بابت شرکائے گرامی کی آراء میں اختلاف ہے۔

بیشتر حضرات علماء کرام نے اس صورت معاملہ کو جائز قرار دیا ہے، مجوزین حضرات میں سے اکثریت کی رائے میں خریدار اول کے ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام، بائع کو خریدار کا وکیل قرار دیتے ہوئے بائع کے تصرف کو خریدار کے لئے قبضہ حکمی اور ضمان کو قبضہ حکمی مان کر اس صورت معاملہ میں جواز کا فتویٰ دیا جائے گا، یہ استدلال درج ذیل حضرات کا ہے:

۱۔ جناب مولانا زبیر احمد قاسمی
۲۔ جناب مولانا اشتیاق احمد اعظمی
۳۔ جناب مفتی انور علی
۴۔ جناب مولانا محبوب علی وجیہی
۵۔ جناب مولانا شاہین جمالی
۶۔ جناب مولانا تنویر عالم قاسمی
۷۔ جناب مفتی شکیل احمد سیتاپوری
۸۔ جناب مولانا مسیح اللہ قاسمی
۹۔ جناب مولانا منظور عالم قاسمی
۱۰۔ جناب مولانا اختر امام عادل
۱۱۔ جناب مولانا احمد دیولوی
۱۲۔ جناب مولانا شمشاد احمد نادر
۱۳۔ جناب مولانا ایوب سہیلی
۱۴۔ جناب مولانا شاہد قاسمی
۱۵۔ جناب مولانا قمر الزماں ندوی
۱۶۔ جناب مولانا نور عالم قاسمی
۱۷۔ جناب مولانا مسعود احمد
۱۸۔ جناب مولانا خورشید احمد اعظمی

۱۹۔ جناب مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی
۲۰۔ جناب مولانا ابوالحسن علی
۲۱۔ جناب مولانا ابوبکر قاسمی
۲۲۔ جناب مولانا سلطان احمد اصلاحی
۲۳۔ جناب مولانا ظفر عالم ندوی
۲۴۔ جناب مولانا شمس پیرزادہ
۲۵۔ جناب مولانا عبدالعظیم اصلاحی
۲۶۔ جناب مولانا ظفرالاسلام اعظمی
۲۷۔ جناب مولانا جمیل احمد نذیری
۲۸۔ جناب مولانا ثناءالہدیٰ قاسمی
۲۹۔ جناب مولانا ارشاد قاسمی
۳۰۔ جناب مولانا ارشد قاسمی
۳۱۔ جناب مولانا قمر عالم
۳۲۔ جناب مولانا ابرار احمد خاں ندوی
۳۳۔ جناب مولانا شہزاد اکرام

☆ درج ذیل حضرات نے اس مسئلہ میں مسلک مالکی کو اختیار کرتے ہوئے فتویٰ جواز دینے کی رائے دی ہے:

۱۔ جناب مولانا عبدالجلیل قاسمی
۲۔ جناب مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
۳۔ جناب مولانا اقبال احمد قاسمی
۴۔ جناب مولانا عزیر اختر قاسمی
۵۔ جناب مولانا عبدالرشید
۶۔ جناب مولانا طاہر مظاہری

☆ درج ذیل علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر فیکٹری میں خریدار کا مال علاحدہ کردیا جائے یا اس پر نشان وغیرہ لگا کر کسی طرح ممیز کردیا جائے تاکہ تخلیہ کی کوئی صورت پائی جاسکے تو یہ صورت معاملہ درست ہوجائے گی:

۱۔ جناب مولانا نسیم احمد قاسمی
۲۔ جناب مولانا عبیداللہ اسعدی
۳۔ جناب مولانا ابوجندل قاسمی

☆ مولانا نعیم اختر قاسمی کی رائے میں رسید پر قبضہ کے بعد فروختگی درست ہے۔

☆ دوسری رائے عدم جواز کی ہے، اس رائے کے قائلین کا استدلال ہے کہ ضمان کا وجود قبضہ پر موقوف ہوتا ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے ضمان درست نہیں، نیز نقصان کا ضامن ہوجانا قبضہ کے تحقق کے لئے کافی نہیں ہے، لہذا چونکہ قبضہ حسی موجود نہیں، یہ صورت معاملہ ناجائز ہوگی۔

۱۔ جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۲۔ جناب مولانا رضوان القاسمی
۳۔ جناب مولانا عبداللطیف پالنپوری
۴۔ جناب مولانا ابراہیم بن محمد
۵۔ جناب مولانا ابوسفیان مفتاحی
۶۔ جناب مولانا عبدالقیوم پالنپوری
۷۔ جناب مولانا عبدالرحمن پالنپوری
۸۔ جناب مولانا عبدالرحیم
۹۔ جناب مولانا محمد زید ندوی
۱۰۔ جناب مولانا حنیف علی

☆ مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کی رائے میں قبضہ سے پہلے فروختگی کی ممانعت کی وجہ صرف "ربح مالم یضمن" نہیں بلکہ انفساخ عقد کا احتمال، غرر، ملک غیر کی بیع بغیر اجازت مالک بھی ہیں، لہذا ایک وجہ کے ارتفاع سے

حکم ممانعت ختم نہیں ہوگا۔

۷۔ ایک سامان پر قبضہ سے پہلے متعدد خرید وفروخت:

بین الاقوامی تجارت میں جہاز پر مال چڑھ جانے کے بعد فروخت کنندہ کی ذمہ داری ختم ہو کر خریدار کی ضمانت میں مال آجاتا ہے، اور مال جہاز پر سمندر میں ہوتے ہوئے پہلا خریدار دوسرے شخص کے ہاتھ اسے فروخت کر کے اپنی ضمانت سے فارغ ہو جاتا ہے، اس صورت مسئلہ کی بابت بھی مقالہ نگار علماء کرام کی آراء میں اختلاف ہوا ہے، کچھ حضرات نے جواز کی رائے دی ہے جبکہ بیشتر حضرات نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے پہلی خریداری اور دوسری خریداری کے احکام میں فرق بھی کیا ہے، یہ مختلف نقطہائے نظر اور ان کے متدلات درج ذیل ہیں:

☆ عدم جواز کی رائے اپنانے والے علمائے کرام کے نزدیک یہ صورت مسئلہ قبضہ سے پہلے فروختگی اور فروخت کنندہ کی جانب سے عدم ضمان کی وجہ سے ناجائز ہے۔

۱۔ جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۲۔ جناب مولانا اختر امام عادل
۳۔ جناب مولانا ابوالحسن
۴۔ جناب مولانا خورشید احمد اعظمی
۵۔ جناب مولانا برہان الدین سنبھلی
۶۔ جناب مولانا رضوان القاسمی
۷۔ جناب مولانا ابوسفیان مفتاحی
۸۔ جناب مولانا ابوجندل قاسمی
۹۔ جناب مولانا عبدالقیوم پالنپوری
۱۰۔ جناب مولانا حبیب الغفار اسعد
۱۱۔ جناب مولانا احمد دیولوی
۱۲۔ جناب مولانا عبداللطیف
۱۳۔ جناب مولانا ابراہیم بن محمد
۱۴۔ جناب مولانا جمیل احمد نذیری
۱۵۔ جناب مولانا عبدالرشید
۱۶۔ جناب مولانا ثناءالہدیٰ قاسمی
۱۷۔ جناب مولانا شمشاد احمد
۱۸۔ جناب مولانا ارشد قاسمی
۱۹۔ جناب مولانا قمر عالم
۲۰۔ جناب مولانا قمرالزماں ندوی
۲۱۔ جناب مولانا ابرار خاں ندوی
۲۲۔ جناب مولانا شبیراداکرم
۲۳۔ جناب مولانا ظفر عالم ندوی
۲۴۔ جناب مولانا مسعود احمد
۲۵۔ جناب مولانا ارشد قاسمی
۲۶۔ جناب مولانا عبدالرحیم

☆ دوسری رائے جواز کی ہے، اس رائے کے قائلین میں سے درج ذیل حضرات کے نزدیک خریدار اول اسی طرح دوسرے خریدار کا قبضہ حکمی بھی پایا جارہا ہے، اور ساتھ میں ضمان بھی، اس لئے یہ صورت درست ہے۔

۱۔ جناب مولانا شمس پیرزادہ
۲۔ جناب مولانا عبیداللہ اسعدی
۳۔ جناب مولانا سلطان احمد اصلاحی
۴۔ جناب مولانا محبوب علی وجیہی
۵۔ جناب مولانا سمیع اللہ قاسمی
۶۔ جناب مولانا نور قاسمی

۷۔ جناب مولانا نعیم رشیدی قاسمی ۸۔ جناب مولانا ظفر الاسلام

۹۔ جناب مولانا شکیل احمد سیتاپوری

☆ مندرجہ ذیل حضرات کے نزدیک جہاز کا عملہ خریدار کے اجیر کی حیثیت رکھتا ہے لہذا اجیر کا قبضہ مستاجر کا قبضہ ہوگا، اسی طرح جب دوسری خریداری عمل میں آتی ہے تو عملہ دوسرے خریدار کا اجیر ہو جاتا ہے اور قبضہ حکمی دوسرے خریدار کو حاصل ہو جاتا ہے، اس بنیاد پر یہ صورت مسئلہ درست ہے۔

۱۔ جناب مولانا نسیم احمد قاسمی ۲۔ جناب مولانا عبد الجلیل قاسمی

۳۔ جناب مولانا عزیر اختر ۴۔ جناب مولانا ابوبکر قاسمی

۵۔ جناب مولانا ایوب سبیلی

☆ درج ذیل حضرات نے موجودہ حالات میں مسلک مالکی پر عمل کرتے ہوئے فتوی جواز دیے جانے کی رائے دی ہے:

۱۔ جناب مولانا محمد زید صاحب ۲۔ جناب مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

۳۔ جناب مولانا اقبال قاسمی ۴۔ جناب مولانا شاہد قاسمی

۵۔ جناب مولانا مجاہد الاسلام

☆ ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی صاحب اور مولانا نعیم اختر قاسمی نے بالترتیب دستاویز اور رسید پر قبضہ کے بعد اس صورت کو بکراہت جائز اور درست بتایا ہے۔

☆ تیسری رائے ان علمائے کرام کی ہے جنہوں نے اس صورت مسئلہ میں پہلی خریداری کو تو درست قرار دیا ہے کہ جہاز پر مال چڑھ جانے سے خریدار اول کا قبضہ حکمی پایا گیا اور مال اس کی ضمانت میں بھی آگیا، لیکن اب جبکہ مال سمندر میں ہے خریدار اول اس مال کی حوالگی پر قادر نہیں ہے، نیز دوسرے خریدار تک مال کی وصولی تک وہ مال کی ضمانت بھی نہیں لے رہا ہے اس لئے مال کی وصولیابی سے پہلے خریدار اول کے لئے اس کی فروختگی جائز نہیں ہوگی۔

۱۔ جناب مولانا اشتیاق احمد قاسمی ۲۔ جناب مولانا انور علی

۳۔ جناب مولانا شاہین جمالی ۴۔ جناب مولانا حنیف ملی

☆ درج ذیل تین علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ چونکہ خریدار اول کا مال پر قبضہ حکمی پایا گیا لہذا وہ دوسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت تو کر سکتا ہے، لیکن وصولی سے پہلے اگر مال ضائع ہو جائے تو اس کا ضمان خریدار اول ہی پر ہوگا، خریدار ثانی کا اس مال پر نہ تو قبضہ پایا گیا ہے اور نہ ہی خریدار اول کی جانب سے حمل ونقل یا تخلیہ وغیرہ کوئی عمل صادر ہوا ہے لہذا اگرچہ زبانی معاہدہ بھی ہو جائے اس مال کو خریدار ثانی کے ضمان میں داخل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۱۔ جناب مولانا نذیر احمد قاسمی ۲۔ جناب مولانا تنویر عالم قاسمی

۳۔ جناب مولانا منظور احمد قاسمی

☆☆☆☆☆

مقررات

بابت جدید تجارتی شکلیں

قبضہ سے پہلے بیع کی شرعی حیثیت

مولانا برہان الدین سنبھلی

۱۔ یہ شکل ناجائز ہے اور یہ بیع فاسد ہوگی (جیسا کہ بدائع وغیرہ کی عبارتوں سے مستفاد ہوتا ہے، عبارتیں آگے آرہی ہیں)۔

۲۔ "قبضہ" کے بارے میں کتب فقہ کے اندر جو تعریفیں اور شکلیں ملتی ہیں ان سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ قبضہ کا مدار "عرف" پر ہے، جس چیز کے قبضہ کا جو عرف ہے اس چیز کیلئے شرعاً بھی وہی عمل "قبضہ" کہلائے گا، چنانچہ بدائع الصنائع (۱۴۸/۵) کی عبارت "معنی القبض هو التمكين و التخلي و ارتفاع الموانع عرفاً و عادة حقيقة" سے یہی مستفاد ہوتا ہے، نیز درمختار اور اس کی شرح ردالمحتار (۴۲/۴، ۱۴۳، ۱۹۳) کے مطالعہ سے "قبضہ" کی بہت سی صورتیں سامنے آتی ہیں، اسی طرح باب "بيع الفاسد"، "حبس المبيع لقبض الثمن" کے مطالعہ سے بھی، اسی میں ایک عبارت یہ ہے: هل التخلية قبض ؟ صح في الخانية أنها قبض وطحن البائع الحنطة بأمر المشتري قبض ..... لو أمر البائع بذبح الشاة (المشتراة فذبحها) فيصير المشتري قابضا القضاء (شامی ۳۶/۴)۔

قبضہ کی ایک شکل کا ذکر سوال (۷) کے ذیل میں آرہا ہے۔

۳۔ اس سوال کا جواب مذکورہ بالا سوال (۲) کے جواب سے نکل آتا ہے۔

۴۔ بیع قبل القبض کی ممانعت کی کئی وجہیں شراح حدیث وفقہاء کے کلام سے معلوم ہوتی ہیں، (۱) غرر (۲) انفساخ عقد کا احتمال (۳) ملک غیر کی بیع بغیر اجازت مالک۔

اس پر حسب ذیل کتب کی یہ عبارتیں دال ہیں:

أن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك (غرر انفساخ العقد الأول على تقدير هلاك المبيع في يد البائع) ..... والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد و الحديث معلول به (اى معلول بغرر انفساخ العقد فيما قبل القبض بهلاك المعقود عليه) ... اشتماله على ربح مالم يضمن ..... و الربح على ما لم يضمن منهي عنه شرعاً (ہدایہ ثالث مع حاشیہ ۵۸۔۵۹)۔

والنهي يوجب فساد المنهي عنه و لأنه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه لأنه إذا هلك المعقود عليه قبل القبض يبطل الأول فينفسخ الثاني (بدائع ۱۸۰/۵)۔

بنایہ شرح ہدایہ للعینی میں ہے: "على اعتبار الهلاك" هلاك المبيع قبل القبض فتبين أنه باع ملك الغير بغير إذنه و ذلك مفسد العقد (۱۳۷/۳)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت اکثر فقہاء کے نزدیک عام ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک غیر منقول اشیاء (جائداد وزمین) اس سے مستثنیٰ ہیں، اور امام مالک کے نزدیک صرف طعام کی بیع قبل القبض ممنوع ہے، باقی کی جائز ہے، اور امام احمد کے یہاں تمام مکیل، موزون اور معدود چیزوں کا یہی حکم ہے۔

جیسا کہ حسب ذیل کتب میں ہے:

ہدایہ: يجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة و أبي يوسف و قال محمد لا يجوز (۵۸/۳)۔

علامہ عینی نے اس پر اضافہ کیا ہے: و به قال الشافعي و زفر و أحمد و أبو حنيفة أولاً (البنایہ ۱۳۷/۳)۔

فتح القدير: قال مالك يجوز جميع التصرفات من بيع و غيره قبل القبض إلا في طعام (۲۶۴/۵)۔

وقال أحمد و إن كان المبيع مكيلا أو موزونا أو معدودا لم يجز بيعه قبل القبض وفي غيره يجوز (عینی شرح ہدایہ ۱۳۷/۳ طبع نولکشور لکھنؤ)۔

مذکورہ بالا کتب میں ان اقوال کے دلائل بھی مذکور ہیں، تطویل سے بچنے کیلئے یہاں ذکر نہیں کئے جارہے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ممانعت (بیع قبل القبض) کی وجہ حدیث رسولؐ ہے، چونکہ بعض روایات میں صرف طعام کا ذکر ہے اس لئے امام مالک ممانعت کو اسی کے ساتھ مختص کرتے ہیں، لیکن دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اکثر روایات حدیث میں (بالخصوص حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں، اور ان کا فتویٰ بھی یہی ہے) "بیع مالم یقبض" عام آیا ہے اسلئے ممانعت عام ہے، جو ائمہ عقار کا استثناء کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "قبل القبض" بیع کی ممانعت کا سبب مبیع کے ہلاک ہوجانے کا خطرہ ہے، جس سے بیع اول ہی فسخ ہوجائے گی (اور نتیجۃً بیع ثانی بھی) لیکن عقار میں یہ خطرہ نادر ہے۔

جنہوں نے اس ممانعت کو مکیل، موزون اور معدود کے ساتھ مخصوص رکھا ہے انہوں نے، طعام، والی روایت پر قیاس کیا ہے۔

۶۔ دوسرے شخص کے ہاتھ بیع کو ناجائز قرار دیا جائے گا، کیونکہ بیع قبل القبض کی ممانعت کی وجہ تنہا "ربح مالم یضمن" نہیں ہے (تفصیل اوپر گذر چکی ہے) بلکہ اس کی کئی وجوہ ہیں، مشہور قاعدہ ہے کہ "کئی وجوہ میں سے صرف

ایک وجہ کے مرتفع ہو جانے سے حکم مرتفع نہیں ہوتا" (جب تک تمام وجوہ مرتفع نہ ہوں حکم برقرار رہتا ہے) بلکہ ہلاک مبیع سے تو اس احتمال کا وقوع ہو گیا جس کی وجہ سے یہ عقد (بیع ثانی) ممنوع کیا گیا تھا، مقام غور ہے کہ جس وجہ کا احتمال موجب فساد تھا تو اس کا وقوع موجب فساد کیوں نہ ہوگا؟

ہاں ! درمختار اور اس کی شرح ردالمحتار کی ایک عبارت "منه (من القبض) مالو اشترى (هنا و دفع) قارورة يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشتري فهو قبض و كذا بعينه في الأصح و كذا كل موزون إذا دفع له الوعاء فكاله أو وزنه فيها بأمره" (۴۲/۴) سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر وہ جہاز جس پر سامان لادا گیا ہے (بعد میں سامان ہلاک ہو گیا) مشتری نے اسے مہیا کیا تھا تو اس صورت میں "مبیع" پر مشتری کا قبضہ ہو گیا لہذا اس کا بیع ثانی کرنا شرعاً درست ہوا، لیکن چونکہ بائع ثانی کے قبضہ (یعنی مشتری اول کے قبضہ) میں ہی وہ سامان ہلاک ہو گیا لہذا اس کا ذمہ دار مشتری اول ہی ہوا، مشتری ثانی یا فیکٹری ذمہ دار نہ ہوگی۔

۷۔ تیسرے شخص کے ہاتھ بیع (تیسری بیع) تو بلا شبہ اور بالاتفاق ناجائز ہوگی، بلکہ منعقد ہی نہ ہوگی دوسری بیع یا دوسرے شخص کے ہاتھ بیع (قبل القبض) کا حکم تو اوپر بالتفصیل مذکور ہی ہو چکا ہے کہ ناجائز ہے، باوجود اس کے اگر بیع کی تو یہ بیع فاسد ہوگی جس کے دلائل اوپر گذر چکے ہیں، مزید ایک عبارت ردالمحتار کی پیش کی جاتی ہے، جس سے اس بیع کا فاسد ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے: ولو اشترى ثوبا أو حنطة فقال للبائع بعه قال الإمام الفضلي إن كان قبل القبض والرؤية كان فسخا وإن لم يقل البائع نعم ... وإن قال بعه لي أي لكن وكيلا في الفسخ فما لم يقل البائع لا يكون فسخا (۴۲/۴)۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا زبیر احمد قاسمی

عنوان بالا کے تحت سوالوں کے جوابات علی الترتیب حسب ذیل ہیں:

۱۔ کسی مبیع پر قبضہ کے بغیر اس میں ہبہ، صدقہ، اجارہ اور بیع وغیرہ جیسا کوئی بھی تملیکی تصرف کرنا شرعا ناجائز ہے، گو یہ عاقد ثانی جو مشتری اول ہے سابق شراء بیع کے سبب اس مبیع کا مالک ہو چکا ہے، مگر قبل القبض اس کیلئے وہ مبیع غیر مقدور التسلیم ہے، اسلئے اس کا یہ دوسرا تصرف بیع وغیرہ تصرف فاسد کہلائے گا "لفوات شرط من شرائط الصحة"، باطل نہیں ہوگا، لوجود شرائط انعقاد العقد من الأهلية والمحلية.

۲۔ لا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين و التخلي وارتفاع الموانع عرفا و عادة وحقيقة (بدائع ۱۴۸/۵، پاکستان) وقوله (بلا مانع) بأن يكون مفرزا غير مشغول بحق غيره، و في السلطظ ولو باع دارا وسلمها إلى المشترى وله فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليما حتى يسلمها فارغة وكذا لو باع أرضا و فيها زرع (شامی ۴۳/۴، بیروت).

مذکورہ بالا فقہی نصوص سے واضح ہے کہ قبضہ کے تحقق کیلئے ہاتھ میں لینا کوئی ضروری شرط نہیں صرف مبیع و مشتری کے درمیان تخلیہ اور تمام موانع کو اسطرح اٹھا دینا کافی ہے جس کے بعد ہاتھ میں لینے سے کوئی چیز، یا کوئی شخص اسے روک نہ سکے، اگر بلا ہاتھ میں لئے کسی خاص قسم کے اشتیاء اور عمل و دخل اور عہد و معاہدہ کے سبب وہ شئی مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے، چنانچہ ہلاکت مبیع کے بعد بحیہ معاہدہ اس کا ضمان مشتری پر لازم آتا ہے، اور عرفا، عادۃ اس طرح کے داخل فی الضمان ہونے کو قبضہ سمجھا جاتا ہے تو "الثابت بالعرف كالثابت بالنص" کے مدنظر اسے شرعا قبضہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اشیاء مبیعہ خواہ منقول ہوں، یا غیر منقول دونوں میں اس طرح کا تخلیہ کہ وہ حق غیر میں مشغول بھی نہیں ہوں اور بلا تکلف یا کسی کی مدد وتعاون کے اس پر قبضہ بالبراجم ممکن ہو جائے تو بس شرعا قبضہ کا تحقق ہو جائے گا۔

لو باع دارا و سلمها إلى المشترى وفيها متاع لا يكون تسليما حتى يسلمها فارغة و كذا لو باع أرضا وفيها زرع (شامی ۴۳/۴) ولو اشترى طيرا وفرسا في بيت و أمره البائع بقبضه فقتح الباب فذهب إن أمكنه أخذه بلا عون كان قبضا، و تمامه في البحر و حاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة (ايضا).

۴۔ بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور وہ علت غرر وخطر ہے، کیونکہ اگر مبیع ہلاک ہوگئی تو پہلا ہی عقد بیع فسخ ہو جائے گا اور نتیجتاً اس پرمبنی دوسرا عقد بھی فسخ ہوگا، اس طرح قبل القبض بیع ثانی جب ہوگی تو مشتری ثانی کیلئے غرر بھی ہوگا اور اس کی ملکیت متردد بین القرار والزوال بھی ہوگی۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں فلا یصح بیعہ قبل القبض لقد نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع ما لم یقبض .... لانہ بیع فیہ غرر الانفساخ بھلاک المعقود علیہ و قد نہی عنہ الخ (بدائع ۱۸۰/۵)۔

۵۔ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی چیز پر کسی شخص کی ملکیت کا ثبوت مختلف عقود وتصرفات اور متعدد اسباب کے نتیجے میں ہوا کرتا ہے، مثلاً بیع، شراء، ہبہ، صدقہ، قرض، نکاح، خلع، وصیت، وراثت وغیرہ، یہ سارے ہی کے سارے اسباب ملک ہیں، اب اگر سوال کا اصل مقصد صرف اتنا ہے کہ محض عقد بیع وشراء کے ذریعہ جو چیز کسی کی ملکیت میں داخل ہوتی ہے، اس کی بیع قبل القبض، یا اس میں دیگر تملیکی تصرف بھی، مثلاً ہبہ، قرض، رہن وغیرہ جو شرعاً قبل القبض ممنوع ہیں تو یہ ممانعت عام ہے، یا اس میں استثناءات وتخصیصات بھی ہیں؟ تو اس کا جواب بڑا مختصر ہو سکتا ہے کہ یہ ممانعت خاص ہے اشیاء منقولہ کے ساتھ عند الشیخین، باقی غیر منقولہ میں یہ سارے تصرفات قبل القبض بھی جائز ہیں اور ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، لعدم امکان الغرر۔

لیکن امام محمد، زفر اور امام شافعی علیہم الرحمۃ اس ممانعت کو عام ہی رکھتے ہیں، چونکہ احادیث نہی میں "مالم یقبض" مطلق وعام ہے، اس مسئلے سے متعلق فریقین کے تفصیلی دلائل اور جوابات کیلئے دیکھا جائے (بدائع ۱۸۱/۵) اور دیگر کتب متداولہ۔

پھر حضرات شیخین تو صرف معقود علیہ کے منقول وغیر منقول ہونے پر نظر رکھتے ہوئے حکم ممانعت میں تخصیص پیدا کرتے ہیں، جب کہ امام محمد علیہ الرحمہ تصرف ثانی کی نوعیت پر بعض وقت نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معقود علیہ خواہ منقول ہو، یا غیر منقول اگر قبل القبض ایسے تصرفات کئے جائیں جو "لا تتم بدون القبض" کے قبیل سے ہوں، مثلاً ہبہ، صدقہ، قرض، رہن وغیرہ تو پھر یہ سارے تصرفات تملیکی جائز ہوں گے اور یہ حکم ممانعت سے مستثنیٰ ہی ہوں، تفصیلات کیلئے دیکھا جائے (شامی ۱۶۲/۴۔۱۶۳)۔

لیکن اگر سوال کا مقصد اس سے وسیع تر ہے تو ظاہر ہے کہ پھر مستثنیات کی حد یں اور تعداد اس سے زائد بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ تصرفات قبل القبض کی ممانعت اور اس کے اندر استثناء وتخصیص میں بھی اسباب ملک کے تنوع و اختلاف کو دخل ہوتا ہے، تو کبھی خود تصرف کی نوعیت کو اور کبھی عوض ومعقود علیہ کی نوعیت کو، کما فی المنقول وغیر المنقول جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(الف) مثلاً اسباب ملک میں سے بعض عقد معاوضہ ہلاکت عوض کے وقت قابل فسخ وانفساخ ہوتے ہیں، جیسے بیع وشراء ہے، اس عقد کے ذریعہ جو عاقدین عوضین کے مالک بنتے ہیں ان عوض پر قبل القبض تصرف کی ممانعت اور اس میں استثناء وتخصیص کی تفصیلات مع اختلاف ائمہ احناف اور مع دلائل ابھی اوپر مذکور ہوا ہے کہ حضرات

شیخین سارے تصرفات کو (بیع، ہبہ، صدقہ، رہن، قرض وغیرہ) کو ناجائز کہتے ہیں، استثناء صرف غیر منقول کا کرتے ہیں، جبکہ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ غیر منقول کا بھی استثناء نہیں کرتے، ہاں امام محمدؒ عموم حرمت سے ان تصرفات کو مستثنیٰ کرتے ہیں جو بدون القبض تام نہیں ہوا کرتے، مثلاً ہبہ (ایضاً)۔

(ب) بعض اسباب ملک ایسے عقد معاوضہ ہوتے ہیں جو ہلاکت عوض کے باوجود فسخ و انفساخ کو قبول نہیں کیا کرتے، مثلاً نکاح، خلع، عتق علی المال، صلح عن دم العمد، ان عقود میں عورت مہر کی، شوہر بدل خلع کا، مولیٰ بدل عتق کا، اور مقتول کا وارث بدل صلح کا مالک بنا کرتا ہے، اور یہ ایسے عقود ہیں کہ ہلاکت عوض (مہر، بدل خلع، بدل عتق، بدل صلح) کے باوجود فسخ نہیں ہوا کرتے، اب یہ مہر، یہ عوض اگر از قبیل اعیان ہوں تو کیا زوجین ان عوضوں پر قبضہ کئے بغیر سارے تصرفات تملیکی (بیع، ہبہ، صدقہ، قرض، رہن وغیرہ) جائز ہیں، گو انعقاد تصرف اور صحت تصرف کی حد تک اور نفاذ و اجرائے تصرف کی حد تک، تو اس صورت میں یہ بھی تصرفات باتفاق ابی یوسف و محمد حکم ممانعت سے مستثنیٰ ہیں۔

(ج) اسی طرح بعض سبب ملک ایسے ہوتے ہیں جو عقد معاوضہ کی قبیل سے نہیں بلکہ مالک اول کی نیابت و خلافت کے طور پر اس کا مولیٰ، ملک میں جاتا ہے، جیسے ارث، وصیت، کہ وارث نیابت و خلافت میں اور مورث ترکہ میں سے بقدر حق شرعی اس کا مالک ہو جاتا ہے، اور موصیٰ لہ بقدر وصیت موصی کے مال موصیٰ بہ کا مالک ہو جاتا ہے، اب یہ وارث اور موصیٰ لہ اپنے میراث اور مال موصیٰ بہ میں قبل القبض سارا تصرف کر سکتا ہے "لأن معنى الغرور لا يتقرر فيه لأن الوارث خلف الميت في ملك المورث الخ (بدائع ۱۸۱/۵)

شق الف و ب میں درج تفصیلات کے دلائل دیکھے جائیں (شامی ۴/ ۱۶۲-۱۶۳ وغیرہ)۔

(د) اسی طرح بعض تصرفات جو قبل القبض کئے جاتے ہیں وہ خود تصرف ہی ناقابل فسخ ہوتے ہیں مثلاً اعتاق و تدبیر وغیرہ، یہ تصرفات بھی بالاتفاق علماء احناف حکم ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی غلام کا مالک بنے خواہ اس عقد کے ذریعہ جو قابل فسخ ہوتے ہیں (بیع و شراء) یا اس عقد کے ذریعہ جو قابل فسخ ہی نہیں ہوا کرتے (مثلاً نکاح، خلع وغیرہ) تو تمام صورتوں میں قبل القبض اس غلام کے نئے مالک کا تصرف اعتاق و تدبیر جائز ہی ہو جاتا ہے (شامی ایضاً)۔ واضح ہو کہ تصرفات قبل القبض کی اجازت و ممانعت کے متعلق ائمہ احناف کے علاوہ دیگر حضرات ائمہ رحمہم اللہ کے مذہب و مسلک کی تفصیلات کی یہاں کوئی تحقیق اور طلب نہیں، واللہ اعلم۔

۶- حرمۃ الربوا، الخراج بالضمان، اور "الغنم بالغرم" جیسے نصوص قطعیہ و شرعیہ اور قواعد فقہیہ کی روشنی میں میرا ایک عرصہ سے یہی خیال ہے کہ دراصل شریعت اسلامیہ ان منافع و فوائد کو جائز نہیں کہتی جو بغیر کسی ادنیٰ رسک کے اور کسی بھی نقصان کی کوئی ذمہ داری قبول کئے بغیر حاصل کئے جائیں

بعد القبض مبیع سے منافع حاصل کرنا اسی لئے شرعاً جائز ہوتا ہے کہ وہ مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے، گویا قبضہ کر کے وہ مشتری کم از کم ایک رسک لے لیتا ہے، اسی طرح بظاہر قبضہ حسی نہ ہو مگر بائع و مشتری کے درمیان یہ معاہدہ ہو جائے کہ مبیع کے حمل و نقل اور ارسال کے بعد وہ مشتری کے ضمان میں داخل بھی ہو جائے گی تو یہ مشتری

مال کی ہلاکت کے نقصان کا رسک لے لیتا ہے تو اسے حکماً مقبوضہ ہی کہنا چاہئے، کیونکہ اصل مقصد قبضہ حسی کا وہی دخول فی الضمان ہی ہے، جو مبیع کے ارسال وتخلیہ اور حمل ونقل کے بعد اس معاہدہ سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

اسلئے ایسی صورت میں اس کی بیع وشراء کو بعد القبض ہی قرار دینا چاہئے اور منافع کو جائز ہی ہونا چاہئے، کیونکہ یہ ربح مال مضمون ہوگا نہ کہ ربح مالم یضمن۔

اس کے علاوہ عرصہ سے میرا یہ بھی خیال ہے کہ مبیع غیر مقبوضہ کی بیع وشراء کا حکم جو فساد عقد سے بیان کیا جاتا ہے، یہ حکم محض قضاء ہے جو کسی بھی سبب سے باہمی نزاع کے "مرافعہ الی القاضی" کے نتیجے میں اس بیع غیر مقبوضہ کے متعلق قاضی شریعت کا حکم وفیصلہ ہوگا۔

لیکن اگر بیع قبل القبض کے باوجود عاقدین میں کوئی نزاع نہیں ہوا دونوں اپنی اپنی جگہ معاملہ کی اس نوعیت پر راضی ومطمئن رہے اور بالآخر اپنے اپنے حق تک پہونچ گئے تو ایسے معاملہ کے جواز وصحت اور نفاذ ولزوم ہی کا فتویٰ دیانۃً دیا جانا چاہئے۔

ساتھ ہی ساتھ کتب فقہ میں جو عموماً احکام قضاء ہی پر مشتمل ہیں جب بعض عقود کے متعلق بعض صورتوں میں اولاً فساد پھر وجوہ فساد کے زوال کے بعد صحت وجواز کا حکم لگاتے ہوئے یوں بھی لکھا ہوا ملتا ہے کہ " انعقد فاسداً وانقلب جائزاً" تو اس سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہورہی ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا قرائن وشواہد پر ہماری رائے یہی ہے کہ اگر کوئی شخص بذریعہ فون وفیکس، یا بالمشاہدہ کسی فیکٹری سے مال کی خریداری کرے اور یہ معاہدہ ہو جائے، جب فیکٹری مال کے نقل وحمل اور روانگی کا کام انجام دیدے گی تو اس کے بعد وہ مال مشتری کے ضمان میں داخل سمجھا جائے گا، پھر اس کے بعد وہی مال براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کے پاس بھجواتا ہے تو اس معاملہ کو بھی جائز اور خریدار (۱) کے منافع کو بھی حلال ہونا چاہئے، کیونکہ مال کی روانگی کے بعد ہی وہ خریدار (۱) کے ضمان میں داخل ہو گیا اور بجائے خریدار (۱) کے خریدار (۲) کے پاس اس کے بیچ اور راستے سے بھیجنا یہ فیکٹری کا عمل من جانب خریدار (۱) تو کیلا یا تمہ رہا ہوا۔

ے۔ بین الاقوامی تجارت کا معروف اصول وضابطہ، یا تاجروں کے درمیان مشروط معاہدہ یہی ہو کہ جہاز پر مال چڑھا دینے کے بعد وہ مال بائع کے قبضہ وضمان سے نکل کر مشتری کے قبضہ وضمان میں داخل سمجھا جائے گا، تو یہ مال حکماً خریدار اول کا مقبوضہ بن گیا، اس کا کسی دوسرے خریدار کے ہاتھ فروخت کرنا تو صحیح ہوگا، لیکن مال سمندر ہی میں اگر ضائع ہو جائے تو اسے خریدار (۱) ہی کے ضمان میں ہلاک شدہ سمجھا جائے گا۔

خریدار (۲) کے ضمان میں داخل ماننے کی کوئی وجہ اور بنیاد نہیں، اگر زبانی معاہدہ کو تسلیم بھی کر لیا جائے، تاہم اس معاہدہ کے بعد خریدار (۱) کی طرف سے مال کے حمل ونقل تخلیہ ورفع موانع وغیرہ کے قبیل کا کوئی عمل صادر نہیں ہوا ہے، اس طرح اس مال کو جہاز کے اندر رہتے ہوئے خریدار (۲) کے ضمان میں داخل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

مولانا محمد عبید اللہ اسعدی، باندہ

۱۔ شریعت اسلامی کی رو سے خرید کردہ چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کرنا منع ہے، اور یہ ممانعت "بیع فاسد" کے درجہ کی ہے، نہ کہ بیع باطل، اگرچہ بعض حضرات کی صراحت یا الفاظ اس انداز سے ضرور ہیں (در مختار مع الشامی ۱۴۸/۵)۔

امام محمد نے اس کے متعلق فرمایا ہے: ان هذا مردود لا يجوز (المبسوط ۱۱/۵)۔

لیکن ترجیح فساد کو ہے، لا یجوز وغیرہ جیسے الفاظ کے مفہوم میں وسعت ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں:

والظاهر الثاني (أي الفساد) لأن علة الفساد الغرر كما مع وجود ركني البيع وكثيرا ما يطلق الباطل على الفاسد (شامی ۱۴۷/۵-۱۴۹) فساد کی وجہ یہ ہے کہ علت غرر اور دھوکہ ہے جس کی وجہ سے فساد کا ہی حکم لگتا ہے، یعنی ابن ہمام فتح القدیر میں بھی فساد کا ذکر ہے (۱۳۷/۶) پھر یہ کہ اس ممانعت کی بنیادی وجہ احادیث میں وارد ہونے والی نہی و ممانعت ہے جو کہ حنفیہ کے اصول کی رو سے فساد کا ہی فائدہ دیتی ہے بطلان کا نہیں، امام محمد نے بھی (الجامع الصغیر ۳۳۵) میں "**فالبيع فاسد**" فرمایا ہے۔

۲۔ یوں تو اس بابت وارد ہونے والی روایات میں ممانعت مختلف الفاظ و انداز میں آئی ہے (فتح القدیر ۱۳۶/۶، اعلاء السنن ۲۲۳/۱۴-۲۲۴، نیل الاوطار الجزء الخامس) لیکن بظاہر روایات میں قبضہ کی حقیقت و صورت کی کوئی تعیین نہیں آئی ہے، اس سے نیز فقہاء و محققین کی تصریح و تفصیل سے بھی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس میں توسع ہے اور عرف و معاملہ کا اعتبار ہوگا، اور اسی بنا پر مواقع و محل اور اشیاء کے اختلاف و فرق کی وجہ سے قبضہ کی صورت و حقیقت میں بھی فرق ہوگا، اس سلسلہ کی بعض روایات میں آنے والی تفصیل بھی صورت قبضہ کے مختلف ہونے کو بتاتی ہے، مثلاً یہ کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ خرید و فروخت کی جگہ سے منتقل کر کے اپنے ٹھکانے پر لے جانے بغیر خریداروں کو اس کا فروخت کرنا منع ہے (ابن حبان والحاکم وغیرہ، اعلاء ۲۲۳/۱۴) اور بعض روایات میں دو مرتبہ کی ناپ و تول کے بغیر فروخت کی ممانعت آئی ہے جس میں ایک ناپ و تول تو پہلے بیچنے والے کی طرف سے ہوگی اور دوسری خریدار کی طرف سے، اور خریدار کی تول و ناپ کو قبضہ کی حیثیت دی گئی ہے اور اس کے بغیر اس کے حق میں فروخت کی ممانعت آئی ہے (قبضہ سے

پہلے فروخت) کے قبیل و باب سے قرار دیا گیا ہے، گویا غلہ کی خرید کے بعد اس پر قبضہ کی ایک شکل تو یہ ہے کہ اس کو دکان اور جائے خرید سے ہٹا کر اپنے ٹھکانہ پر یا ہاتھ میں لے لیا جائے، اور ایک شکل یہ ہے کہ فروخت کنندہ کی ناپ تول کے بعد خریدار خود ناپ تول کرے تو یہ ناپ تول قبضہ ہے۔ (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۳، ۲۳۱۔۲۳۲، ۲۳۳) نیز بدائع و شامی وغیرہ میں بھی اس قسم کی بات آئی ہے)۔

بہر حال اس بابت توسع سمجھ میں آتا ہے اور اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے، لیکن ضرورت اصولی تحدید کی ہے، تاکہ اس کی روشنی میں نئی نئی شکلوں کا حکم معلوم کیا جا سکے، اور مروج قدیم و جدید شکلوں کا اس پر یا اس کا ان شکلوں پر انطباق ظاہر ہو سکے۔

قبضہ کا ایک ہی دو شکلوں میں منحصر نہ ہونا، یا ایک ہی دو شکلوں میں اس کا معتبر نہ ہونا بلکہ اس میں توسع، بظاہر یہ مذاہب اربعہ کا اتفاقی حکم ہے، جیسا کہ قدیم محققین فقہاء مذاہب سے صراحت ملتی ہے، مثلاً:

فقہ حنفی کی ایک معتبر کتاب "النتف فی الفتاوی" میں آیا ہے: والقبض علی خمسة أوجه: أحدها قبض الكرم والدار وماله غلق وباب فيما لم يسلم البائع المفتاح إلى المشتري أو يقبض المشتري بإذن البائع فليس بقبض، وإذا كان في وسط الكرم والدار وقال البائع سلمت إليك فلا يحتاج حينئذ إلى قبض المفتاح.

والثاني قبض الأرض فما لم يدخل فيها أو يمر على حد من حدودها ويراه فلا يكون قبضا، فإذا دخل فيها ومر على حد من حدودها فيكون قبضا عند ذلك.

والثالث قبض الحيوان وهو أن يكون في موضع يصل إليه بيده أو إلى لجامه أو مقوده فيكون قبضا.

والرابع قبض الكيلي فإن اكتاله المشتري في وعائه أو كاله البائع في وعائه بمحضر منه أو من وكيله فيكون قبضا، ولو دفع الوعاء إلى البائع فكاله فيه بغير محضر منه يكون قبضا في قول أبي حنيفة وأصحابه ولا يكون قبضا في قول الشافعي ومالك ....

والخامس قبض العروض وهو أن يسلمها إلى المشتري بحيث تناولها يد المشتري وخلي بينه وبينها من غير حاجز ومانع (النتف فی الفتاوی ۲۹۰/۱۔۲۹۲)۔

یعنی قبضہ کی پانچ صورتیں ہیں: ایک تو باغ و مکان وغیرہ جس کا باقاعدہ دروازہ ہو اس پر قبضہ تو اگر کنجی دیدی جائے یا یہ خریدار مالک و بائع کی اجازت سے تصرف کرنے لگے تو قبضہ ہو گیا، یا یہ کہ خریدار مکان و باغ کے اندر موجود ہو اور بائع کہے کہ میں نے سپرد کر دیا تو بھی کافی ہے۔

دوسرے عام زمین پر قبضہ اس کے لئے زمین پر ہو نچنا وغیرہ ضروری ہے۔ تیسرے جانور پر قبضہ، اس کی صورت یہ ہے کہ جانور ایسی جگہ وایسے حال میں ہو کہ خریدار اس کو کام میں لا سکے۔ چوتھے ناپ تول کی چیز کہ اگر خریدار

یا اس کے وکیل کے سامنے فروخت کنندہ نے تولا تو قبضہ ہو گیا، اور اگر غیر موجودگی میں لیکن خریدار کے تھیلے وغیرہ میں تولا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبضہ ہو گیا۔ اور پانچویں سامان (برتن وغیرہ) پر قبضہ کی صورت یہ ہے کہ اس کو خریدار کے سپرد کر دیا جائے یا اس کو تصرف کا پورا موقع دے دیا جائے۔

ابن عبدالبر مالکی کی کتاب ''الکافی'' میں جو کہ فقہ مالکی کی معتمد کتابوں میں ہے، نیز امام رافعی شافعی کی ''شرح الوجیز'' میں، اور حنابلہ کی المغنی میں بھی اسی انداز میں تفصیل آئی ہے۔ (الکافی ۲/۶۹۱، اعلاء السنن ۱۴/۲۳۱ بحوالہ شرح الوجیز ۸/۳۳۸و۳۳۹، المغنی ۴/۲۲۰)

جیسے کہ اس بابت یہ بات بھی آئی ہے: القبض قبضان ، قبض حكم و قبض رقبة (قبض حقيقي) فقبض الحكم مثاله أن يشترى عبداً ثم يقتله أو يفقأ عينه أو يكسر رجله ونحو هذا ، فقد صار قابضا للعبد بهذه الجناية ، وقبض الرقبة ما ذكرنا في الوجوه الخمسة (النتف فی الفتاویٰ ص ۲۸۲) اور البحر الرائق میں تصرف قولی وحسی یعنی قبض قولی و قبض فعلی کا تذکرہ آیا ہے (البحر الرائق)۔

نتف کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قبض کی دو صورتیں ہیں: قبضہ حکمی اور قبضہ حقیقی۔ قبضہ حکمی کی مثال تو یہ ہے کہ ایک غلام خریدا اور پھر اس کو نقصان پہونچا دیا مثلاً اس کو قتل کر دیا، یا ہاتھ وغیرہ، آنکھ وغیرہ کو نقصان پہونچا دیا، تو اس کی وجہ سے خریدار کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور قبضہ حقیقی وہ ہے جس کی پانچ شکلیں پیچھے ذکر کی جا چکی ہیں۔

''الفقہ الاسلامی'' میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں عرف کا اعتبار ہے (الفقہ الاسلامی ۴/ ۴۱۹)۔

اسی لئے ہر فقہ ومذہب کی جزئیات جو کہ قبض کے بیان میں آئی ہیں مختلف انداز کی ملتی ہیں، اور ان میں مختلف شکلوں کو قبضہ کے تحت اور قبضہ کے حکم میں یا مفید قبضہ مانا گیا ہے، فقہ حنفی میں بھی اور دوسرے مذاہب میں بھی (ملاحظہ ہو: المغنی، فتاویٰ خانیہ، شامی وغیرہ)۔

اب ان تصریحات وجزئیات اور تفصیلات کو مد نظر رکھ کر اصولی تحدید کی جائے گی، تو اس بابت فقہ حنفی کے مشہور محقق وترجمان علامہ کاسانی کا یہ بیان ملتا ہے جس پر اعتماد بھی کیا گیا ہے:

التسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي ، وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه ، فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشترى قابضا له و كذا تسليم الثمن من المشترى إلى البائع (البدائع ۵/۲۴۴)۔

حنفیہ کے نزدیک قبضہ یہ ہے کہ خرید وفروخت کا معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد فروخت کنندہ، خریدار اور خرید کردہ چیز کے درمیان یوں آزادی کر دے کہ خریدار کے لئے حسب خواہش وضرورت خرید کردہ چیز میں ہر قسم کا تصرف، استفادہ وانتفاع ممکن ہو جائے اور بائع کی طرف سے کوئی روک اور رکاوٹ باقی نہ رہ جائے۔

یہ اصل وبنیادی بات ہے باقی جزئیات اور ''النتف'' کا بیان اس کی صورتوں کی وضاحت وبیان ہے، جس

میں عرف کے مطابق اضافہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ مذکورہ صورتیں عرف و معاملہ پر ہی مبنی ہیں، مثلاً آج کل بعض معاملات بالخصوص زمین کے معاملات میں کاغذی اندراج، اور اس کی سرکاری کارروائی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، لہٰذا اس کو بھی کافی سمجھا جائے گا، ویسے تو زمین کے معاملہ میں یوں بھی فقہ حنفی کے اندر وسعت ہے، اور فروخت کردہ سامان کے نقصان و ضمان کا خریدار کی طرف منتقل ہو جانا خاص شکلوں میں۔

قبضہ کی بابت اختلاف کے باوجود جو تفصیلات محققین مذاہب نے ذکر کی ہیں جیسا کہ تذکرہ آتا ہے، اختصار ان سے یہ سمجھا ہے کہ خرید و فروخت میں قبضہ بہر حال مطلوب ہے اور خریدار کے تصرف کے لئے ضروری ہے اور ہر چیز میں ضروری ہے، اختلاف اصل میں اس بابت ہوا ہے کہ قبضہ کا مفہوم مختلف اشیاء و صورتوں کے اعتبار سے کیا ہے، مثلاً یہ کہ آیا زمین و غیر منقولات میں بھی قبضہ بایں معنی ضروری ہے کہ خریدار استعمال و انتفاع شروع کر دے یا یہ کہ بائع کی طرف سے اس کو موقع حاصل ہو جائے، کتب مذاہب کی جزئیات اس توافق و اتفاق کے ساتھ مذکورہ جزئی و فرعی اختلاف کو بتاتے ہیں۔

البتہ فقہاء احناف نے اس کے ساتھ یہ بحث کی ہے کہ ایک نفس قبضہ ہے اور ایک قبض تام، تخلیہ جو ذکر کیا گیا اس سے نفس قبضہ حاصل ہوتا ہے، لیکن قبض تام کے حاصل ہونے میں اختلاف ہے، اس اختلاف کی اہمیت یہ ہے کہ بالخصوص خرید و فروخت پر اس کا اثر پڑے گا، بعض حضرات ناپ و تول والی چیزوں میں ناپ و تول کے بغیر قبض تام کو نہیں مانتے، اور کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ان اشیاء کی خرید و فروخت منع ہے، اگر چہ ایک بڑی جماعت اصل قبضہ اور نفس تخلیہ کو دوسری اشیاء کی طرح اس میں بھی کافی مانتی ہے (البدائع ۲۴۴/۵)۔

جو لوگ قبض تام کو الگ مانتے ہیں ان کے نزدیک اس کے حصول کے مختلف ذرائع ہیں، مثلاً: (۱) اتلاف کہ مشتری (خریدار) خرید کردہ شئے کو تلف و ضائع کر دے یا نقصان پہونچا دے، (۲) خرید کردہ شئے فروخت کنندہ کی طرف سے خریدار کو بطور امانت وغیرہ دے دی جائے، (۳) جو شخص خرید کردہ شئے کو کچھ نقصان پہونچائے خریدار اس سے ضمان لے لے، (۴) سابق قبضہ یعنی خریدنے سے پہلے شئے کا خریدار کے پاس موجود ہونا بشرطیکہ جہت ایسی ہو کہ اس پر ضمان لازم آتا ہو، (۵) اور تخلیہ بھی، اگر چہ ہر جگہ نہ ہو (الفقہ الاسلامی ۴/ ۳۱۸ تا ۳۲۲)۔

اور اس ضمن میں پھر یہ گفتگو بھی آئی ہے کہ خریدار کے حق میں فروخت کی اجازت و صحت کے لئے مال کا خریدار کے ضمان میں آ جانا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے باوجود ممانعت رہتی ہے، اس لئے کہ ضمان تو نفس تخلیہ و نفس قبض سے ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بدائع وغیرہ میں بھی آیا ہے: وإن باع مكايلة أو موازنة في المكيل والموزون وخلى فلا خلاف في أن المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشترى حتى لو هلك بعد التخلية قبل الكيل والوزن يهلك على المشترى وكذلك لا خلاف في أنه لا يجوز للمشترى بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن (بدائع ۲۴۴/۵)۔

۳۔ سوال نمبر (۲) کے جواب کے تحت جو تفصیل آئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اشیاء کے فرق کی وجہ سے قبضہ کی

نوعیت بھی بدل جاتی ہے، اگرچہ اصولی طور پر "تخلیہ" بنیادی چیز ہے اور اصل قبضہ ہے، پھر بھی منقولات میں نقل مکانی وغیرہ جیسی صورتیں مطلوب اور معتبر ہوتی ہیں، جبکہ غیر منقول اشیاء میں نفس تخلیہ ہی کافی ہے، یا یہ کہ مکان ودکان کی کنجی کا مل جانا وغیرہ۔

۴۔ اکثر حضرات کا میلان ورجحان اس بات کی طرف ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے نہی وممانعت معلول ہے، اگرچہ فقہاء احناف کی ایک جماعت یا ایک بڑی جماعت اس کی قائل نہیں، جن حضرات نے تخلیہ کو ہی مکمل قبضہ اور قبض تام کی حیثیت ہر شئی میں دیدی ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم تعبدی ہے، جیسا کہ بدائع میں نقل کیا ہے اور دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا ہے۔

اور اکثر حضرات کے نزدیک اس نہی کی علت "غرر انفساخ" ہے، یا ربح مالم یضمن۔ "غرر انفساخ" کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ میں لینے سے پہلے کسی وقت بھی خرید کردہ سامان کے ضیاع کا اندیشہ ہے، جس کی وجہ سے بیع فسخ وختم ہو جائے گی، اور چونکہ زمین کے اندر یہ اندیشہ نہیں ہوتا اسی لئے اس کا استثناء ہے۔ اور ربح مالم یضمن کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز خریدار کے ضمان میں نہیں آئی کہ وہ ضائع ہو تو خریدار کا نقصان مانا جائے اس کا نفع لینا درست نہیں ہے۔

ایک علت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کی گئی ہے کہ ایسی خرید وفروخت میں ربا اور سود کا پہلو پایا جاتا ہے (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۵ وغیرہ)۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ خریدار نے جبکہ مال خرید کر اس کی قیمت ادا کردی اور مال کو قبضہ میں نہیں لیا اور بیچ دیا اور بیچ کر نفع کمایا تو معاملہ کا حاصل نقد بمقابلہ نقد ہوا، خریدار نمبر (۱) نے جیب سے نقد دیا، اور پھر خریدار نمبر (۲) سے نقد ہی بڑھا کر حاصل کیا، درمیان میں مال کو واسطہ نہیں بنایا کہ اس پر قبضہ کرتا پھر فروخت کرتا۔

اس علت کو علامہ شوکانی نے ترجیح دی ہے جیسا کہ اعلاء السنن میں مذکور ہے اور صاحب اعلاء نے بھی اس کو پسند کیا ہے، اور احقر کی رائے میں بھی یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ غرر انفساخ والی بات درجہ کا درمیں ہے اور ضمان نفس تخلیہ کی وجہ سے مان لیا جاتا ہے، نیز صاحب اعلاء السنن نے ذکر کیا ہے کہ انتقال کی شرط تمام قبض کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ قبضہ عرفاً معلوم ہے اور یہ بات محتمل ہے، اس لئے معلوم کو مدار ومعتبر مانا جائے گا، غرر انفساخ وربح مالم یضمن کی علت امام صاحب وغیرہ نے نیز عموماً فقہاء نے مانی ہے، اور مجموعی طور پر ان سب کا اعتبار کیا جاسکتا ہے کہ علت ایک سے زائد بھی ہوسکتی ہے، چنانچہ صاحب اعلاء نے سب کا تذکرہ کیا ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت میں محل ممانعت کیا ہے، اختلاف ہے، ایک جماعت جس میں امام شافعی وامام محمد شامل ہیں، مطلقاً منع کرتی ہے یعنی ہر چیز میں، اور بقیہ سب کے یہاں تفصیل وتخصیص ہے، مختصر بات یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کے حق میں تو یہ ممانعت اتفاقی واجماعی ہے، بقیہ میں اختلاف اور توسع ہے، کم از کم ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ وامام مالک وامام احمد کے نزدیک، اگرچہ باہم ان کے درمیان بھی اختلاف ہے کہ امام ابوحنیفہ یہ ممانعت تمام منقولات کے حق میں مانتے ہیں اور غیر منقول کو مستثنیٰ مانتے ہیں، اصل میں بات یہ ہے کہ روایات میں

کھانے پینے کی چیز کا تذکرہ زیادہ ہے، امام ابوحنیفہ نے اسی کی تنقیح منقول سے کی ہے، اور غیر منقول کے حق میں حضرت عثمان کے فعل سے حجت پکڑتے ہیں کہ انہوں نے ایک زمین خرید کر بغیر قبضہ کے فروخت کی تھی (اعلاء السنن ۱۴/ ۲۲۷، ۲۲۹)۔

۶۔ کسی فیکٹری سے مال خرید کر دوسرے کو فروخت کرنا اور دوسری فروخت سے قبل اس کو فیکٹری سے ٹھکانہ و مقام کی طرف منتقل نہ کرانا، یا یہ کہ قبضہ کی ظاہری کوئی شکل اختیار نہ کرنا، اس میں دو شکلیں نکلتی ہیں:

ایک تو یہ کہ فیکٹری سے مال خرید لیا، یعنی معاملہ طے کیا، قیمت دیدی، اور مال ابھی فیکٹری اور اس کے گودام میں ہے، کہ دوسرے شخص سے خریدنے کا معاملہ مکمل کیا، اور اس معاملہ کو مکمل کر کے فیکٹری کو آرڈر دیا کہ میرا خرید کردہ مال فلاں جگہ، فلاں شخص کو پہونچا دیا جائے، تو یہ معاملہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا ہے جو درست معلوم نہیں ہوتا، خواہ کوئی چیز ہو، اس لئے کہ تخلیہ اور قبضہ کسی طرح کا نہیں پایا گیا۔ الا یہ کہ خریدار اول کے معاملہ کے بعد فیکٹری نے اس کے خرید کردہ مال کو گودام میں ایک طرف کر دیا ہو، یا یہ کہ نشان وغیرہ لگا کر ممتاز کر دیا ہو تو یہ تخلیہ ہو گیا جو کہ کافی سمجھا گیا ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ فیکٹری سے مال خریدنے والے نے پہلے معاملہ خریدار نمبر (۲) سے کیا، پھر فیکٹری کو آرڈر دیا مال کی خرید و ارسال کا، تو اس میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا معاملہ تو نہیں، البتہ معدوم کی بیع وغیرہ کی خرابیاں پیدا ہوں گی، ضرورت کی وجہ سے توجیہ کر لیں تو مال جب روانہ ہوگا اور سوال میں مذکور تفصیل کے مطابق کہ درمیانی وقفہ میں ضیاع کی ذمہ داری خریدار نمبر (۱) کی ہے تو قبضہ مان لیا جائے گا، اور یہ معاملہ درست ہوگا، جبکہ مذکورہ صورت میں نقل مکانی بھی پایا جا رہا ہے، جس کی قبضہ میں اہمیت ہے۔

۷۔ آج کل شکلیں بہت رائج ہو گئی ہیں اور ان کا تعامل ہے۔

الف۔ جن صورتوں میں عرفاً و معاملۃً فروخت کنندہ نمبر (۱) کی طرف سے ضمان خریدار نمبر (۱) کی طرف منتقل مان لیا جاتا ہے، جبکہ مال فیکٹری و فروخت کنندہ کے ٹھکانہ سے روانہ ہو چکا ہو، ان صورتوں میں یہ معاملہ درست ہے کہ خریدار نمبر (۱) اس سامان کو تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دے، یہ فروخت بعد القبض ہوگی اس لئے کہ تخلیہ اور ضمان پایا جا رہا ہے۔ (امداد الفتاویٰ کے بعض مندرجات سے اس کی گنجائش مترشح ہے ۳/ ۱۳۵۔ ۱۳۶)۔

ب۔ اور اس دوسری فروخت میں اگر خریدار نمبر (۱) مال کے راستہ میں رہنے کے باوجود ضمان سے بری ہو جاتا ہے اور ضمان خریدار نمبر (۲) کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اس کو تصرفات کے تمام مواقع حاصل ہوتے ہیں تو یہ بھی درست معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ تخلیہ اور ضمان دونوں پائے گئے اور قبضہ کی اصل حقیقت ضمان ہے۔

ج۔ فقہاء معاصر کی تحریرات میں بعض رہنمائیاں اور صراحتیں ملتی ہیں جو کہ مروج معاملات میں کافی کارآمد ہوں گی، مثلاً:

۱۔ خریدار نمبر (۱) جبکہ کسی بینک کو واسطہ بنائے اور وہ بینک اپنی شاخوں کے واسطے سے مال کے نقل و ارسال و ایصال کا کام لے اور کرے تو قبضہ پا لیا گیا، اور اس صورت میں بھی خریدار کی طرف سے اگلی فروخت

درست ہے۔

۲۔ خریدار نمبر (۱) کی طرف سے نقل و حمل کی کسی کمپنی کی تعیین پائی جائے تو جب مال اس کمپنی کے سپرد کیا جائے گا تو بھی اس کا قبضہ مان لیا جائے گا۔

۳۔ خرید کردہ مال کی آمد و وصولیابی کے جملہ اخراجات (کرایہ وغیرہ) اگر بذمہ خریدار نمبر (۱) ہے تو مال کی روانگی کے بعد قبضہ معتبر ہے خواہ نقل و حمل کا ذریعہ اس نے متعین کیا ہو یا نہیں (احسن الفتاوی ۶ر ۵۲۵۔۵۲۶)۔

ایسی صورتوں کے فقدان کی صورت میں مال کے خریدار (۱) کے قبضہ میں آنے سے پہلے فروخت کے معاملہ کو معاملہ بیع نہ مان کر وعدہ بیع قرار دے لیا جائے، اور مال آنے پر بیع ہو جس میں اختیار رہے گا تو درست ہے، بعض معاملات میں ایسی توجیہ مشورہ احسن الفتاوی وامداد الفتاوی وغیرہ میں آیا ہے۔

قبضہ کی مذکورہ بالا صورتوں میں نقد وغیرہ پائی والی (قول) جانے والی چیزوں کا معاملہ اہم ہے کہ خریدار نمبر (۱) کی طرف سے اگلی فروخت صرف تخلیہ و ضمان کی بنیاد پر درست نہیں ہے بلکہ ناپ و تول مطلوب ہے جس کے بغیر قبضہ تام نہیں ہوتا، اور اگر ہو جائے تو بھی بیع درست نہیں، البتہ ایسی چیزوں کے حق میں دوسری گنجائشوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، مثلاً یہ کہ ناپ و تول کا لزوم اس وقت ہوگا جبکہ پچھلی فروخت اس بنیاد پر ہو، اور اگر وہ بورے کی بنیاد پر ہو کہ اتنے بورے مال اور اتنی ویگن وغیرہ اور مال بورے کا بورا رکھا ہوا اٹھا کر دیا جائے تو یہ پابندی نہ ہوگی۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

محمد رضوان القاسمی

۱۔ قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت مختلف احادیث سے ثابت ہے، بعض ان میں سے مطلق ہیں، مثلاً:

عن حکیم بن حزام قال: قلت یا رسول الله ﷺ إنی أبتاع هذه البیوع فما یحل لی منها وما یحرم علیّ؟ قال: یا ابن أخی لا تبیعن شیئا حتی تقبضه، هذا إسناد حسن متصل (السنن الکبری للبیہقی: ۳۱۳/۵، وکذا فی مصنف ابن أبی شیبة: ۳۹۹/۶)۔

اور ان میں سے بعض طعام یعنی خوردنی اشیاء کے ساتھ مقید ہیں، مثلاً:

عن ابن عمر رضی الله عنهما أن النبی ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا یبعه حتی یقبضه (بخاری مع فتح الباری ۳۴۹/۴، نیز دیکھئے مجمع الزوائد ۹۸/۴)۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اشیاء خوردنی خریدے، وہ اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلے۔

یہ دو حدیثیں بطور مثال کے پیش کی گئی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن کی بنیاد پر فقہاء مجتہدین میں اختلاف بھی ہوا ہے، لیکن جمہور فقہاء فی الجملہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے ناجائز ہونے پر متفق ہیں (شرح المہذب ۲۶۳/۹، بدایۃ المجتہد ۱۴۴/۲، الروض المربع ۲۲۳، المغنی ۸۸/۴، البحر الرائق ۱۲۶/۹، بدائع الصنائع ۱۸۰/۵، الہدایہ مع الفتح ۵۱۰/۶، بزازیہ مع الہندیہ ۳۹۶/۴)۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بیع فاسد ہے، اسلئے کہ رکن بیع اور محل بیع میں کوئی خلل نہیں ہے، البتہ غرر اور دھوکہ ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

وفی المواهب وفسد بیع المنقول قبل قبضه انتهی، ونفی الصحة یحتملهما ......
أی یحتمل البطلان والفساد والظاهر الثانی لأن علة الفساد الغرر کما مر مع وجود رکنی العقد (رد المحتار ۱۸۲/۴)۔

۲۔ تمام دبستان فقہ کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ شرع اسلامی میں کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی ہے، بلکہ اسے لوگوں کے عرف وعادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے گا وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا (بدائع الصنائع ۵/۱۴۸ـ۲۴۴، المغنی ۴/۱۱۰، الشرح الکبیر بہامش حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۴۵، شرح المہذب ۹/۲۷۵)۔

۳۔ اشیاء منقول اور غیر منقول میں قبضہ کی یکساں صورت نہ ہوگی، بلکہ تمام مکتبہ فکر کے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اشیاء غیر منقول میں تو تخلیہ کو قبضہ کا درجہ حاصل ہوگا، البتہ اشیاء منقول میں قدرے اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اشیاء منقول میں قبضہ کا دارومدار لوگوں کا عرف ورواج ہے، یعنی جن اشیاء میں جس کیفیت کو عوام قبضہ تصور کریں وہ شرعاً بھی قبضہ شمار کیا جائے گا، اور جس کو قبضہ نہ مانیں وہ قبضہ متصور نہ ہوگا، چنانچہ علامہ دردیر مالکیؒ فرماتے ہیں:

قبض العقار وهو الأرض وما اتصل بها..... التخلية وقبض غيره أي غير العقار من عروض وانعام ودواب بالعرف الجاري بين الناس (الشرح الکبیر بہامش حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۴۵)۔

عقار یعنی زمین اور جو زمین سے متصل ہوں ان میں تخلیہ کے ذریعہ قبضہ ہوگا اور عقار کے علاوہ مثلاً سامان، جانور اور چوپائے میں قبضہ اس عرف کے مطابق ہوگا جو لوگوں میں جاری ہو۔

یہی کچھ امام نوویؒ نے لکھا ہے (شرح المہذب ۹/۲۷۵)۔

اس سلسلہ میں احناف کا کہنا ہے کہ اشیاء منقول اور غیر منقول دونوں میں تخلیہ کو قبضہ گردانا جائے گا، البتہ مبیع کے احوال کے اعتبار سے تخلیہ کی نوعیت میں فرق ہوگا، چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع (رد المحتار ۴/۴۷ـ۴۸، نیز ملاحظہ ہو الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۱۸ـ۳۱۹)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تخلیہ کو حکماً اس وقت قبضہ تصور کیا جائے گا جبکہ بغیر مشقت کے اس پر تصرف کرنا ممکن ہو، لیکن قبضہ کی نوعیت مبیع کی حالت کے اعتبار سے بدلتی رہے گی۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کے بارے میں تقریباً تمام ہی فقہاء اور شراح حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ احادیث معلول بالعلۃ ہیں، چنانچہ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

والحديث معلول بعلة عملاً بدلائل الجواز (ہدایہ مع الفتح ۶/۵۱۳)۔

فقہاء احناف نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہاں پر مبیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں بیع کے فسخ ہونے کا غرر اور دھوکہ ہے، چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

لأن النهي معلول بغرر انفساخ العقد لخوف الهلاك (التعلیق الممجد ۳/۱۹۹، نیز دیکھئے مجمع

الاسرہ ۵/۷۷، فتح القدیر ۹/۵۱۳)۔

۵۔ بعض فقہاء کے یہاں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت بالکل عام ہے، جب کہ دوسرے فقہاء اس میں استثناءات اور تخصیصات کے قائل ہیں، ذیل میں ان کی آراء اور ان کے وجوہ و دلائل تفصیل کئے جاتے ہیں:

شافعی نقطۂ نظر:

یہ ہے کہ بیع قبل القبض کی نہی بالکل عام ہے، اس میں کوئی استثناء اور تخصیص نہیں، خواہ مبیع منقول اشیاء ہو یا غیر منقول، چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

اما الاحکام فمذھبنا انه لایجوز بیع المبیع قبل قبضه عقاراً کان او منقولا لا باذن البائع ولا بغیر اذنه لا قبل اداء الثمن ولا بعده (شرح المہذب ۹/۲۶۴-۲۶۵)۔

ان حضرات کی بنیادی دلیل حضرت حکیم بن حزام کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام سے فرمایا تھا کہ ''کسی چیز کو قبضہ کے بغیر فروخت نہ کرو''۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ ۵/۳۱۳، بخاری مع الفتح ۴/۳۴۹، مجمع الزوائد ۴/۹۸)۔

حنفی نقطۂ نظر:

یہ ہے کہ منقول اشیاء کو بغیر قبضہ کے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ غیر منقول، مثلاً زمین، گھر وغیرہ کو بغیر قبضہ کئے ہوئے بھی فروخت کرسکتے ہیں (دیکھئے البحر الرائق ۹/۱۱۹، مختصر الطحاوی ۹۴، ارشاد الساری ۴/۷۵)۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ممانعت کی اصل علت غرر اور دھوکہ ہے، وہ اس طرح کہ ہلاک ہونے کی صورت میں عقد کے فسخ ہونے کا اندیشہ ہے، اور یہ غرر صرف منقول اشیاء میں متوقع ہے، نہ کہ غیر منقول میں، اس لئے کہ غیر منقول شی میں ہلاک ہونے کا اندیشہ بہت کم ہے (دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۷۴، البحر الرائق ۹/۱۱۹، فتح القدیر ۹/۵۱۳) چنانچہ اگر عقار وغیرہ کے اندر بھی ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو وہاں بھی قبل القبض فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، مثلاً وہ زمین یا گھر وغیرہ جو دریا وغیرہ کے کنارے پر واقع ہو اور اس کے دریا میں ختم ہوجانے کا خدشہ ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے فتح القدیر ۹/۵۱۳)۔

مالکی نقطۂ نظر:

اس سلسلہ میں یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت صرف خوردنی اشیاء کے ساتھ خاص ہے، جبکہ ان کو کیل یا وزن کے ساتھ فروخت کیا جائے، اور خوردنی اشیاء کے علاوہ یا خوردنی اشیاء کو ''تخمینہ'' فروخت کیا جائے تو ان میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔ (دیکھئے بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۴، المغنی ۴/۸۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۷۴) ان لوگوں نے ان احادیث کو اپنا مستدل بنایا ہے، جن میں قبضہ سے پہلے طعام کی بیع کو منع کیا گیا ہے۔

حنبلی نقطۂ نظر:

یہ ہے کہ خوردنی اشیاء جو کیل، وزن یا عدد سے فروخت کی جاتی ہیں، ان میں قبل القبض تصرف کرنا درست

نہیں ہے۔ان کے علاوہ تمام اشیا قبل القبض فروخت کی جا سکتی ہیں، حتی کہ اگر خوردنی اشیاء، جو مجازفۃ یعنی بلا کیل و وزن بیچی گئی ہوں، ان کو بھی قبل القبض فروخت کرنا درست ہے، چنانچہ ابن قدامہ نقل فرماتے ہیں:

قال ابن عبد البر : الأصح عن أحمد بن حنبل أن الذی یمنع من بیعه قبل قبضه هو الطعام (المغنی ۴/۸۸)۔

ان کا استدلال حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابو ہریرہؓ اور جابرؓ کی روایات سے ہے، جن میں صراحت موجود ہے کہ ممانعت خوردنی اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے، مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت یوں منقول ہے:

من اشتری طعاماً بکیل أو وزن فلا یبعه حتی یقبضه (مسند احمد)۔

۶۔ اگر کوئی شخص فیکٹری وغیرہ سے مال خرید کر اس پر قبضہ کئے بغیر دوسرے خریدار کے ہاتھوں اس شرط پر فروخت کردیتا ہے کہ اگر درمیان میں مال ہلاک ہوجائے تو اس کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر عائد ہوگی اور نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ میرا (خریدار (۱) کا) نقصان قرار پائے گا، ایسا معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا، اسلئے کہ یہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں داخل ہے، جہاں تک ضمان کے قبول کرنے کا تعلق ہے تو یہ قبضہ کے پائے جانے کے لئے کافی نہیں۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں شپنگ کی جو صورت رائج ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ جہاز پر مال چڑھا دینے کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے، تیسرے شخص کے ہاتھوں فروخت کردیتا ہے، اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ تیسرا شخص ضامن ہوتا ہے، یہ صورت بھی جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ "بیع قبل القبض" کے قبیل سے ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

حضرت حکیم بن حزام سے منقول ہے:

قلت یا رسول اللہ ﷺ إنی اشتریت بیوعاً فما یحل لی منہا وما یحرم علیّ؟ قال: فإذا اشتریت فلا تبعہ حتی تقبضہ (مسند احمد ۳/۴۰۲)۔

میں نے عرض کیا اللہ کے رسول! میں خرید وفروخت کے بعض معاملات کرتا ہوں تو میرے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ فرمایا: جب خرید کرو تو قبضہ کے بغیر فروخت نہ کرو۔

فقہاء کی آراء:

ان احادیث کی روشنی میں فی الجملہ کسی چیز پر قبضہ سے پہلے ہی اس کو فروخت کرنے کے ناجائز و نادرست ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اور کہا جا سکتا ہے کہ تفصیلات میں اختلاف سے قطع نظر اصولی طور پر یہ ایک اجماعی رائے ہے، ابن حزم نے عطاء کا اختلاف نقل کیا ہے کہ وہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو مطلقاً جائز تصور کرتے تھے (المحلی ۸/۵۲۰) عثمان البتی سے بھی ایسا ہی منقول ہے (شرح نووی علی مسلم ۲/۸)۔ لیکن بقول نووی یہ ایک قول شاذ و غیر معتبر ہے (حوالہ سابق)۔ البتہ تفصیلات اور احادیث کے مصداق کی بابت فقہاء کی رائیں مختلف ہیں۔

شوافع:

فقہاء شوافع کے نزدیک کوئی شے جو خریدی گئی ہو جب تک اس پر قبضہ نہ ہو جائے اس کو فروخت کرنا درست نہیں، مال منقول ہو یا غیر منقول، خوردنی شے ہو یا کچھ اور، فروخت کنندہ کی اجازت سے تصرف کرے یا بلا اجازت اور قیمت کی ادائیگی کے بعد کرے یا اس سے پہلے ہی، بہر صورت یہ جائز نہیں۔

لا یجوز بیع المبیع قبل قبضہ عقاراً کان او منقولاً، لا باذن البائع ولا بغیر إذنہ، لا قبل اداء الثمن ولا بعدہ (شرح المہذب ۹/۲۶۳)۔

قبضہ سے پہلے مبیع کو فروخت کرنا جائز نہیں، مال منقول ہو یا غیر منقول، نہ فروخت کنندہ کی اجازت سے اور نہ بلا اجازت، نہ قیمت کی ادائیگی سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔

امام محمد کی بھی وہی رائے ہے جو امام شافعی کی ہے (مختصر المزنی ص ۸۲)۔

فقہاء شوافع نے بنیادی طور پر حضرت حکیم بن حزام کی روایت کو پیش نظر رکھا ہے جس میں مطلق خریدی ہوئی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے علاوہ مسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ حضور نے تو کھانے کی اشیاء کو قبضہ سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ دوسری اشیاء کا بھی یہی حکم ہوگا، واحسب کل شیء مثلہ (مسلم ۲/۵) خود امام شافعی نے "کتاب الام" میں عبداللہ بن عباس ہی کے قول کو اپنے مستدل کی حیثیت سے ذکر کیا ہے (کتاب الام ۳/۶۹)۔

حنابلہ:

حنابلہ کے نزدیک غیر خوردنی اشیاء میں قبضہ سے پہلے فروختگی جائز ہے، پھر خوردنی اشیاء میں حنابلہ کے

اشیاء قبضہ سے پہلے فروخت نہیں کی جاسکتیں (البحر الرائق ۶/۱۱۹) امام ابو یوسف کا رجحان ابتداء اسی رائے کی طرف تھا جو امام شافعی کی ہے، مگر پھر انہوں نے امام صاحب کی رائے کی طرف رجوع کرلیا (مختصر الطحاوی ۸۳)۔

حنفیہ نے روایات کے الفاظ کے بجائے مقصد پر نگاہ رکھی ہے کہ اصل مقصد غرر سے بچانا ہے، اموال غیر منقولہ میں یہ اندیشہ نہیں کہ حوالگی سے پہلے وہ چیز ضائع اور ہلاک ہو جائے لیکن اموال منقولہ میں اس کا احتمال موجود ہے، اس لئے اموال منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی، اور اموال غیر منقولہ میں قبضہ سے پہلے بھی فروخت درست ہوگی (فتح القدیر ۶/۵۱۳) یہی وجہ ہے کہ اگر زمین ومکان بھی ایسی جگہ میں واقع ہو جہاں ضیاع کا خطرہ موجود ہو مثلاً مکان دریا کے کنارے واقع ہو اور اس کا سیلاب کی زد میں آجانا بعید از قیاس نہ ہو، یا وہ صحرائی علاقہ میں واقع ہو اور ریت سے ڈھک جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں زمین ومکان پر بھی قبضہ کے بعد ہی اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا (البحر الرائق ۶/۱۱۹)۔

غرض اس مسئلہ میں سب سے زیادہ وسعت مالکیہ اور حنابلہ کی رائے میں ہے اور سب سے زیادہ تنگی شوافع کی رائے میں، اور حنفیہ کی رائے ان دونوں کے درمیان ہے۔

ممانعت کی علت:

فقہاء کی آراء کو سامنے رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے فروختگی کی ممانعت کی جو روایات ہیں تمام ہی فقہاء کے نزدیک علت پر مبنی ہیں، البتہ خود اس علت کی تعیین میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے، یوں تو اہل علم نے اس کی متعدد علتوں کا ذکر کیا ہے (حاشیہ عون المعبود ۹/۳۸۵) لیکن اصل میں فقہاء نے دو چیزوں کو علت قرار دیا ہے: غرر اور ربا۔ حنفیہ کے نزدیک اس کی علت غرر ہے یعنی جب تک مبیع پر قبضہ نہ ہو جائے اس بات کا اندیشہ ہے کہ شاید اس پر قبضہ حاصل ہی نہ ہو پائے اور اس طرح مبیع خریدار کو حوالہ نہ کی جاسکے، چنانچہ صاحب ہدایہ کہتے ہیں: والحدیث معلول بہ (ہدایہ مع الفتح ۹/۵۱۳) اور داماد آفندی کا بیان ہے۔

الغرر المنھی عنہ غرر انفساخ العقد والحدیث معلول بہ (مجمع الانہر ۲/۷۶)۔

جس غرر کی ممانعت ہے وہ یہ ہے کہ معاملہ کے ٹوٹ جانے کا خطرہ درپیش ہو اور حدیث اسی علت سے متعلق ہے۔

حنابلہ کے نزدیک بھی اصل علت غرر ہی ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

مایتوھم فیہ غرر الانفساخ بھلاک المعقود علیہ لم یجز بناء عقد آخر علیہ تحرزاً من الضرر وما لا یتوھم فیہ ذلک الغرر انتفی المانع فجاز العقد علیہ (المغنی ۴/۹۳)۔

جس معاملہ میں مبیع کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے معاملہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ موجود ہو تو غرر سے بچتے ہوئے اس پر دوسرے معاملہ کی بنیاد رکھنا درست نہیں، اور جس میں غرر کا اندیشہ نہیں اس میں مانع موجود نہیں، اس لئے اس پر عقد جائز ہے۔

رکھتی ہے اور فاسد ہونے کا بھی۔

اس پر شامی کا بیان ہے:

ای یحتمل البطلان والفساد والظاهر هو الثانی لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركنی العقد (رد المحتار ۴/۱۸۲)۔

یعنی بطلان اور فساد دونوں کا اس لفظ میں احتمال ہے اور بظاہر فاسد ہونا مراد ہے، اس لئے کہ (جیسا کہ مذکور ہوا) فساد کی علت غرر ہے اور ایجاب وقبول پایا جا رہا ہے۔

اس لئے یہ "بیع فاسد" ہے، اور قبضہ کے بعد خریدار کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے؛ "بیع فاسد" کے سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر بیع میں فساد حق شرع کی بناء پر پیدا ہوا ہو اور وہ کسی کارِ گناہ پر مشتمل ہو تو یہ بہر حال باعث گناہ ہے، اگر نزاع کے اندیشہ سے ہو اور عملاً نزاع نہ پیدا ہو تو گو قضاءً بیع فاسد ہوگی لیکن دیانۃً درست بیع ہو جائے گی، اس سلسلہ میں مولانا انور شاہ کشمیری کی یہ تحریر چشم کشا ہے:

إن من البيوع الفاسدة ما لو أتى بها أحد جازت ديانة وإن كانت فاسدة قضاء وذلك لأن الفساد قد يكون لحق الشرع، بأن اشتمل العقد على مأثم فلا يجوز بحال وقد يكون الفساد لمخافة التنازع، ولا يكون فيه شيء آخر يوجب الإثم فذلك إن لم يقع فيه التنازع جاز عندي ديانة وإن بقي فاسداً قضاء لارتفاع علة الفساد وهي المنازعة، ويدل عليه مسائلهم في باب المضاربة والشركة فإنها ربما تكون فاسدة مع أن الربح يكون طيباً، وراجع "الهداية" ونبه الحافظ ابن تيمية في رسالته على أن من البيوع ما لا يقع فيه النزاع فتكون تلك جائزة، فإذا أدخلتها في الفقه وجدتها محظورة لأن أكثر أحكام الفقه تكون من باب القضاء والديانات فيها قليلة وإنما يصار إلى القضاء بعد النزاع فإذا لم يقع النزاع ولم يرفع الأمر إلى القاضي نزل حكم الديانة لا محالة فيبقى الجواز (فیض الباری ۳/۲۵۹)۔

بیع کے بعض فاسد معاملات وہ ہیں کہ اگر کوئی ان کو کر لے تو دیانۃً جائز ہے گو قضاءً فاسد ہے، اور وہ اس لئے کہ فساد کبھی حق شرع کی بناء پر ہوتا ہے، بایں طور کہ انجام دیا گیا معاملہ کسی گناہ کو شامل ہو تو یہ کسی حال میں جائز نہیں، اور کبھی معاملہ اندیشۂ نزاع کے تحت فاسد ہوتا ہے اور اس میں کچھ اور باعث گناہ نہیں ہوتا تو اگر اس میں نزاع کی صورت نہ پیدا ہو تو میرے نزدیک یہ معاملہ دیانۃً جائز ہے گرچہ یہ قضاءً فاسد ہی رہے گا، کیونکہ نزاع جو علت فساد تھی وہ موجود نہیں، اور اس کی دلیل مضاربت وشرکت کے ابواب کے مسائل ہیں کہ بعض اوقات یہ معاملات فاسد ہوتے ہیں لیکن نفع حلال ہوتا ہے، اس سلسلہ میں "ہدایہ" سے مراجعت کی جا سکتی ہے، نیز حافظ ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ میں اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ جس بیع میں نزاع نہ پیدا ہو، وہ جائز ہوگی، اگر تم اس کو باب فقہ میں داخل کرو گے تو ناجائز پاؤ گے، کیونکہ فقہ کے اکثر احکام قضاء کے باب سے ہوتے ہیں اور دیانت کے مسائل اس میں کم ہوتے ہیں، قضاء کی طرف

اسی وقت رجوع کیا جاتا ہے کہ نزاع پیدا ہوگئی ہو لہٰذا اگر نزاع پیدا نہیں ہوئی اور معاملہ قاضی کے پاس نہیں گیا تو لامحالہ دیانت کا حکم جاری ہوگا اور جواز باقی رہے گا۔

اس لئے یہ امر بھی غور طلب ہے کہ "قبضہ سے پہلے خرید و فروخت" کی ممانعت از قبیل حق شرع ہے یا حق عباد، اور یہ صرف قضاءً فاسد ہے یا دیانۃً بھی؟ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس کی ممانعت حق عبد کی بنا پر ہے نہ کہ حق شرع کی بنا پر، اور اس کا فساد دیانۃً ہے نہ کہ قضاءً۔

قبضہ کے مفہوم میں عرف کا دخل:

حقیقت یہ ہے کہ احادیث میں قبضہ کا کوئی متعین و محدود مصداق بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ خود احادیث میں قبضہ کی مختلف کیفیات کی طرف اشارہ موجود ہے، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک روایت میں ہے کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ مقام خریداری سے منتقل کئے بغیر دوبارہ اس کو فروخت نہ کریں، یامرنا بانتقاله من المكان الذي ابتعناه فيه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه (موطا امام مالک ۲۹۳) حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ جب تک تجار خرید کردہ مال کو اپنے کجاوے میں منتقل نہ کرلیں فروخت نہ کریں، حتی يحوزها التجار إلى رحالهم (۲۹۳/۲) حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت میں ناپ تول کو قبضہ قرار دیا گیا ہے، فلا يبعه حتى يكتاله (مسلم ۵/۲)۔ ظاہر ہے کہ ناپ تول، سامان کو اس کی جگہ سے ہٹانا، اور سامان کو اپنی دوکان یا سواری میں منتقل کرنے کے مفہوم و مصداق میں خاصا فرق ہے اور جن الفاظ کی شریعت نے تحدید نہ کی ہو ان کی بابت اصول ہے کہ "عرف" ہی سے ان کی مراد متعین ہوگی، سیوطی کا بیان ہے:

كل ما ورد به الشرع مطلقاً ولا ضابط له فيه ولا في اللغة يرجع فيه إلى العرف ومثلوه بالحرز في السرقة والتفرق في البيع والقبض (الاشباہ والنظائر للسیوطی ۹۶)۔

شریعت میں جو لفظ مطلق وارد ہوا ہو اور اس کی بابت نہ شریعت میں ضابطہ مقرر ہو اور نہ لغت میں، تو اس میں عرف کی طرف لوٹایا جائے گا، چوری کے مسئلہ میں حرز (حفاظت)، بیع میں تفرق نیز قبضہ سے فقہاء نے اس کی مثال دی ہے۔

اسی لئے فقہاء متفق اللسان ہیں کہ قبضہ کا مصداق لغت اور اشیاء کی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا، علامہ علاء الدین کاسانی کہتے ہیں:

ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكن والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

انگلیوں سے قبضہ شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کے معنی "تمکن" و "تخلی" اور عرف و عادت اور حقیقت کے اعتبار سے موانع کے ختم ہو جانے کے ہیں۔

علامہ ابو البرکات دردیر قمطراز ہیں:

وقبض العقار .. بالتخلية .. وقبض غيره ..... بالعرف الجاری بین الناس (الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی ۳/ ۱۴۵)۔

غیر منقول اموال میں قبضہ تخلیہ کے ذریعہ اور دوسری اشیاء میں لوگوں کے عرف ورواج کے مطابق ہوگا۔

امام نووی کا بیان ہے:

لأن القبض ورد به الشرع وأطلقه فحمل علی العرف ، والعرف فی ما ینقل النقل وفی مالا ینقل التخلیة (شرح المہذب ۹/ ۲۷۵)۔

شریعت میں قبضہ کا ذکر ہے اور مطلق ہے لہذا اس کو عرف پر محمول کیا جائے گا، اور عرف منقول اموال میں یہ ہے کہ نقل قبضہ ہے، اور غیر منقول اموال میں تخلیہ۔

فقہاء حنابلہ میں ابن قدامہ لکھتے ہیں:

لأن القبض مطلق فی الشرع فیجب الرجوع فیه إلی العرف کالإحراز والتفرق (المغنی ۴/ ۹۰)۔

کیونکہ قبضہ شریعت میں مطلق ہے، لہذا اس میں عرف کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، جیسے احراز، تفرق۔

اس لئے قبضہ کے سلسلہ میں یہ متفق علیہ ہے کہ قبضہ دراصل "تخلیہ" یعنی مالک اور اس شئے کے درمیان کوئی مانع تصرف امر کو باقی نہ رکھنے کا نام ہے، اور یہ ہر دور کے عرف اور ہر عہد کے رواج اور طور وطریق ہی سے متعین ہوسکتا ہے۔

قبضہ میں سامان کی نوعیت کا لحاظ:

جیسے قبضہ میں ہر عہد کے عرف کا اعتبار ہے، اسی طرح ہر شئے کا قبضہ اسی کے لحاظ سے ہوگا، شامی کے الفاظ ہیں: یختلف بحسب المبیع (رد المحتار ۴/ ۴۸)۔

اسی لئے فقہاء کے یہاں مختلف صورتوں میں الگ الگ کیفیات کو قبضہ قرار دیا گیا ہے، مثلاً چند صورتیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ بیع فاسد میں قبضہ کے لئے اس شئے کو اپنے ہاتھ میں لینا ضروری ہے، محض تخلیہ یعنی موانع کا ہٹا دینا کافی نہیں، المراد بالقبض هنا القبض بالبراجم لا بالتخلیة یرید بالید (البحر الرائق ۶/ ۱۹۴)۔

۲۔ کبھی خریدار کے تھیلے میں اس کی اجازت سے فروخت کردہ شئے کا رکھ دینا قبضہ کے حکم میں ہے، چاہے ایسا کرتے وقت خریدار موجود نہ ہو، لو اشتری مکیلا معینا ودفع المشتری إلی البائع ظرفا وأمره أن یکیله فی ظرف ففعل البائع والمشتری غائب صح (البحر الرائق ۶/ ۱۹۸)۔

۳۔ کبھی قبضہ کا اطلاق کسی شئے اور اس کے خریدار کے درمیان موانع تصرف کے ختم کردینے سے تسلیم کیا

جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کے پاس بطور امانت یا عاریت سامان موجود تھا، صاحب امانت یا صاحب عاریت نے اسی شخص سے وہ چیز فروخت کردی تو جب بھی خریدار سامان کے پاس آجائیں، قبضہ کی تکمیل ہو جائے گی اب اگر اس کے بعد وہ سامان ضائع ہو جائے تو خریدار کی ملکیت سے ضائع ہوگا۔

يصير المشتري قابضاً بالتخلية فإذا هلك بعد ذلك يهلك من مال المشتري

(البحر الرائق ۶/۲۰۸)

خریدار تخلیہ ہی سے قبضہ کرنے والا متصور ہوگا، لہٰذا اگر اس کے بعد مبیع ضائع ہو جائے تو خریدار کے مال ہی سے متصور ہوگا۔

قاضی خان لکھتے ہیں:

اجمعوا على أن التخلية في البيع الجائز تكون قبضاً (فتاوی قاضیخان ۲/۱۷۴)۔

اس پر اجماع ہے کہ بیع صحیح میں تخلیہ قبضہ ہے۔

عالمگیری نے بھی یہی بات نقل کی ہے، ہم لکھ آئے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے "تخلیہ" کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی ہے کہ خریدار کو اس پر قبضہ کرنے کا موقع ہو، نیز یہ قول **خليت بينك وبين المبيع فاقبضه** (فتاویٰ ہندیہ ۳/۱۶) بھی ضروری نہیں، خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ اگر دوری پر بھی واقع ہو پھر بھی "تخلیہ" قبضہ کے لئے کافی ہوگا: **إن بالتخلية يقع القبض وإن كان المعقود عليه بعيداً عنها** (خلاصۃ الفتاویٰ ۳/۹۹)۔ یہی رائے حنبلی دبستان فقہ کے مشہور شارح ابن قدامہ کی ہے فرماتے ہیں کہ قبضہ کے لئے تخلیہ اور مبیع کا ممتاز و متشخص ہونا کافی ہے: **إن القبض في كل شيء بالتخلية مع التمييز** (فتاویٰ ہندیہ ۳/۱۰)۔

اسی لئے فقہاء نے مکان کی کنجی حوالہ کر دینے کو قبضہ کے لئے کافی تصور کیا ہے، گو وہ خود اس مکان تک نہ گیا ہو:

ولو باع الدار وسلم المفتاح فقبض المفتاح ولم يذهب إلى الدار يكون قابضاً (فتاوی قاضیخان ۲/۱۷۹)۔

عالمگیری میں ہے:

وقبض المفتاح قبض الدار إذا تهيأ له فتحها بلا كلفة (فتاویٰ ہندیہ ۳/۱۷)۔

اگر کنجی سے بلا تکلف مکان کھولا جا سکتا ہو تو کنجی پر قبضہ مکان پر قبضہ کے حکم میں ہے۔

۵۔ کبھی سامان میں خریدار کا تصرف قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، مثلاً خریدار کے حکم سے فروخت کنندہ نے فروخت کئے ہوئے گیہوں کو پیس دیا، تو گیہوں پر قبضہ ہو گیا: **وإذا أمر المشتري للبائع بطحن الحنطة فطحن صار قابضاً** (فتاویٰ ہندیہ ۳/۱۲)۔

۶۔ مبیع میں خریدار کے حکم سے کوئی اور شخص تصرف کرے تو یہ بھی قبضہ کے لئے کافی ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ باندی پر قبضہ سے پہلے اس کا نکاح کردے اور شوہر اس سے وطی کرلے تو بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس

بجائے خود اس کی طرف سے قبضہ سمجھا جائے گا، اور بعض حضرات کے نزدیک "وطی" کے بعد قبضہ متحقق ہوگا و من اشتری جاریۃ ولم یقبضھا حتی زوجھا فوطیھا فالنکاح جائز (ہدایہ ۳/۸۶) اس سے معلوم ہوا کہ خریدار کے وکیل کا تصرف خود خریدار کا تصرف سمجھا جائے گا۔

۷۔ بعض صورتوں میں ایک چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دینے پر قبضہ کا اطلاق ہوتا ہے، وان کان .. فقبض المبیع نقلہ (المغنی ۴/۱۱۱)۔

ایک لفظی نزاع :

بہر حال فقہاء حنفیہ کے یہاں "قبضہ" "تخلیہ" سے عبارت ہے، البتہ اس کی کیفیت مختلف اشیاء کے لحاظ سے علاحدہ ہو سکتی ہے، خواہ اموال منقول ہوں یا غیر منقول (رد المحتار ۴/۴۸)۔ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اموال غیر منقول میں تو قبضہ "تخلیہ" کے ذریعہ وجود میں آتا ہے اور دوسری اشیاء میں ان کے حسب حالات، چنانچہ امام نووی نے لکڑی و غلہ جات وغیرہ میں منتقلی اور درہم و دینار میں ہاتھ یا کپڑے وغیرہ میں لے لینے کو قبضہ قرار دیا ہے (شرح المہذب ۹/۲۷۶) حنابلہ نے ان کے علاوہ ناپی، تولی اور شمار کی جانے والی اشیاء میں خریدار کے ناپ، تول اور شمار کو بھی قبضہ شمار کیا ہے (الروض المربع ۲۲۳) مالکیہ نے بھی منقول اشیاء میں حسب عرف و رواج قبضہ کا مفہوم متعین کیا ہے (الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی ۳/۱۴۵)۔

تاہم میرے خیال میں یہ کوئی جوہری اختلاف نہیں بلکہ حنفیہ نے "تخلیہ" کے مفہوم میں وسعت پیدا کی ہے اور تخلیہ حقیقی و حکمی کی دو صورتیں کر کے استیلاء کی تمام صورتوں کو اس میں سمیٹ لیا ہے، اور دوسرے فقہاء نے "تخلیہ" کو تخلیہ حقیقی تک محدود کر کے اس کا دائرہ نسبتاً تنگ رکھا ہے اور اس کے مقابلہ میں قبضہ کی دوسری کیفیات متعین کی ہیں، اگر تخلیہ حکمی کی کیفیات شامی وغیرہ کتب احناف میں دیکھی جائیں اور اموال منقول میں قبضہ کی تفصیلات دوسرے فقہاء کی کتابوں میں، تو کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوگا۔ حاصل یہی ہے کہ قبضہ کے مفہوم میں ہر عہد کا عرف و رواج بھی ملحوظ ہے اور شئے مقبوض کی نوعیت بھی۔

خلاصۂ بحث:

پس قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی بابت تمام مباحث کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے مسئلہ میں موجودہ حالات میں فقہ مالکی یا فقہ حنبلی کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت فاسد ہے اور قبضہ کے بعد خریدی ہوئی شئے پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔

۳۔ قبضہ کا مصداق نہ کتاب و سنت میں متعین ہے اور نہ فقہاء نے اس کا کوئی قطعی مفہوم مقرر کیا ہے بلکہ ہر دور کے عرف اور خریدی گئی اشیاء کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے۔

۴۔ ''قبضہ سے پہلے خرید و فروخت'' کی ممانعت ''غرر'' کی بنا پر ہے، غرر کثیر سے عقد فاسد ہو جاتا ہے، غرر یسیر سے فاسد نہیں ہوتا۔

۵۔ جو غرر باعث نزاع بن جائے وہ کثیر ہے، اور جو باعث نزاع نہ ہو اور عرف میں مروج ہو وہ یسیر ہے۔

۶۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے بیع فاسد ہوتی ہے نہ کہ باطل۔

۷۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا فساد حق عبد کی وجہ سے ہے نہ کہ حق شرع کی وجہ سے، اس لئے اس کا فاسد ہونا دیانۃً ہے نہ کہ قضاءً۔

۸۔ فیکٹری سے خریدے ہوئے مال کو منتقل کئے بغیر یا کوئی ایسا عمل کئے بغیر جو حسی طور پر قبضہ کہلائے دوسرے سے فروخت کر دینا ''بیع قبل القبض'' میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ ''نقصان کا ضامن ہو جانا'' قبضہ کے تحقق کے لئے کافی نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص قبضہ کے بغیر بیچنا چاہے اور نقصان کی ذمہ داری قبول بھی کرے تو اس کا اعتبار نہیں۔ علامہ شامی کا بیان ہے:

اشترى بقرة مريضة وخلاها في منزل البائع فقال لو هلكت فمني وماتت فمن البائع لعدم القبض (ردالمحتار ۴/۱۴۹)۔

بیمار گائے خریدی اور یہ کہہ کر فروخت کنندہ کے گھر میں چھوڑ دی کہ ہلاک ہو جائے تو میری ہلاک ہوگی اور گائے مر گئی تو بائع کے مال میں سے ہلاکت متصور ہوگی کیونکہ قبضہ نہیں پایا گیا۔

اس لئے محض ہلاکت کا ضامن ہو جانا قبضہ نہیں۔

۹۔ بین الاقوامی تجارت میں شپنگ کے ذریعہ خرید و فروخت کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے اس میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت بھی ہے وہ ''بیع قبل القبض'' ہی ہے، اس لئے یہ صورت بھی جائز نہیں۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

مولانا محبوب علی وجیہی

۱۔ منقولات میں قبضہ سے پہلے بیع فاسد ہے، اس لئے کہ منقولات میں قبضہ شرط ہے بیع کی حقیقت نہیں ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ مشتری کا مبیع پر تصرف و قبضہ ہو جائے خواہ حقیقی ہو یا حکمی، بظاہر شریعت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت معین نہیں کی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ مبیع کی نوعیتوں میں فرق ہے، اس کے لئے کوئی صورت معین نہیں کی جا سکتی، اس لئے قبضہ کی صورتیں بھی الگ الگ ہیں، زمین بوروں اور بکسوں میں نہیں بھری جا سکتی، اس کا قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری کا اس میں قفل لگوا دے، اپنا سامان اگر اس میں ہو تو نکال لے، اس لئے شریعت مطہرہ نے نہ اس کی کوئی خاص صورت متعین کی اور نہ کوئی ایک طریقہ مقرر فرمایا بلکہ عرف کے مطابق ایسا عمل جو مشتری کے اس پر غلبہ کو جتائے اور مشتری کو مبیع میں تصرف کرنے میں کوئی مانع پیش نہ آئے بلکہ آزادانہ طور سے مشتری اس میں حسب منشاء تصرف کر سکے اور بائع کے اموال سے اس کو امتیاز حاصل ہو جائے اسی کو قبضہ مان لیا ہے۔

۳۔ منقول چیزوں میں قبضہ کا طور طریق غیر منقول سے جدا ہے، دونوں کی نوعیت ایک نہیں ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت معلول ہیں، بعض چیزوں میں ربا یا شبہ کے داخل ہونے سے محفوظ رکھنا ہے، اور بعض چیزوں میں غرر اور دھوکے سے مشتری کو بچانا مقصود ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت عام نہیں ہے اسی لئے ائمہ مجتہدین اور اکابر علماء کا اس میں اختلاف ہے، بدایۃ المجتہد میں علامہ اندلسی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

أما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في مذهب مالك في إجازته و أما الطعام الربوي فلا خلاف في مذهبه أن القبض شرط في بيعه و أما أبو حنيفة فالقبض عنده شرط في مبيع ما عدا المبيعات التي لا تنقل ولا تحول من الدور والعقار وأما الشافعي فان القبض عنده شرط في كل مبيع و به قال الثوري. اور آگے اسی میں ہے: وقال أبو عبيد و إسحاق كل شئ لا يكال ولا يوزن فلا بأس ببيعه قبل قبضه فيتحصل في اشتراط القبض سبعة أقوال الأول في الطعام الربوي فقط، الثاني في الطعام بإطلاق، الثالث في الطعام المكيل والموزون، الرابع في كل شئ ينقل، الخامس في كل شئ، السادس في المكيل والموزون، السابع في المكيل

والموزون والمعدود۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز میں قبضہ شرط نہیں ہے بلکہ مستثنیات بھی ہیں، اس کے دلائل یہ ہیں: لا یحل بیع و سلف و لا ربح فی ما لم یضمن و لا بیع ما لیس عندک ۔ اور عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے ان رسول اللہ ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یقبضه۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو مبیع مشتری کی ضمان میں داخل نہیں ہوا اس کو فروخت کرکے نفع کمانا جائز نہیں، جب اس کی ضمان میں داخل ہو جائے تب اس کا قبضہ اور اس کا تصرف صحیح ہوگا، مگر یہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف منقولات میں ہے اور غیر منقولات میں ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے اس لئے حکماً مشتری کی ضمان اور قبضہ میں مان لیا جاتا ہے۔ کیونکہ قبضہ حسی بھی ہوتا ہے اور حکمی بھی، امام صاحب کے نزدیک قبضہ کے لئے تخلیہ کافی ہے، جیسا کہ در مختار میں ہے ثم التسلیم یکون بالتخلیة علی وجه یتمکن من القبض اور ردالمحتار میں ہے ولو اشتری حنطة فی بیت و دفع البائع المفتاح إلیه و قال خلیت بینک و بینها فهو قبض۔

۱۔ میں نے یہ تحریر کیا ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) حسی (۲) حکمی، ضمان میں مبیع کا داخل ہونا قبضہ حکمی کے اندر داخل ہے اس لئے خریدار نمبر (۲) کے ہاتھ بیع حکماً قبضہ ہو جانے کی وجہ سے صحیح ہے، جیسے بائع مبیع کو ایک کوٹھری میں رکھ کر مشتری سے کہے کہ میں نے مبیع کو کوٹھری میں رکھ کر بند کر دیا اور میں نے مبیع اور تمہارے درمیان تخلیہ کر دیا تو مشتری کا حکماً قبضہ ہو جائے گا۔

۲۔ جب ضمان کو ہم نے حکماً قبضہ تسلیم کر لیا تو پہلے بائع نے مال جہاز پر چڑھا دیا اور مال جہاز پر چڑھ جانے کے بعد یہ مشتری جس کا مال ہے اس کا ضامن ہو گیا تو حکماً اس مال پر اس کا قبضہ ہو گیا، اور جب اس کا قبضہ ہو گیا تو اس کے فروخت کرنے کا بھی حق اس کو حاصل ہو گیا، اور جب اس نے دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس کی ضمان سے نکل کر اس کی ضمان میں داخل ہو گیا، اور ضمان میں داخل ہونے کے ساتھ قبضہ بھی حکماً تسلیم کر لیا گیا لہذا یہ بیع درست ہوگی اور یہ صورت شرعاً درست ہوگی۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے احکام

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

پھلواری شریف پٹنہ

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا شرعی حکم:

تقریباً تمام فقہاء کرام قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو کسی نہ کسی درجہ میں ناجائز کہتے ہیں۔ البتہ یہ بیع فاسد ہے یا باطل اس مسئلہ میں حکم شرعی بیان کرنے سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء بیع باطل اور بیع فاسد کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک بیع جب تک صحیح نہ ہو اس وقت تک بیع کے اثرات مرتب نہیں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور سے کتابوں میں اس خاص مسئلہ میں جمہور کا مسلک بیان کرتے ہوئے "لا یجوز" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

وعند الجمهور وهم لا يفرقون بين الفاسد والباطل في الجملة، هو ما لم يترتب أثره عليه، فلم يثمر ولم تحصل به فائدته من حصول الملك. (يرى جمهور الفقهاء المالكية والشافعية والحنابلة) انه لا فرق بين البيع الفاسد والبيع الباطل، فهما مترادفان، لأن كلا من البيع الفاسد والباطل وقع على خلاف ما طلبه الشارع، ولذلك لم يعتبره، ولم يترتب عليه الأثر الذي رتبه على البيع الصحيح من حصول الملك وحل الانتفاع (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۵۲،۵۳)۔

البتہ فقہاء احناف بیع فاسد اور بیع باطل کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بیع باطل وہ بیع ہے جو نہ اصلاً مشروع ہو اور نہ ہی وصفاً۔ اور بیع فاسد وہ بیع ہے جو اصلاً مشروع ہو لیکن وصفاً مشروع نہ ہو۔ اصل سے مراد یہ ہے کہ بیع کے ارکان (ایجاب وقبول) میں کوئی خلل ہو مثلاً: عاقدین میں ایجاب وقبول کی اہلیت نہ ہو۔ جیسے کوئی مجنون یا کوئی لایعقل بچہ ایجاب وقبول کرے تو یہاں پر بیع کے ارکان ایجاب وقبول ہی میں خلل ہے۔ یا محل یعنی مبیع میں کوئی خلل ہو مثلاً: مبیع مردار، یا خنزیر یا خون یا شراب ہو تو دونوں صورتوں میں بیع باطل ہے۔ اور وصف سے مراد یہ ہے کہ بیع کے رکن اور محل کے علاوہ کسی دوسری چیز میں خلل ہو مثلاً: شراب کے عوض میں کوئی چیز خریدی جائے تو یہاں پر ثمن میں خلل ہے۔ یا مبیع غیر مقدور التسلیم ہو۔ یا کوئی ایسی شرط لگادی جائے جو مقتضی عقد کے خلاف ہو تو ان صورتوں میں بیع فاسد ہوگی نہ کہ باطل۔

فقہاء احناف نے بیع باطل اور بیع فاسد کے درمیان فرق کرنے کے لئے ایک ضابطہ بیان کردیا ہے کہ: جب عوضین میں سے کوئی ایک کسی بھی دین سماوی میں مال نہ ہو تو اس کی بیع باطل ہے خواہ وہ مبیع ہو یا ثمن لہٰذا مردار، خون، آزاد شخص کی بیع باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ اشیاء کسی بھی دین سماوی میں مال نہیں ہیں۔ اور اگر عوضین

ثمن سے کوئی ایک کسی دین سماوی میں مال ہے اور کسی میں مال نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر اس کو مبیع بناتے ہیں تو اس کی بیع باطل ہے، اور اگر ثمن بناتے ہیں تو اس کی بیع فاسد ہے۔ مثلاً: اگر شراب کو دراہم و دنانیر یا روپے پیسے کے عوض میں فروخت کرتے ہیں تو ایسی صورت میں شراب کا مبیع ہونا متعین ہو جائے گا اور اس کی بیع باطل ہوگی، اور اگر شراب کے عوض میں کوئی چیز خریدتے ہیں تو اس کی بیع فاسد ہوگی۔

"وکل ما أورث خللاً فی رکن البیع فهو مبطل وما أورثه فی غیره فمفسد... (در مختار) (وقوله فی رکن البیع) هو الإیجاب والقبول بأن کان من مجنون أو صبی لا یعقل... (أو فی محله أعنی المبیع فإن الخلل فیه مبطل بأن کان المبیع میتة أو دما أو حرا أو خمرا کما فی ط عن البدائع (قوله وما أورثه فی غیره) أی فی غیر الرکن وکذا فی غیر المحل وذلک بأن کان فی الثمن بأن یکون خمرا مثلاً أو بأن کان من جهة کونه غیر مقدور التسلیم أو فیه شرط مخالف لمقتضی العقد فیکون البیع بهذه الصفة فاسداً لا باطلاً لسلامة رکنه ومحله عن الخلل... وبه ظهر أن الوصف ما کان خارجا عن الرکن والمحل (تنبیه) فی شرح مسکین ثم الضابط فی تمییز الفاسد من الباطل أن أحد العوضین إذا لم یکن مالاً فی دین سماوی فالبیع باطل سواء کان مبیعا أو ثمنا فبیع المیتة والدم والحر باطل وکذا البیع به وإن کان فی بعض الأدیان مالا دون البعض إن أمکن اعتباره ثمنا فالبیع فاسد فبیع العبد بالخمر أو الخمر بالعبد فاسد وإن تعین کونه مبیعا فالبیع باطل فبیع الخمر بالدراهم أو الدراهم بالخمر باطل" (رد المحتار ۴/۱۰۰)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جمہور فقہاء کے نزدیک قبضہ سے قبل بیع ناجائز ہے۔ بیع کے احکام و اثرات (ملکیت و انتفاع) اس پر مرتب نہیں ہوں گے۔ البتہ فقہاء احناف کے نزدیک چونکہ نہ تو بیع کے ارکان میں کوئی خلل ہے اور نہ ہی مبیع میں، بلکہ یہ خلل خارج میں ہے، اس لئے یہ بیع فاسد ہوگی نہ کہ باطل۔ بیع باطل میں سرے سے بیع ہوتی ہی نہیں۔ بیع کے احکام اس پر نافذ نہیں ہوتے ہیں۔ قبضہ کی وجہ سے نہ تو فروخت کرنے والا ثمن کا مالک ہوتا ہے اور نہ خریدار مبیع کا۔ البتہ بیع فاسد میں قبضہ کی وجہ سے بائع ثمن کا اور مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں خریدار قبضہ کے بعد مبیع کا مالک ہو جائے گا اور اس کے لئے دوسروں سے فروخت کرنا جائز ہوگا۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے متعلق فقہاء کے اقوال:

قبضہ سے قبل کن اشیاء کی بیع جائز ہے اور کن اشیاء کی ناجائز؟ اور عدم جواز کا حکم عام ہے یا خاص؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں جو درج ذیل ہیں:

ا۔ متفق علیہ قول:

اس پر تقریباً تمام فقہاء متفق ہیں کہ طعام کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے۔ اس میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ الموسوعہ میں شرح کبیر کے حوالے سے ابن المنذر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ طعام کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے۔

اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

ویقول ابن المنذر: أجمع أهل العلم علی أن من اشتری طعاما فلیس له أن یبیعه حتی یستوفیه(الموسوعۃ الفقہیہ ۹؍۱۳۷)۔

البتہ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں البتی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہر چیز کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ گویا کہ البتی کے نزدیک طعام کی بیع بھی قبضہ سے قبل جائز ہے۔ البتی کے اس قول کے متعلق علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ قول احادیث نبویہ اور متفق علیہ دلائل کی روشنی میں مردود ہے اور ایسا لگتا ہے کہ حرمت والی حدیث "البتی" تک نہیں پہونچی تھی۔ اس جیسے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ولم اعلم بین أهل العلم خلافا، إلا ما حکی عن البتی أنه قال: لا بأس ببیع کل شئ قبل قبضه، وقال ابن عبد البر: وهذا قول مردود بالسنة والحجة المجمعة علی الطعام، وأظنه لم یبلغه هذا الحدیث، ومثل هذا لایلتفت إلیه (المغنی ۴؍۱۲۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ طعام کی بیع قبضہ سے قبل نا جائز ہے۔ اس میں سوائے ایک مردود اور نا قابل اعتنا قول کے کسی بھی اہل علم کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ طعام کے علاوہ دیگر اشیاء کی خرید وفروخت قبضہ سے قبل جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

۲۔شوافع کا مسلک :

اس مسئلہ میں شوافع کا مسلک یہ ہے کہ قبضہ سے قبل کسی چیز کی بیع جائز نہیں ہے، خواہ وہ منقول ہو یا غیر منقول اور اگرچہ بائع کی اجازت دینے اور ثمن پر قبضہ کر لینے کے بعد ہو۔ امام شافعیؒ "کتاب الام" میں تحریر فرماتے ہیں: (قال الشافعی) وبهذا نأخذ فمن ابتاع شیئا کائنا ما کان فلیس له أن یبیعه حتی یقبضه" (کتاب الام ۳؍۷۰) تحفۃ المحتاج میں ہے: "ولا یصح بیع المبیع قبل قبضه" اس کی شرح "شرح منہاج" میں ہے: "(قوله ولا یصح بیع المبیع)قال فی شرح الروض ای والمغنی وإن أذن البائع وقبض الثمن" (تحفۃ المحتاج مع شرح المنہاج ۴؍۴۰۱)۔

شوافع کے دلائل:

شوافع کے دلائل وہ روایات ہیں جن میں مطلقاً قبضہ سے قبل مبیع کی بیع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں حکیم ابن حزام کی روایت ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں چیزوں کی خرید وفروخت کرتا ہوں۔ ان میں سے کونسی چیز میرے لئے حلال ہے اور کون سی چیز حرام، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "یا ابن أخی! إذا اشتریت منها بیعا فلا تبعه حتی تقبضه" یعنی جب تم کوئی چیز خریدو تو اس پر قبضہ کرنے سے قبل فروخت نہ کرو(مصنف عبدالرزاق ۸؍۳۹)۔

حکیم بن حزام ہی کی روایت نسائی شریف میں ہے کہ: حضور اکرم ﷺ نے غیر موجود شے کی بیع سے منع فرمایا

ہے (نسائی ۲/۲۲۵)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو چیز اپنے ضمان میں نہ ہو اس سے نفع حاصل کرنا حلال نہیں ہے۔ یہ روایت نسائی اور ترمذی میں ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ بیع پر قبضہ سے قبل بیع کرنا "بیع مالیس عندک" اور "ربح مالم یضمن" ہے جس کی ممانعت احادیث میں آئی ہے۔

شوافع کی ایک دلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا وہ قول بھی ہے جس کو امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں نقل کیا ہے۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: اما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام ان یباع حتی یقبض قال ابن عباس ولا احسب کل شیء الا مثله (بخاری ۱/۲۸۶) یعنی حضور ﷺ نے طعام کی بیع قبضہ سے قبل کو منع فرمایا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہر چیز کو طعام ہی کے مثل سمجھتا ہوں۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس طعام کی طرح ہر چیز کی بیع کو قبضہ سے قبل ناجائز سمجھتے تھے۔

شوافع کی عقلی دلیل یہ ہے کہ قبضہ سے قبل مبیع پر مشتری کی ملکیت کمزور ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مبیع قبضہ سے قبل ہلاک ہوجائے تو بیع ختم ہوجائے گی۔ اور جب ملکیت کمزور ہے تو اس کی بیع جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ در حقیقت غیر مملوک کی بیع ہوگی جس کی ممانعت حدیث میں موجود ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر قبضہ سے قبل بیع کو جائز قرار دیتے ہیں تو شئے واحد پر دو شخصوں کا ضمان لازم آتا ہے۔ ایک تو بائع اول ضامن ہے اور دوسرا مشتری اول، مشتری ثانی کے لئے ضامن ہوگا اور یہ صحیح نہیں ہے۔

وعلته ضعف الملک لانفساخه بتلفه کما مر ولزوم اجتماع الضمانین علی شیء واحد إذ لو صح لضمنه المشتری ایضا للثانی قبل قبضه فیکون مضمونا له وعلیه (تحفۃ المحتاج ج ۴/۴۰۱)۔

۳۔ مالکیہ کا مسلک:

مالکیہ کے نزدیک صرف طعام کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ خواہ طعام ربوی ہو جیسے گیہوں یا غیر ربوی ہو جیسے پھل۔ طعام کے علاوہ دیگر تمام اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ مالکیہ کے نزدیک طعام کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔ اس کے لئے بھی دو شرطیں ہیں۔

طعام کسی چیز کے عوض میں لیا گیا ہو۔ مثلاً اجارہ یا شراء یا صلح کے ذریعہ حاصل ہو۔ ایسی صورت میں طعام کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔ اگر بغیر کسی عوض کے حاصل ہو، مثلاً: ہبہ یا وراثت میں ملا ہو تو ایسی صورت میں قبضہ سے قبل بھی طعام کی بیع جائز ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ناپ کر یا تول کر یا گن کر کے طعام کو حاصل کیا ہو۔ اس صورت میں قبضہ سے قبل بیع جائز نہیں ہے خواہ وہ دوسروں کو کیل کر کے فروخت کرے یا اندازے سے۔ اگر کیل یا وزن یا گن کر کے طعام حاصل نہیں کیا بلکہ اندازے سے حاصل کیا تو ایسی صورت میں قبضہ سے قبل بھی اس کی بیع جائز ہے خواہ وہ دوسروں کو کیل کر کے

فروخت کرے یا اندازہ سے۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں مذہب مالکیہ کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

ومذهب المالكية ان المحرم المفسد للبيع، هو بيع الطعام دون غيره من جميع الأشياء قبل قبضه سواء أكان الطعام ربويا كالقمح أم غير ربوي كالتفاح عندهم، أما غير الطعام فيجوز بيعه قبل قبضه... لكنهم شرطوا فساد هذا النوع من البيع شرطين:

الف: ان يكون الطعام مأخوذا بطريق المعاوضة اى في مقابلة شئ بإجارة أو شراء أو صلح أو إرش جناية...... أو غير ذلك من المعاوضات، فهذا الذى لا يجوز بيعه قبل قبضه.

أما لو صار إليه الطعام بهبة أو ميراث مما ليس أخذه بعوض فيجوز بيعه قبل قبضه.

ب: وأن تكون المعاوضة بالكيل أو الوزن أو العدد فيشتريه بكيل و يبيعه قبل قبضه سواء أباعه جزافا أم على الكيل أما لو اشتراه جزافا ثم باعه قبل قبضه فيكون بيعه جائزا سواء أباعه جزافا أم على الكيل (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۲۶)۔

مالکیہ کے دلائل:

ان کے دلائل وہ تمام روایات ہیں جن میں صراحت کے ساتھ طعام کی بیع قبضہ سے قبل ممنوع قرار دی گئی ہے۔ یہ روایات بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ بعض روایات میں قبل قبضہ اور بعض روایات میں قبل ان یستوفیہ کا جملہ آیا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ "طعام" کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ طعام کے ماسوا کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے، ورنہ تخصیص کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت والی روایات بعض تو مطلق ہیں اور بعض مقید۔ شوافع نے مقید کو مطلق پر محمول کیا ہے اور مالکیہ نے مطلق کو مقید پر۔ شوافع اور مالکیہ کے مابین اختلاف کی اصل وجہ یہی معلوم ہوتی ہے۔

۳۔ حنابلہ کا مسلک:

اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ سے متعدد روایتیں منقول ہیں۔ ان میں سے دو مشہور روایتیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ کسی چیز کی بھی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ اس روایت کو ابن عقیل نے اختیار کیا ہے۔

۲۔ صرف طعام کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ علامہ ابن قدامہ نے اس روایت کو اظہر الروایتین قرار دیا ہے۔ علامہ ابن قدامہ المغنی میں امام احمد ابن حنبل کے مسلک کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما غير ذلك فيجوز بيعه قبل قبضه في أظهر الروايتين... وعن أحمد رواية أخرى: لا يجوز بيع شئ قبل قبضه اختارها ابن عقيل (المغنی ۴/۱۲۷)۔

حنابلہ کے دلائل:

امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول شوافع کے موافق ہے اور ایک قول مالکیہ کے مطابق ہے۔ لہٰذا ان کے دلائل بھی وہی ہوں گے جو شوافع اور مالکیہ کے ہیں۔

احناف کا مسلک:

اس مسئلہ میں احناف کے مابین اختلاف ہے۔ امام محمدؒ اور ایک قول کے مطابق امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تمام اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے خواہ وہ منقولی ہوں یا غیر منقولی۔ منقولی اشیاء کی طرح زمین و جائداد کی بیع بھی قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ اور راجح قول کے مطابق امام ابو یوسفؒ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ غیر منقولی اشیاء مثلاً زمین کی بیع قبضہ سے قبل بھی جائز ہے۔

امام محمدؒ کے دلائل:

اس معاملہ میں امام محمدؒ کے دلائل حسب ذیل ہیں

الف: قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت سے متعلق روایات مطلق اور عام ہیں۔ ان میں منقولی اور غیر منقولی تمام اشیاء شامل ہیں۔ نیز غیر مضمون اشیاء سے نفع حاصل کرنے کی ممانعت بھی احادیث میں آئی ہے۔ اور منقولی اشیاء کی طرح زمین و جائداد بھی قبضہ سے قبل غیر مضمون ہیں۔ مشتری کے ضمان میں نہیں آئی ہے لہٰذا مشتری کے لئے اس سے انتفاع جائز نہیں ہوگا۔

ب: مبیع شئے کی ملکیت عقد کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور اس میں تصرف کی ملکیت قبضہ کے ذریعہ۔ اور عقد کے ذریعہ عین کی ملکیت حاصل ہونے میں عقار اور منقول دونوں برابر ہیں لہٰذا قبضہ کے ذریعہ تصرف کی ملکیت حاصل ہونے میں بھی عقار اور منقول دونوں برابر ہوں گے۔

ج: بیع کے جواز کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مبیع مقدور التسلیم ہو۔ بائع مبیع کو مشتری کے حوالہ کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اور جب غیر منقولی اشیاء قبضہ میں نہ ہوں تو بائع ان کو مشتری کے حوالہ کرنے پر قادر نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ شئے نہ تو اس کے قبضہ میں ہے اور نہ ہی اس کے نائب کے قبضہ میں۔ اگر نائب کے قبضہ میں ہوتی تو بھی مشتری کے حوالہ کر سکتا تھا۔ جہاں تک بیع اول کے قبضہ کا سوال ہے تو وہ مشتری اول کا نائب نہیں ہے۔

شیخین کے دلائل:

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے دلائل یہ ہیں کہ بیع کے ارکان ایجاب و قبول بھی پائے گئے ہیں اس لئے کہ یہ اہل عاقل بالغ کی طرف سے صادر ہوئے ہیں اور ایجاب و قبول کا محل بھی صحیح ہے، اس لئے کہ وہ مال مملوک ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ قبضہ سے قبل بھی بیع صحیح ہو۔ البتہ منقول اور عقار دونوں میں فرق یہ ہے کہ منقول اشیاء میں قبضہ سے

قبل یہ اندیشہ ہے کہ مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے بیع ختم ہو جائے اور مشتری کو مبیع نہ مل سکے اس طرح مشتری کو دھوکہ ہوگا۔ اور روایات میں دھوکہ کی بیع سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ ایسا غرر و دھوکہ ہے جس سے احتراز ممکن ہے۔ جہاں تک غیر منقول اشیاء کی بات ہے تو ان میں اس طرح کے دھوکہ کا امکان کم ہے۔ ان میں مبیع کے ہلاک ہونے کا اندیشہ شاذ و نادر ہے جس کا اعتبار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہ صراحت کر دی ہے کہ اگر زمین ایسی جگہ میں ہو جہاں پر ضائع اور برباد ہونے کا اندیشہ غالب ہو مثلاً دریا اور سمندر کا کنارہ ہو، پانی یا ریت کے غالب آجانے کی وجہ سے زمین کے برباد ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی جگہ میں زمین یا غیر عقار کی بیع بھی قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ اب رہا یہ اندیشہ کہ بیع کے بعد کوئی مستحق شخص نکل آئے تو اس کی وجہ سے بھی بیع ختم ہو جائے گی اور مشتری کو دھوکہ ہوگا تو یہ اندیشہ قبضہ کے بعد بھی ہے۔ اس طرح کے غرر اور دھوکہ سے بچنا ممکن نہیں ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں۔ عقار کی بیع قبضہ سے قبل بھی جائز ہے۔ اس کی مزید دلیل یہ ہے کہ شفیع کو قبضہ سے قبل بھی حق شفعہ حاصل ہے اور وہ بدل دے کر خریدی ہوئی چیز کا مالک ہو جائے گا۔ جب وہ بدل دے کر مبیع کو لے لے گا تو مشتری کا حق ختم ہو جائے گا۔ اگر عقار پر قبضہ سے قبل بدل کے ذریعہ اس کے مالک بنانے کا احتمال نہ ہوتا تو شفیع کو قبضہ سے قبل حق شفعہ حاصل نہیں ہوتا۔

شیخین کے مسلک پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ممانعت والی روایات تو مطلق اور عام ہیں۔ ان میں منقول اور غیر منقول کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اور آپ قیاس کے ذریعہ یہ فرق کر رہے ہیں جو صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایات عام خص منه البعض ہیں اس لئے کہ چند چیزیں ایسی ہیں جن میں قبضہ سے قبل بھی تصرف صحیح ہے۔ مثلاً ثمن یا مہر یا بدل صلح یا بدل خلع۔ ان میں بالاتفاق قبضہ سے قبل تصرف جائز ہے۔ اور احناف کے نزدیک وہ روایات جو عام خص منه البعض ہوں ان کی تخصیص قیاس کے ذریعہ بھی جائز ہے۔

دیگر فقہاء کے دلائل کے جوابات:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے جو دلائل ہیں ان کے جوابات شیخین کی جانب سے دیئے گئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

امام مالک کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ روایات میں طعام کی تخصیص ہے۔ لہذا طعام کے علاوہ دیگر اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی ورنہ اس تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شئے کی تخصیص ماسوا کی نفی نہیں کرتی ہے۔ احناف کے نزدیک نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔ طعام والی روایات کے مقابلہ میں دوسری روایات بھی ہیں جو عام ہیں، جن کا ذکر شوافع کے دلائل کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ جہاں تک ان عام روایات کا تعلق ہے جن سے شوافع، حنابلہ اور امام محمد نے استدلال کیا ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ وہ روایات معلول بالعلۃ ہیں غرر کے ساتھ، جن جگہوں پر قبضہ سے قبل بیع کرنے میں ایسا غرر اور دھوکہ لازم آئے جس سے احتراز ممکن ہو تو وہاں پر قبضہ سے قبل بیع جائز نہیں ہوگی اور جہاں پر اس طرح کا غرر شاذ و نادر ہو یا احتراز ناممکن ہو وہاں پر بیع جائز ہوگی۔ جیسا کہ ثمن، مہر اسی طرح بدل صلح و بدل خلع، اور میراث میں قبضہ سے قبل تصرف جائز ہے اس لئے کہ ان میں غرر اور

دھوکہ کا امکان نہیں ہے۔ مگر ثمن یا مہر یا بدل صلح اور بدل خلع متعین ہوں تو بھی ان کے ہلاک ہونے کے بعد بیع ختم نہیں ہوتی بلکہ ان کی قیمت واجب الادا ہوگی۔

جہاں تک امام محمد کی اس دلیل کا تعلق ہے کہ قبضہ کے بعد مبیع مشتری کے ضمان میں آتی ہے۔ اس طرح قبضہ کے بعد ہی وہ شی کو مشتری کے حوالہ کرسکتا ہے اس سے قبل نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیع میں تصرف کی اجازت حاصل ہونے کے لئے ملکیت شرط ہے نہ کہ ضمان۔ اگر ملکیت ثابت ہے تو تصرف کی اجازت ہے گرچہ وہ شئے ضمان میں نہ آئے۔ جیسا کہ شئے موہوب پر قبضہ کر لینے کے بعد موہوب لہ کو اس میں تصرف کی اجازت ہے حالانکہ وہ شئے اس کے ضمان میں نہیں آتی ہے۔ اسی طرح مشتری کے حوالہ کرنے پر قدرت دوسروں کے ذریعہ بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے دوسرا کوئی وکالت یا نیابت کرے (احناف کے مسلک اور ان کے دلائل کی تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/ ۱۸۰، ۵/ ۲۳۴، تبیین الحقائق ۴/ ۸۰، مبسوط للسرخسی ۱۳/ ۸، ۱۰)۔

قول راجح:

تمام دلائل پر غور کرنے کے بعد شیخین یعنی امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف کا قول راجح اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ شیخین کے دلائل اور دیگر فقہاء کرام کے دلائل کے جوابات سے واضح ہے۔

ایک ضابطہ:

کن چیزوں میں قبضہ سے قبل تصرف جائز ہے اور کن چیزوں میں جائز نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ:

ہر وہ عوض جو کسی عقد کے ذریعہ حاصل ہو قبضہ سے قبل اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں عقد ختم ہو جائے تو اس عوض میں قبضہ سے قبل تصرف جائز نہیں ہے۔ جیسے مبیع یا اجرت بشرطیکہ وہ متعین ہو اور اگر قبضہ سے قبل اس کے فوت ہونے سے عقد ختم نہ ہو تو اس میں تصرف قبضہ سے قبل بھی جائز ہے۔ جیسے مہر کی رقم، بدل خلع یا عتق علی مال ہے۔

"وفي الإيضاح كل عوض ملك بعقد ينفسخ العقد فيه بهلاكه قبل القبض لم يجز التصرف فيه كالمبيع والأجرة إذا كانت عينا وبدل الصلح إذا كان عينا وما لا ينفسخ العقد بهلاكه فالتصرف فيه جائز قبل القبض كالمهر وبدل الخلع والعتق على مال وبدل الصلح" (بنایہ ۶/ ۵۰۹، المغنی ۴/ ۱۲۸)۔

حنفیہ میں امام محمدؒ نے اس سلسلہ میں ایک دوسرا ضابطہ بیان کیا ہے کہ:

ہر وہ تصرف جو قبضہ کے بغیر تام و مکمل نہ ہو تو اس میں قبضہ سے قبل بھی تصرف جائز و درست ہے۔ مثلاً ہبہ، صدقہ، رہن اور قرض ہے۔ اگر مشتری مبیع پر قبضہ سے قبل ہی اس کو ہبہ کردے یا رہن رکھ دے یا کسی کو قرض دیدے یا صدقہ کردے تو یہ جائز ہوگا۔ اس لئے کہ یہ عقود بغیر قبضہ کے مکمل نہیں ہوتے۔ جب موہوب لہ قبضہ کرے گا تو وہ واہب کا (خریدار کا) نائب ہوگا۔ اس حیثیت سے وہ اولاً واہب کے لئے قبضہ کرے گا پھر اپنے لئے۔ ایسی صورت میں مشتری کا

حنطة في بيت مثلا فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فيما يظهر وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض (ردالمحتار ۴/۴۳)۔

صاحب بدائع علامہ کاسانی قبضہ کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

إن معنى القبض هو التمكين والتخلية وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة (بدائع الصنائع ۵/۱۴۸)۔

علامہ کاسانی اور علامہ شامی نے قبضہ اور اس کے ذیل میں تخلیہ کی بحث کرتے ہوئے اس کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قبضہ کی شرعاً کوئی تعیین وتحدید نہیں ہے بلکہ ہر شے کا قبضہ اس کے حساب سے ہے، اور یہ عرف وعادت پر محمول ہے۔ جہاں جس عمل دخل کو قبضہ سمجھا جاتا ہو وہاں وہ عمل دخل اس کے حق میں قبضہ سمجھا جائے گا۔ احناف اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی خاص فرق نہیں معلوم ہوتا ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں بھی ہر چیز کے قبضہ کو عرف وعادت پر محمول کرنا چاہئے۔ جس جگہ جس عمل ودخل کو قبضہ تصور کیا جاتا ہو اس عمل دخل کو اس کے حق میں قبضہ تسلیم کرنا چاہئے۔

اشیائے منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق ہے۔ دونوں کے قبضہ کی ایک ہی صورت نہیں ہوگی۔

فیکٹری سے خرید کردہ مال کو قبضہ سے قبل فروخت کرنا:

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے قبل مبیع کی بیع اس لئے جائز نہیں ہے کہ وہ خریداروں کے ضمان میں نہیں آئی، اگر مبیع خریدار کے ضمان میں آجائے تو پھر اس کی بیع جائز ہے۔ گویا کہ فقہاء نے ضمان کو حسی قبضہ کے قائم مقام قرار دیا ہے، الموسوعہ میں طعام کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے، اس پر اہل علم کا اجماع نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "قالوا: ولو دخل في ضمان المشتري جاز بيعه والتصرف فيه كما جاز ذلك بعد قبضه" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۱۲۷)۔

یعنی فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ اگر طعام مشتری کے ضمان میں داخل ہوجائے تو اس کی بیع اور اس میں تصرف جائز ہے جیسا کہ قبضہ کے بعد جائز ہے۔

امام مالکؒ طعام کی بیع کو قبضہ سے قبل اس وقت جائز قرار دیتے ہیں جب کہ وہ کیل یا وزن کرکے یا گن کر نہ لیا گیا ہو بلکہ اندازہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ محض عقد ہی سے مشتری کے ضمان میں آگیا۔ لہذا حکماً مقبوض ہونے کی وجہ سے اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔

والتقييد عند المالكية بغير الجزاف، لإخراج ما بيع جزافا بغير كيل ولا عد ولا وزن

من الطعام فانه يجوز بيعه قبل قبضه لدخول في ضمان المشترى لمجرد العقد فهو مقبوض حكما (الموسوعة الفقهية ۹/۱۳۰)۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کے نزدیک مبیع کا ضمان میں داخل ہونا قبضہ کے حکم میں ہے، نیز فقہاء احناف امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک عقار کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ یہ حضرات قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق روایات کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہیں۔ جب امام محمدؒ کی جانب سے ان پر اعتراض ہوا کہ عقار بھی قبضہ سے قبل مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوتا، تو اس کا جواب یہ دیا کہ مبیع میں تصرف کی اجازت ملکیت میں آجانے کے بعد ہو جاتی ہے۔ ضمان میں داخل ہونا شرط نہیں ہے، اور محض عقد ہی سے ملکیت میں آجاتی ہے۔ منقول اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز علت غرر کی بنیاد پر ہے جو عقار میں موجود نہیں ہے، کتب فقہ حنفی کی تفصیلات کے مطابق جس جگہ غرر اور دھوکہ سے امان ہو وہاں پر قبضہ سے قبل بیع جائز ہے۔

"وما يقولون من انه يدخل في ضمان المشترى بالقبض قلنا شرط ثبوت الملك بالتصرف في المحل اصل الملك دون الضمان بدليل جواز التصرف في الموهوب بعد القبض" (المبسوط للسرخسی ۱۰/۷)۔

اس مختصری وضاحت کے بعد سوال نامہ میں مذکور سوال کا جواب یہ ہے کہ فیکٹری سے مال خریدنے والا شخص اگر اپنا مال الگ کرا لیتا ہے۔ پھر وہیں سے دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو یہ بلاشبہ بیع بعد القبض ہے جو جائز ہے، احراز کو قبضہ تسلیم کیا جائے گا۔ اور اگر اپنا مال الگ کرائے بغیر دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو سوال میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ بائع اور مشتری کے معاہدہ کے مطابق وہ مال مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتا ہے، اور ہلاک ہونے کی صورت میں نہ تو بائع اول اس کا ضامن ہوتا ہے اور نہ مشتری ثانی، بلکہ مشتری اول اس کا ضامن ہوتا ہے۔ نیز یہاں پر غرر و دھوکہ بھی نہیں ہے، لہذا ضمان کو حکماً قبضہ تسلیم کرتے ہوئے اور دھوکہ نہ ہونے کی بنیاد پر اس طرح کی خرید و فروخت جائز ہونی چاہئے۔ میری رائے میں یہ صورت جائز ہے۔

جہاز پر مال چڑھا دینے کے بعد مشتری کا دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا:

جب معاملہ بیع مکمل ہو جانے کے بعد مال جہاز پر چڑھا دیا گیا اور مال مشتری کے ضمان میں داخل ہو گیا۔ ضائع ہونے پر بائع پر کوئی تاوان نہیں بلکہ مشتری کا نقصان ہوگا۔ تو ایسی صورت میں مشتری کا سمندر کے اندر ہی جہاز پر دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً جائز و درست ہوگا۔ مال کو اس کی جگہ سے منتقل کر کے جہاز پر چڑھا دینا اور اس کا مشتری کے ضمان میں داخل ہو جانا اس کے قبضہ کی دلیل ہے، یہ بیع بعد القبض سمجھی جائے گی۔ اسی طرح مشتری ثانی بھی دوسروں کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے، کیونکہ خریداری کے بعد وہ مال اس کے ضمان میں داخل ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مفتی محی الدین بزدوی

۱۔ بیع قبل القبض از قبیل فاسد ہے یا باطل؟

باطل وہ ہے جو نہ اصلاً درست ہو اور نہ وصفاً، اور فاسد وہ ہے جو وصفاً درست نہ ہو۔ ہر وہ چیز جس سے رکن بیع میں خلل آتا ہو وہ باطل ہے اور جس شی سے رکن بیع کے سوا دوسری طرح خلل آتا ہو وہ فاسد ہے، جیسے تسلیم وتسلم میں خلل آتا ہو جو بیع کی وجہ سے واجب ہو گئے ہیں، یا مبیع سے انتفاع مقصود میں خلل آتا ہو تو ایسی شی مفسد بیع ہے، ایا بیع خلاف مقتضی عقد شرط سے خالی نہیں ہے اسلئے خلل واقع ہو تو ایسی بیع بھی فاسد ہے۔

والباطل هو ما لا يكون صحيحا أصلاً ووصفاً والفاسد هو ما لا يصح وصفاً وكل ما أورث خللاً في ركن البيع فهو باطل وما أورث غيره كالتسليم والتسلم الواجبين به والانتفاع المقصود منه وعدم الاطلاق عن شرط لا يقتضيه وغير ذلك فهو مفسد (عنایہ علی الہدایہ بہامش فتح القدیر ۶/۴۳)۔

یہ الگ بات ہے کہ فقہاء کرام کے یہاں فاسد کا لفظ اصطلاحی باطل اور فاسد دونوں پر بولا جاتا ہے، جہاں جہالت مبیع یا ثمن مفضی الی النزاع ہو اس پر بھی فساد کا اطلاق ہوتا ہے، اور مبیع پر بائع کی ملک نہ ہونے کی صورت میں بھی فساد کا اطلاق ہوتا ہے حالانکہ عدم ملک کی صورت میں فاسد باطل کے معنی میں ہوتا ہے، اسی طرح تسلیم وتسلم سے عجز کی صورت میں بھی فساد کا اطلاق ہوتا ہے۔

ثم الفاسد بالمعنى الذي يعم الباطل يثبت بأسباب منها الجهالة المفضية في المبيع والثمن وبعدم ملك المبيع للبائع والفساد بمعنى البطلان إلا في السلم أو مع الملك لكن قبل قبضه ومنها العجز عن التسليم والتسلم (فتح القدیر ۶/۴۳)۔

دراصل بات یہ ہے کہ باطل کے بعض افراد اس قدر کمزور ہیں کہ فاسد سے ملتے جلتے ہیں اسلئے ان کو فاسد کہہ دیا جاتا ہے اور فاسد کے بعض افراد میں فساد اس قدر قوی ہوتا ہے کہ ان کو باطل سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ قدوری نے مدبر اور ام ولد اور مکاتب کی بیع کو فاسد کہا۔ اور صاحب ہدایہ نے باطل کہا ہے۔ ہدایہ کے باطل کہنے پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ باطل تو وہ ہے جس میں ملک ثابت نہیں ہوتی ہے، اور فاسد وہ ہے جس میں قبضہ کے بعد ملک ثابت ہو جاتی

ہے۔

اور فقہاء لکھتے ہیں اگر مدبر یا ام ولد یا مکاتب کے ساتھ ملا کر کسی خالص غلام کو بیچا جائے تو مدبر وغیرہ میں بیع باطل ہوگی لیکن خالص غلام میں اسکے مقابل ثمن کے عوض بیع درست ہوگی، تو اگر بیع باطل ہے تو غلام میں بھی باطل ہونا چاہئے، اور فاسد ہے تو مدبر اور ام ولد پر بھی ملک ثابت ہونی چاہئے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ باطل اسلئے کہا گیا کہ مدبر اور ام ولد حر کی طرح قبضہ کے بعد بھی مملوک نہیں ہوں گے، اگر اس پر فاسد کا اطلاق ہوتا تو یہ مغالطہ ہوتا کہ مدبر، ام ولد اور مکاتب بھی قبضہ کے بعد مملوک ہو سکتے ہیں۔

صرف خطرہ یہ ہے کہ بائع قبضہ دینے سے انکار کر دے تو مشتری کی ملک تام نہ ہو سکے گی، اسلئے اس کو فاسد قرار دیا ہے۔

تو بیع قبل القبض فاسد کا وہ فرد قوی ہے جو باطل سے ملتا جلتا ہے لیکن درحقیقت فاسد ہے، جیسے بیع مدبر بیع القن باطل کا فرد ہے جو فاسد سے ملتا جلتا ہے لیکن درحقیقت باطل ہے۔ اسلئے بیع قبل القبض میں نفس عقد سے جو ملک وجود پذیر ہوتی ہے اس کی بنیاد پر اس کو باطل سے ممتاز قرار دیا جا سکتا ہے۔ قبضہ کے بعد وہ ملک مؤکد ہو جاتی ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وإذا قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع وفي العقد عوضان كل منهما مال ملك المبيع ولزمته قيمته وقال الشافعيؒ لا يملكه وإن قبضه لأنه محظور فلا ينال نعمة الملك الخ ولنا أن ركن البيع صدر من أهله مضافا إلى محله فوجب القول بانعقاده ولا خفاء في الأهلية وركنه مبادلة المال بالمال (ہدایہ)۔

جب مشتری بیع فاسد میں مبیع پر بائع کی اجازت سے قابض ہو جائے اور عقد میں دونوں عوض مال ہوں تو مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے اور اس پر مبیع کی قیمت لازم ہو جاتی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد بھی مشتری مالک نہ ہوگا اسلئے کہ یہ بیع شرعاً ممنوع ہے، اس وجہ سے ایسی ممنوع بیع سے نعمت ملک حاصل نہیں ہو سکتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ رکن البیع (مبادلۃ المال بالمال) صادر ہو رہا ہے اس کے اہل سے، اور محل بیع میں صادر ہو رہا ہے، اس لئے بیع کے منعقد ہو جانے کا قائل ہونا واجب ہے۔ اہلیت میں خفاء نہیں ہے، اور رکن مبادلۃ المال بالمال موجود ہے، اور کلام اسی میں ہے (ہدایہ)۔

۲۔ بائع کی طرف سے مشتری کو مبیع میں تصرف پر قدرت دینے کا نام قبضہ ہے۔ جب بائع نے مشتری کو مبیع میں تصرف کرنے پر آزاد چھوڑ دیا اور موانع اٹھا لئے تو مشتری مبیع پر قابض سمجھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ تصرف پر قدرت اور تخلیہ ہر شئی، ہر ماحول ہر زمانہ کے لحاظ سے بدل سکتا ہے، اسلئے اس کی کوئی حد قطعی مقرر نہیں کی جا سکتی۔

حضرت امام فخر الدین قاضیخانؒ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں:

حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں مبیع و مشتری کے درمیان تخلیہ تین شرطوں پر قبضہ شمار ہوگا: اول بائع مشتری کو زبانی طور پر کہہ دے کہ میں نے تمہیں مبیع لینے کی اجازت دیدی ہے تم اسے لے لو، مشتری نے کہا کہ میں نے قبضہ کر لیا (لے لیا) (ظاہر بات ہے کہ عقار و غیر منقول میں اس قسم کا تخلیہ کافی ہوسکتا ہے) دوسری شرط یہ ہے کہ مبیع مشتری کے سامنے موجود ہو اس طرح کہ مشتری مبیع کو لینا چاہے تو بلا کسی مانع (رکاوٹ) کے لے سکتا ہو (یہ منقولات کے بارے میں ممکن ہے) تیسری شرط یہ ہے کہ مبیع غیر کے حق سے معمور و پر نہ ہو اور دوسرے کی ملک سے ممتاز و علیحدہ ہو، جیسے گھر میں بائع کا اسباب، اگر دوسرے کے حق کو مبیع معمور و پر کررہا ہو جیسے گیہوں بائع کے ظرف میں ہو یا اس جیسی کوئی تو یہ تخلیہ میں مانع نہ ہوگا۔ (قاضی خان ۲/۲۵۸)۔

بیع فاسد میں قبضہ کی حیثیت:

حضرت علامہ فخر الدین قاضیخان فرماتے ہیں:

البائع إذا خلّى بين المبيع و بين المشتري بحيث يتمكن المشتري من قبضه يصير المشتري قابضا للمبيع حتى لو هلك قبل أن يقبضه حقيقة يهلك عليه و كذا لو خلّى المشتري بين البائع والثمن .... أجمعوا على أن التخلية في البيع الجائز تكون قبضا وفي البيع الفاسد روايتان والصحيح انه قبض (فتاوى قاضيخان بهامش هنديه ۲/۲۵۷)۔

جب بائع نے مبیع اور مشتری کو چھوڑ دیا کہ مشتری مبیع کے قبضہ پر قادر ہو جائے تو ہلاکت مشتری کی ملک و قبضہ میں شمار ہوگی (بائع ضامن نہ ہوگا)، اسی طرح اگر مشتری نے بائع اور ثمن میں تخلیہ کر دیا تو بائع ثمن پر قابض شمار ہو گا...اس پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ بیع جائز میں تخلیہ کو قبضہ کہیں گے، اور بیع فاسد میں تخلیہ کے قبضہ ہونے کے بارے میں دو روایتیں ہیں، صحیح روایت یہ ہے کہ بیع فاسد میں بھی تخلیہ قبضہ شمار ہوگا۔

ہر شی میں تخلیہ اور قبضہ کی صورت جدا ہوگی:

ولو باع تمرا على النخيل و خلّى بينه و بين المشتري صار قابضا (قاضیخان)۔

اگر کھجور درخت پر بیچ ڈالی اور مشتری کو اجازت دیدی تو مشتری قابض ہو گیا۔ تو کھجور کا درخت اگرچہ بائع کا مملوک ہے مگر پھر بھی تخلیہ سے قبضہ ہو گیا۔

لیکن گھر خریدا اور بائع کا اسباب گھر میں ہے تو تخلیہ کے باوجود گھر پر قبضہ شمار نہ ہوگا کیونکہ تخلیہ کو قبضہ قرار دینے کی شرط یہ ہے کہ مبیع غیر کی ملک سے معمور و مشغول نہ ہو۔

اسی طرح زبانی تخلیہ کا قبضہ شمار ہونا عقار و غیر منقول اشیاء میں متصور ہے جبکہ گھر یا جائداد قریب ہو اور حق غیر سے خالی ہو۔ لیکن گھر یا جائداد دور ہو اور مشتری اس میں داخلہ یا اسکو مقفل کرنے پر قادر نہ ہو تو صرف زبانی کہہ دینے سے مشتری قابض نہ ہوگا، بلکہ حقیقی قبضہ مطلوب ہوگا، مثلاً دوسرے ملک میں جائداد ہے کہ مشتری بلا ویزا وغیرہ کے پہنچ نہیں سکتا تو زبانی تخلیہ سے قابض نہ ہوگا جب تک کہ مشتری یا اس کا وکیل قابض نہ ہو جائے۔

آج کل جائداد وغیرہ کے دستاویز جو بواسطہ عدالت ہوتے ہیں۔ ایک ملک میں ہوں اور جائداد حق غیر میں مشغول نہ ہو، قبضہ شمار ہو سکتے ہیں۔ لیکن دوسرے ملک میں ہوں تو دستاویز کے باوجود بھی مشتری کو قابض نہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ قاضیخان فرماتے ہیں:

اگر کسی شخص کے ہاتھ مکان فروخت کیا اور مکان بائع و مشتری کے سامنے موجود نہیں ہے، بائع نے کہا میں نے سپرد کر دیا، مشتری نے کہا میں نے قبول کیا، تو ظاہر الروایہ میں ہے کہ مکان اور جائداد غیر منقول میں یہ زبانی تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا جبکہ مکان قریب ہو۔ اور نوادر روایت میں ہے کہ جب بائع مشتری سے کہتا ہے میں نے مکان سپرد کر دیا اور مشتری کہہ دے کہ قبول کیا، مکان سامنے موجود نہیں ہے (مگر وہ پہلے دیکھ لیا ہو) تو امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق مشتری قابض ہو جائے گا (خواہ مکان قریب ہو یا دور ہو)، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مکان قریب ہو اور داخلہ ممکن ہے یا مشتری اس پر اپنا قفل لگا سکتا ہو تب تو زبانی تخلیہ قبضہ شمار ہوگا اور مشتری قابض کہلائے گا ورنہ نہیں، لیکن ظاہر الروایت میں قریب کا اعتبار ہے، اور صاحبین اور امام صاحب کے درمیان اختلاف کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور صحیح وہی ہے جو ظاہر الروایہ میں ہے کیونکہ جب مکان قریب ہو اور حقیقی قبضہ متصور ہو تو تخلیہ حقیقی قبضہ کے قائم مقام بن سکتا ہے، اور اگر مکان دور ہو اور قبضہ حقیقی متصور نہ ہو تو تخلیہ اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ ہبہ اور صدقہ میں بھی یہی حکم ہے۔ (قاضی خاں ج ۲ ص ۲۵)۔

اس مذکورہ تفصیل سے قبضہ حقیقی اور حکمی کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۳۔ مذکورہ بالا وضاحت سے اشیاء منقول و غیر منقول میں قبضہ کی نوعیت واضح ہو گئی کہ منقول میں اشیاء کے لحاظ سے نوعیت جدا ہو سکتی ہے اور غیر منقول میں نوعیت کا فرق ممکن ہے، اور یہ شریعت میں قبضہ کا ایک خاص مفہوم ہے۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کی نوعیت مقام و مواقع کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے، لوگوں کے عرف و عادت کا اعتبار تو ہوگا مگر قبضہ کے شرعی مفہوم اور تخلیہ کی شرائط کی رعایت ضروری رہے گی۔ عرف و عادت میں قبضہ اور قبضہ شرعی میں تساوی نہیں ہے بلکہ عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔

۴۔۵۔ احادیث متعلقہ بیع قبل القبض اور ممانعت کی نوعیت:

حضرت امام مالکؒ کے یہاں طعام مکیل و موزون کے ساتھ مخصوص ہے، اور حضرت امام احمدؒ کے یہاں بھی طعام کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسری اشیاء میں بیع قبل القبض جائز ہے۔

حضرت امام محمد اور حضرت امام شافعیؒ کے یہاں بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، نہ منقولات نہ غیر منقولات میں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول اول بھی یہی ہے، لیکن حضرات شیخینؒ کا قول معمول بہ یہ ہے کہ منقولات میں بیع قبل القبض جائز نہیں ہے اور عقار و غیر منقولات میں بیع قبل القبض جائز ہے۔

حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مستدل وہ احادیث ہیں جن میں خاص طعام کی بیع سے ممانعت ہے۔ جیسے حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں: **قال رسول اللہ ﷺ من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی**

يكتاله فقلت لابن عباس لم؟ فقال ألا تراهم يتبايعون بالذهب والطعام مرجأ ولم يقل أبو كريب مرجأ (مسلم شریف)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی غلہ خریدے تو اسکو کیل کرنے سے قبل فروخت نہ کرے، تو میں نے ابن عباسؓ سے دریافت کیا کیوں؟ فرمایا تم (دیکھ رہے ہو) کہ لوگ سونے اور طعام (غلہ) کے عوض ادھار بیچتے ہیں۔ اور ابو کریب نے ادھار کا لفظ نہیں کہا۔

اسی طرح مختلف طرق سے یہ روایت مروی ہے جسکو مسلم نے بیان کیا ہے، اور روایت کے عام طرق میں طعام کے ساتھ ہی ممانعت کو مخصوص کیا گیا ہے۔ اس لئے حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے ممانعت کو طعام کے ساتھ ہی مخصوص مانا ہے۔ خاص طعام کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے ماسوا میں حکم اس کے خلاف ہے، ورنہ تخصیص کا فائدہ ظاہر نہ ہوگا۔ ہم نے اس کا جواب دیا ہے کہ خاص طور پر کسی حکم کو کسی شی کے ساتھ ذکر کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس شی کے ماسوا میں حکم اس کے خلاف ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فلا تظلموا فيهن انفسكم ، اشہر حرام میں اپنے اوپر ظلم نہ کیا کرو۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر اشہر حرام میں ظلم کرنا چاہئے۔

دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں مطلقاً بیع قبل القبض کی ممانعت ہے اور ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں ممانعت کی صراحت ہے۔

ترمذی شریف میں عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے: ان رسول الله ﷺ قال لا يحل سلف ولا بيع ولا شرطان في بيع ولا ربح مالم يضمن ولا بيع ما ليس عندك أخرجه الترمذي في باب كراهية بيع ما ليس عنده (وقال ہذا حدیث حسن صحیح)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قرض اور بیع جائز نہیں اور ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں اور جو شی اپنے ضمان و ذمہ داری میں نہیں آئی اس کا نفع و فائدہ حلال نہیں ہے اور جو شی اپنے پاس نہیں (جس کا مالک نہیں) اس کی بیع جائز نہیں۔

دوسری روایت حکیم بن حزامؓ کی ہے:

عن حكيم بن حزام قال قلت يا رسول الله ﷺ إني أبتاع هذه البيوع فما يحل لي منها وما يحرم علي؟ قال يا ابن أخي لا تبيعن شيئا حتى تقبضه وفي رواية أبان إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه. هذا اللفظ للبيهقي في سننه وقال هذا إسناد حسن متصل و أخرجه أيضا ابن حبان في صحيحه و أحمد في مسنده ۳/۴۰۲ و فيه تعميم الحكم لكل شئ.

حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں یہ تجارت کر رہا ہوں تو ان میں سے کون سی بیوع میرے لئے حلال اور کونسی بیوع حرام ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے جواباً ایک ضابطہ کلیہ بیان کیا کہ کسی شی کو قبضہ سے پہلے نہ بیچو، اور ابان کی ایک روایت میں ہے کہ جب کسی مبیع کو خریدو تو جب تک قبضہ نہ کرلو فروخت نہ کرو۔ اس

روایت میں ممانعت کا حکم ہر شی پر عام ہے۔

بیع قبل القبض کی نہی معلول بالعلۃ ہے:

گذشتہ روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت گذری ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے خود ایک علت بیان کی ہے: "لوگ سونے اور غلہ کے عوض ادھار بیع کرتے ہیں"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیع ہوتی ہے "بیع الذھب بالذھب متفاضلاً" پر۔ کیونکہ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص نے سو دینار میں ایک شی فروخت کی، ثمن ادا کر دیا مبیع بائع کے قبضہ میں ہے، اور مشتری نے قبضہ سے پہلے ہی اس شی کو ایک سو بیس دینار کے عوض فروخت کر دیا اور ایک سو بیس دینار لے لئے۔ گویا مشتری نے طعام پر قبضہ نہ کر کے بالا ہی بالا اس کی بیع کر دی تو نتیجہ یہ ہوا کہ مشتری نے بائع کو جو سو دینار دیے تھے اس کے بالمقابل اپنے مشتری سے ایک سو بیس دینار لے رہا ہے تو اس مشتری اول کو بیس دینار کا اضافہ سود کے بدلے مل رہا ہے۔ طعام تو گویا درمیان میں رہا ہی نہیں۔

یہ علت منقولات اور غیر منقولات سب پر عام ہے کہ عقار کی بیع بھی قبل القبض جائز نہ ہونا چاہیے منقولات کی خصوصیت نہیں ہے، لیکن یہ تعلیل حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے خلاف جاری ہے، کیونکہ وہ عقار کی بیع کو قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں۔

اسلئے دیگر حضرات نے علت "ربح مالم یضمن" قرار دی اور کہا کہ بیع قبل القبض میں مشتری ایک ایسی شی سے نفع اٹھا رہا ہے جس کے نقصان کا وہ ذمہ دار نہیں ہے اسلئے یہ بیع جائز نہیں، اور عقار کی قبل القبض بیع میں ربح مالم یضمن کا تصور نہیں ہے، کیونکہ عقار کی ہلاکت متصور نہیں ہے، جب نقصان کا پہلو بیع عقار میں نہیں ہے تو ربح مالم یضمن بھی متحقق نہ ہوگا اور یہ علت حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کی مذکورہ بالا روایت میں مذکور ہے (تکملہ فتح ۱؍۳۴۴)۔

تکملہ فتح الملہم میں عبداللہ بن عمروؓ کی روایت کے حوالے سے ربح مالم یضمن کے علت ہونے کے بارے میں صرف اشارہ ہے، لیکن مسئلہ وضاحت طلب ہے۔

حضرت علامہ شمس الدین سرخسیؒ نے اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

شیخینؒ کے نزدیک بیع عقار قبل القبض جائز ہے، اور امام محمد و شافعیؒ کے یہاں جائز نہیں ہے، حضرت امام محمدؒ و شافعیؒ اسی عبداللہ بن عمروؓ والی روایت اور بیع قبل القبض کی نہی کے بارے میں جو عمومی روایات آئی ہیں ان سے استدلال کرتے ہیں۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ بیع عقار قبل القبض میں بھی جبکہ اپنی خرید قیمت سے زیادہ میں فروخت کیا جائے تو ربح مالم یضمن کا تحقق ہوتا ہے، کیونکہ اس نے مبیع قبل القبض کی بیع کی ہے، تو جس طرح منقول میں ربح مالم یضمن لازم آتا ہے عقار میں بھی لازم آئے گا، اس لئے دونوں میں بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی، وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ملک عین (ذات) نفس عقد سے حاصل ہوتی ہے تو قبضہ سے ملک تصرف حاصل ہوتی ہے، اور عقار و منقول ملک عین و ملک تصرف میں برابر ہیں تو حکم میں بھی یکسانیت ہونی چاہیے۔

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سبب ملک بیع ہے اور بیع بلا قبضہ کے تام نہیں ہوتی ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے عقد کے بعد مبیع میں جو اضافہ حاصل ہوتا ہے، اس کو بوقت عقد موجود مان کر مبیع میں شامل رکھا جاتا ہے، اور ملک مؤکد ہوتی ہے سبب ملک کے مؤکد ہونے سے (اور سبب ملک قبضہ سے مؤکد ہوتا ہے) اس میں منقول وغیر منقول برابر ہیں۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قبضہ سے قبل مبیع مضمون الغیرہ ہوتی ہے، یعنی ثمن سے مضمون ہوتی ہے، (مشتری ثمن کا ذمہ دار ہوتا ہے) اگر قبضہ سے قبل مبیع ہلاک ہو جائے تو مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جاتا ہے، اسی طرح عقار کی ہلاکت متصور ہو اور قبل القبض ہلاک ہو جائے تو ثمن ساقط ہو جائے گا، جب ثمن کے ضمان میں دونوں یکساں ہیں تو پھر ربح مالم یضمن کے بارے میں بھی دونوں یکساں رہیں گے۔

ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ عقار ہو یا منقول ہو جواز بیع کے لئے قدرت علی التسلیم دونوں میں شرط ہے، قدرت علی التسلیم بذاتہ حاصل ہو یا نائب و وکیل کے واسطے سے ہو، تو عقار جب تک بائع کے قبضہ میں ہے بائع اول کا قبضہ مشتری اول کے قبضہ کا نائب نہیں ہے، اس لئے مشتری اول کو بواسطہ نیابت قادر علی التسلیم نہیں مانا جا سکتا، اسلئے بیع عقار قبل القبض قدرت علی التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

حضرات شیخین فرماتے ہیں کہ بیع عقار قبل القبض کا وہی درجہ ہے جو بیع منقول قبل القبض کا درجہ ہے، لیکن تصرف کے جواز کا مدار صرف ملک پر ہے قبضہ پر نہیں ہے۔

دیکھئے اپنے مودع یا غاصب کے قبضہ میں کوئی شی ہے اور مودع اور غاصب کو اقرار ہے کہ اس شی کا مالک فلاں ہے، تو فلاں کیلئے اس شی کو فروخت کرنا مودع اور غاصب کے قبضہ میں رہتے ہوئے بھی جائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ تصرف کا مدار ملک پر ہے۔

البتہ غرر جواز تصرف میں مانع بن جاتا ہے اگر ملک میں غرر درپیش ہو اور اس غرر سے احتراز ممکن بھی ہو تو غرر سے بچ کر چلا جائے اور غرر کی موجودگی میں بیع نہ کی جائے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔

منقول میں قبضہ سے پہلے ملک (مشتری) میں غرر ہے، اسلئے کہ مبیع کی ہلاکت سے بیع منفسخ ہو جائے گی اور مشتری کی ملک باطل ہو جائے گی، اور قبضہ کے بعد یہ غرر منتفی ہو جاتا ہے، اگر احتمال غرر رہتا ہے تو مبیع کے استحقاق کا رہتا ہے، اور اس قسم کے غرر سے احتراز ممکن نہیں ہے (اسلئے ایسے غرر کا اعتبار بھی نہیں اور اس کو مانع من البیع نہیں قرار دیا جا سکتا)۔ اور عقار میں قبضہ سے پہلے استحقاق کے سوا مشتری کی ملک میں کوئی غرر متصور نہیں ہے، جس سے ہلاکت مبیع اور فسخ بیع کی نوبت آ جائے (اسلئے عقار کی بیع قبل القبض جائز ہے)

علامہ شمس الدین السرخسی فرماتے ہیں:

وانتفاء الغرر لعدم تصور سببه أصلا يكون أبلغ من انتفاء الغرر إذا تصور سببه ولم

يعمل وانما يتصور الغرر فيه من حيث الاستحقاق و ذلك لا يمكن الاحتراز عنه والدليل عليه ان التصرف في الثمن قبل القبض جائز لأنه لا غرر في الملك و كذلك التصرف في المهر قبل القبض يجوز عندنا لانعدام الغرر في الملك فإن بالهلاك لا يبطل ملكها ولكن على الزوج قيمتها (المبسوط ۱۳/۱۰)۔

سبب غرر کے بالکل متصور نہ ہونے کی وجہ سے غرر نہ ہونا زیادہ موثر ہے بہ نسبت اس کے کہ سبب غرر متصور ہو اور موثر نہ ہو (کیونکہ سبب غرر کا متصور ہونا بھی شبہ کا باقی ہے) غیر منقول میں چونکہ استحقاق کے سوا دوسرا سبب غرر متصور ہی نہیں تو مانع بیع کا شبہ ہی نہیں ہے۔ استحقاق متصور ہے لیکن احتراز ممکن نہ ہونے کی وجہ سے وہ مانع نہیں ہے۔

اور اس بات کی دلیل کہ جواز تصرف کا مدار عدم غرر پر ہے کہ ثمن میں قبل القبض تصرف جائز ہے۔ اسلئے کہ ثمن (نقد) کی ملک میں غرر نہیں ہوتا کیونکہ عقود میں دراہم و دنانیر متعین نہیں ہوتے۔ اسی طرح مہر میں قبضہ سے پہلے زوجہ تصرف کر سکتی ہے کیونکہ مہر کی ملک میں غرر ہے ہی نہیں۔ اسلئے کہ مہر میں قبضہ سے قبل ہلاکت کی صورت میں مہر کی ملکیت باطل نہیں ہوتی بلکہ شوہر پر ہلاک شدہ مہر (اگر عرض ہو) کی قیمت کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرات شوافع میں مہر کے قبل القبض ہلاکت کی صورت میں اختلاف ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ ہلاکت کی صورت میں تسمیہ باطل ہو جائے گا وہ قبضہ سے قبل مہر میں تصرف کے قائل نہیں ہیں " لبقاء الغرر في الملك " ملک میں غرر کی موجودگی کی وجہ سے، اور جو یوں کہتے ہیں کہ ہلاک مہر سے تسمیہ باطل نہیں ہوتا وہ قبل القبض تصرف کو جائز قرار دیتے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل وہی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ تصرف کا مدار عدم غرر پر ہے۔

فرماتے ہیں: جس تصرف سے غرر مانع نہیں ہے ایسا تصرف قبضہ سے پہلے بھی مبیع میں جائز ہوتا ہے (جیسے آبق کا عتق)، چنانچہ مبیع قبل القبض میں عتق نافذ ہو جاتا ہے، اسی طرح تزویج مبیع قبل القبض میں نافذ ہو جاتی ہے۔ (مبسوط)

اسی سے حضرات شوافع کے اس استدلال کا فساد واضح ہو جاتا ہے کہ ملک مؤکد ہوتی ہے سبب ملک کے مؤکد ہونے سے (یعنی بیع کے مؤکد ہونے سے) اور بیع قبضہ سے مؤکد ہوتی ہے (اسلئے بلا قبض عقار کی بیع بھی جائز نہ ہونا چاہئے کیونکہ منقول و عقار اس سبب میں متفق ہیں تو حکم میں بھی متفق رہنا چاہئے) کیونکہ عتق تاکد ملک کے تقاضہ میں محل کے اندر بیع سے بڑھکر اور مضبوط ہے۔

رہی یہ بات کہ شوافع کہتے ہیں کہ ملک تصرف مشتری کو قبضہ سے حاصل ہوتی ہے اور قبضہ سے ہی مبیع مشتری کے ضمان میں آتی ہے، ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ محل میں تصرف کی ملک (حق) اصل ملک سے ہی ثابت ہو جاتی ہے (ضمان سے ثابت نہیں ہوتی)، اس کی دلیل یہ ہے کہ موہوب شی میں قبضہ کے بعد تصرف جائز ہے (قبضہ سے قبل موہوب میں تصرف جائز نہیں ہے) کیونکہ ہبہ میں قبضہ کے بعد ہی ملک تام ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ تصرف کا مدار ملک پر ہے، اسی طرح قدرت علی التسلیم بھی ضمان سے متعلق نہیں ہے بلکہ ملک

سے متعلق ہے، چنانچہ قدرت علی التسلیم غیر کے ہاتھ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جبکہ مالک منع نہ کرے۔

اور حضرات شوافع کا یہ کہنا کہ حدیث نہی عام ہے اسلئے منقول اور غیر منقول سب پر عام رہے گی، ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ حدیث اپنے عموم پر باقی نہیں ہے، اس میں تخصیص ہو چکی ہے، اسلئے کہ سب اس پر متفق ہیں کہ ثمن میں قبل القبض تصرف جائز ہے اور مہر میں بھی قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے۔

لہذا امام حص منہ البعض میں قیاس سے تخصیص جائز ہے، اس لئے ہم اپنی دلیل مذکور سے حدیث عام کو منقول پر محمول کرتے ہیں اور خاص سمجھتے ہیں۔

اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ شفیع کو قبل القبض ہی مل جاتا ہے، اور شفیع بدل و قیمت سے حق جائداد کا مالک ہو سکتا ہے، تو عقار قبل القبض مملوک بننے کا احتمال نہ رکھتی ہو تو شفیع کو بھی قبضہ سے پہلے اس عقار کو قبضہ سے پہلے لینے کا حق نہ ملنا چاہیے۔

لیکن حق شفیع کو قائم مقام حق مشتری کا قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ حق شفیع مشتری کے حق سے مقدم ہے، اسی لئے شفیع کے لے لینے کی وجہ سے ملک مشتری باطل ہو جاتی ہے، اور ذمہ داری بائع پر عائد ہو جاتی ہے (المبسوط سرخسی۔ ۱۳/۱۰)۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا محمد حنیف
ریاض العلوم، گورینی، جونپور

۱۔ بیع قبل القبض شریعت میں ناجائز ہے، اس کا شمار بیع فاسد میں ہوتا ہے، صح بیع عقار لا یخشی هلاكه قبل قبضه ولا يصح قبل قبضه بيع المنقول و فسد بيع المنقول قبل قبضه (درمختار، ج ۴، ص ۱۶۲، ۱۶۳)۔

۲۔ کتاب وسنت میں قبضہ کی کوئی حقیقت متعین نہیں کی گئی ہے، قبضہ کا مقصود بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہونا ہے۔ لہذا عرف میں جس چیز سے مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے اس کو قبضہ سمجھا جائے گا، بہرحال کتاب وسنت میں قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں ہے، اس لئے منقول کے قبضہ کی حقیقت میں حضرات علماء کا اختلاف ہوا ہے۔

اشیاء منقول میں قبضہ کی حقیقت:

حضرات احناف:

حضرات احناف کے نزدیک مبیع کے اعتبار سے قبضہ کی حقیقت مختلف ہوتی ہے، لیکن ان حضرات کے نزدیک اتنی بات مسلم ہے کہ اگر مبیع فی الحال مقدور التسلیم والتسلم ہو تو مشتری کو اطلاع کے بعد تخلیہ قبضہ حکمی ہوتا ہے، البتہ اشیاء کے مختلف ہونے کے لحاظ سے تخلیہ کی صورت بھی مختلف ہوگی، مبیع خواہ منقول ہو یا غیر منقول اگر فی الحال مقدور التسلیم والتسلم ہے تو تخلیہ قبضہ ہے اور اگر فی الحال مقدور التسلیم والتسلم نہیں تو تخلیہ قبضہ نہیں، مثلاً مبیع دور ہو، خواہ منقول ہو خواہ غیر منقول، یہی ظاہر الروایہ ہے، بعض کتابوں میں اشیاء غیر منقول کے سلسلے میں حضرات صاحبین کا جو اختلاف منقول ہے وہ ضعیف ہے۔

ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل وشرط في الأجناس شرطا ثالثا وهو أن يقول: خليت بينك وبين المبيع، فلو لم يقله أو كان بعيدا لم يصر قابضا والناس عنها غافلون، فإنهم يشترون قرية ويقرون بالتسلم والقبض وهو لا يصح به القبض على الصحيح (درمختار، ص ۴۲)۔

وفي حاشية: وحاصله أن التخلية قبض حكما ولو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت فدفع المفتاح وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فيما يظهر، وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض، وفي نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين.

وقوله على الصحيح وهو ظاهر الرواية ومقابله ما في المحيط وجامع شمس الأئمة أنه بالتخلية يصح القبض وإن كان العقار بعيدا غائبا عنهما عند أبي حنيفة خلافا لهما وهو ضعيف كما في البحر (ردالمحتار ۴/۳۴۳)۔

مندرجہ بالا عبارات مذکورہ سے یہ مفہوم ہے کہ تخلیہ کی صورت مختلف ہوتی ہے، اور تخلیہ فی الحال مقدور التسلیم والتسلم اشیاء میں، خواہ منقولہ ہوں، یا غیر منقولہ قبضہ ہے البتہ اشیاء غیر منقولہ کے سلسلے میں جب وہ فی الحال مقدور التسلیم والتسلم نہ ہوں تو ایک روایت یہ ہے کہ ان میں بھی اشیاء منقولہ غیر مقدور التسلیم کی طرح تخلیہ قبضہ نہیں ہے، اور محیط، جامع شمس الائمہ کی روایت میں حضرات صاحبین کا اختلاف منقول ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تخلیہ قبضہ ہے حضرات صاحبین کے نزدیک نہیں ہے۔

اشیاء منقولہ میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اشیاء منقولہ میں قبضہ کا مدار عرف پر ہے، قبضہ کے لئے عرف میں جو چیز رائج ہوگی اسی کو قبضہ تصور کیا جائے گا، مثلاً دراہم و دنانیر میں قبضہ ہاتھ سے ہوگا، مکیلات و موزونات میں قبضہ کے لئے کیل و وزن کی شرط لگاتے ہیں۔

قال المالكية والشافعية: قبض المنقول كالأمتعة والأنعام والدواب بحسب العرف الجاري بين الناس قال الحنابلة: قبض كل شيء بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله ووزنه أي أنه يجب الرجوع في القبض إلى العرف (الفقه الإسلامي ۴/۴۱۹)۔

اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ:

اتفق الفقهاء على أن قبض العقار يكون بالتسليم الفعلي بالتخلية أي رفع المانع من القبض أو التمكن من إثبات اليد بارتفاع الموانع (الفقه الإسلامي ۲۰۹) ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال (بدائع ۵/۲۴۴)۔

اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ قبضہ ہے اس میں تمام علماء کا اتفاق ہے، البتہ اگر اشیاء غیر منقولہ فی الحال مقدور التسلیم نہ ہوں تو اس میں قبضہ کے سلسلے میں حضرات احناف کا اختلاف ہے، جو کہ شروع میں گذر چکا ہے۔

قبضہ کی قسمیں: قبضہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تام، (۲) ناقص، قبضہ تام و ناقص، اشیاء اور ان کی بیع و شراء کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے، اس لئے اشیاء کے اقسام کو ذکر کیا جاتا ہے، ساتھ ہی وضاحت بھی ہو جائے گی کہ قبضہ تام کیا ہے اور قبضہ ناقص کیا ہے۔

مقدور التسلیم اشیاء کے اقسام:

(۱) اشیاء غیر منقولہ فی الحال مقدور التسلیم

(۲) اشیاء غیر منقولہ غیر مثلیہ۔ جیسے عددیات، مزروعات متفاوتہ دونوں قسموں میں قبضہ تام صرف تخلیہ سے متحقق ہو جائے گا، بعد تخلیہ مشتری کو اس میں ہر طرح کے تصرف کی اجازت ہوگی۔

(۳) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی ہوں ان کی بیع وشراء مجازفۃ بغیر کیل، وزن کے ہو تو اس میں بھی صرف تخلیہ ہی قبضہ تام ہے، بعد تخلیہ مشتری کو تمام تصرفات کی اجازت ہے۔

(۴) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی جس کی شراء مجازفۃ یعنی بغیر کیل وزن کے ہو اور بیع کیل، یا وزن سے ہو تو مشتری اول کیلئے صرف تخلیہ ہی قبضہ تام ہے، اور مشتری ثانی کیلئے تخلیہ قبضہ تام نہیں ہے بلکہ قبضہ ناقص ہے۔ اس لئے اس صورت میں مشتری اول کے لئے بعد تخلیہ تمام تصرفات کی اجازت ہوگی اور مشتری ثانی کیلئے اس میں تصرف کرنا جائز نہ ہوگا۔

(۵) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی جس کی شراء کیل، یا وزن سے ہو اور بیع بغیر کیل کے مجازفۃ ہو تو اس صورت میں مشتری ثانی کے لئے تخلیہ قبضہ تام ہوگا، اور مشتری اول کے لئے قبضہ تام نہ ہوگا۔

(۶) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی جنکی بیع وشراء دونوں کیل، یا وزن سے ہو، اس صورت میں تخلیہ کسی کے لئے بھی قبضہ تام نہ ہوگا دونوں کے لئے قبضہ ناقص ہے، کسی کے لئے بھی بغیر کیل، یا وزن کے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

(۷) عددیات ومزروعات متقاربہ اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اشیاء کیلیہ، وزنیہ کے حکم میں ہے۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک اشیاء کیلیہ، وزنیہ کے حکم میں نہیں بلکہ اشیاء غیر مثلیہ کے حکم میں ہے۔ لہذا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عددیات مزروعات متقاربہ میں تخلیہ قبضہ تام نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک تخلیہ قبضہ تام ہے (نوٹ) کیل اور وزن وعدد وغیرہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حقیقی (۲) حکمی دونوں کا حکم ایک ہے۔

(۱) مشتری کا خود کیل ہو، یہ کیل حقیقی ہے۔

(۲) مشتری کے سامنے بائع کیل، یا وزن کردے، یہ کیل حکمی ہے۔ دونوں میں سے یعنی کیل حقیقی، اور حکمی میں سے کوئی بھی پالیا جائے تو قبضہ تام ہو جائے گا مشتری کی موجودگی میں بائع کا کیل مشتری کا کیل متصور ہوتا ہے مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے (۵/۲۳۳)۔

(۳) وانما شرط الاكتيال على المشترى لكونه من تمام القبض فى المكيل والموزون اذا وقع البيع مكايلة، فلا يجوز التصرف فيه بالبيع ونحوه قبل الكيل او الوزن (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۸) وفى البدائع ولو كاله البائع أو وزنه بحضرة المشترى كان ذلك كافيا لا يحتاج إعادة الكيل لأن المقصود يحصل بكيله مرة واحدة بحضرة المشترى (ص ۲۳۳)۔

خلاصہ :

یہ کہ مبیع میں قبضہ تام سے پہلے مشتری کیلئے کوئی تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اور قبضہ تام اشیاء منقولہ مثلیہ

(کیلیہ ووزنیہ) کی اگر بیع وشراء دونوں کیل یا وزن سے ہو تو تخلیہ نہ ہو تو مشتری اول اور نہ مشتری ثانی کے حق میں قبضہ تام ہوگا۔ کیونکہ دونوں کے قبضہ کی تمامیت کیلئے کیل یا وزن کا پایا جانا ضروری ہے، اور اگر بیع کیلا یا وزنا ہو اور شراء مجازفۃ بغیر کیل کے ہو تو مشتری اول کے لئے تخلیہ قبضہ تام ہے، اور مشتری ثانی کے لئے قبضہ تام نہیں ہے، اور اگر شراء کیلا یا وزنا ہو اور بیع مجازفۃ ہو تو مشتری ثانی کے لئے تخلیہ قبضہ تام ہے، مشتری اول کے لئے تام نہیں ہے، بلکہ اس کا کیل یا وزن کرنا ضروری ہے، مذکورہ صورتوں کے علاوہ صرف تخلیہ ہی قبضہ تام ہو جاتا ہے، البتہ عددیات، مزروعات متقاربہ میں حضرت ابوحنیفہؒ کے نزدیک تخلیہ قبضہ تام نہیں اور صاحبین کے نزدیک قبضہ تام ہے، قبضہ تام مشتری کے خود کیل کرنے یا مشتری کے سامنے بائع کے کیل کرنے سے بھی متحقق ہو جاتا ہے، اسی طرح مشتری کے وکیل کے سامنے بھی کیل ووزن کرنے سے قبضہ متحقق ہو جاتا ہے۔

بیع وتصرف قبل القبض کے سلسلے میں مذاہب:

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک کسی بھی چیز میں بیع قبل القبض جائز نہیں، خواہ مطعومات یا غیر مطعومات، منقولات وغیر منقولات ہی کی قبیل سے کیوں نہ ہو، تمام چیزوں میں ان حضرات کے نزدیک قبضہ کی تمامیت شرط ہے۔

قال الشافعي و محمد ابن الحسن من الحنيفة: يحرم بيع كل شئ قبل قبضه طعاما أو كان غيره منقولا أو كان غير منقول.

حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک صرف مطعومات میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔

قال ابن حنبل في المهر الرواية: إنما يختص النهي و الطعام فلا يجوز بيعه قبل قبضه ويجوز فيما سواه، كما حققه ابن قدامة.

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مطعومات ومشروبات میں بیع قبل القبض جائز نہیں۔

قال مالك: إنما يمنع البيع قبل القبض في المكيل والموزون من الطعام خاصة (تکملہ ۵۲-۳۵۱/۱) يجوز كل مبيع قبل قبضه إلا المأكول والمشروب قاله مالك وأبوثور قال ابن المنذر: وأصح المذهب لحديث النهي عن بيع الطعام قبل أن يستوفى (اعلاء السنن ۳۲۱/۴)۔

حضرات شیخینؒ کے نزدیک تمام منقولات میں قبضہ کی تمامیت سے پہلے بیع جائز نہیں۔ قال أبو حنيفة وأبو يوسفؒ: يمتنع البيع قبل القبض في سائر المنقولات، ويجوز في العقار الذي لا يخشى هلاكه (تكملة في فتح الملهم ۳۵۰/۵-۵۱)۔

ائمہ کے دلائل:

(۱) نهى رسول ﷺ أن تباع السلع حيث يبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم.

(۲) وعن حكيم ابن حزام قال: قلت يا رسول الله ﷺ إني ابتاع هذه البيوع فما يحل

لی منها وما یحرم علی قال یا ابن أخی لا تبعن شیئا حتی تقبضها، فی روایة أبان إذا اشتریت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه.

(۳) وعن عبدالله ابن عمرو أن رسول الله ﷺ قال لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک (تکملۃ فتح الملہم)۔

روایت مذکورہ شیئ بیع قبل القبض کے عدم جواز پر دال ہیں، خواہ مبیع مطعومات وغیر مطعومات کے قبیل سے ہو۔ یہ روایات حضرات امام شافعی وامام محمد وامام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہم اللہ اجمعین کا مستدل ہے۔

دلیل احمد ابن حنبلؒ وامام مالک:

عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه، وفی روایة حتی یقبضه.

روایت مذکورہ مبیع مطعومات میں قبل القبض تصرف کے عدم جواز پر دال ہے۔ یہ روایت حضرت امام احمد ابن حنبل کا مستدل ہے۔

دلیل حضرات شیخین:

نهی رسول الله ﷺ عن ربح ما لم یضمن وما لیس عندک، ونهی رسول الله ﷺ عن بیع الحصاة وعن بیع الغرر، ونهی أن تباع السلع حیث تباع حتی یحوزها التجار إلی رحالهم، فقال رسول الله ﷺ یا ابن أخی لا تبعن شیئا حتی تقبضه وفی روایة أبان: إذا اشتریت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه ۔روایت مذکورہ بیع قبل القبض کے عدم جواز پر دال ہے۔ حضرات شوافع، امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک بیع قبل القبض کی علت نہی "ربح مالم یضمن" ہے، کیونکہ بیع قبل القبض "ربح مالم یضمن" کو متضمن ہے، جب بھی بیع قبل القبض ہوگی تو "ربح مالم یضمن" ہوگا، اور "ربح مالم یضمن" نص حدیث سے ممنوع ہے، لہذا ہر وہ بیع جو "ربح مالم یضمن" کو متضمن ہوگی وہ ممنوع ہوگی، اس لئے بیع قبل القبض ناجائز ہے، جیسا کہ بہت سی احادیث شریفہ میں صراحت ہے۔ خواہ بیع قبل القبض مطعومات وغیر مطعومات، منقولات، غیر منقولات جس چیز میں بھی ہو، حضرات شوافع اور امام محمد کے نزدیک "ربح مالم یضمن" کو متضمن ہونے کی بناء پر ممنوع ہوگی۔

حضرات شیخین:

حضرات شیخینؒ کے نزدیک منقولات میں بیع قبل القبض ناجائز ہے۔ بیع فاسد ہے۔ اور غیر منقولات میں بیع قبل القبض جائز ہے۔

ومن اشتری شیئا مما ینقل ویحول لم یجز بیعه حتی یقبضه لأنه علیه السلام نهی عن بیع مالم یقبض لأنه فیه غرر انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک ویجوز بیع العقار قبل القبض عند

أبي حنيفة وأبي يوسف وقال محمد لا يجوز رجوعا إلى إطلاق الحديث واعتبارا بالمنقول و صار كالإجارة (ہدایہ)۔

حضرات شیخین کے مسلک کی توضیح دو طرح سے ہو سکتی ہے، ایک اس طرح سے کہ اصل علت نہی "ربح مالم یضمن" کو ٹھہرایا جائے اور حدیث کے اطلاق وعموم سے غیر منقولات کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔ کیونکہ حدیث شریف میں بیع قبل القبض کی اصل علت نہی "ربح مالم یضمن" ہے اور ضمان کا تصور صرف ان ہی چیزوں میں ہوتا ہے جن میں مبیع کے ضیاع کا اندیشہ ہو اور چونکہ غیر منقولات میں ضیاع وہلاکت نادر و کالعدم ہے۔ اسلئے غیر منقولات میں ضمان کا سوال ہی نہیں اور جب ضمان کا وجود نہیں تو "ربح مالم یضمن" کا وجود کیسے ہوگا جو مدار نہی ہے لہذا قاعدہ فقہیہ: "إذا فات العلة فات الحكم" سے غیر منقولات کی بیع جائز ہے۔

دوسری تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ علت نہی غرر انفساخ عقد کو ٹھہرایا جائے کہ جس میں مبیع کے ضیاع سے عقد ختم ہو جائے تو ایسا عقد تصرف مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے جائز نہیں اور حدیث "ربح مالم یضمن" کو مخصوص منہ البعض مانا جائے دلائل جواز پر عمل کرتے ہوئے، كما في الهداية: لهما أن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول و الغرر منهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز أي من الكتاب والسنة (ہدایہ ص ۳۳۳)۔

حدیث "ربح مالم یضمن" میں تخصیص بالاتفاق جائز ہے، مثلاً قبضہ سے پہلے ایسی مبیع میں تصرف کرنا کہ اس سے مبیع کے ضیاع سے فسخ کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی مبیع میں تصرف بالاتفاق جائز ہے۔ حالانکہ اس میں بھی "ربح مالم یضمن" موجود ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حدیث "ربح مالم یضمن" مخصوص منہ البعض ہے، ورنہ تو اس مبیع میں بھی جس میں اس کے ضیاع سے فسخ عقد کا اندیشہ نہ ہو یہ تصرف جائز نہ ہوتا، مثلاً مہر، بدل خلع، عتق علی مال، بدل صلح من دم العمد، جب اعیان کی قبیل سے ہوں، تو ان میں قبضہ سے پہلے تمام تصرفات جائز ہیں۔ اسی طرح اخذ شفعہ "قبل قبض المبیع" بھی جائز ہے۔ تو ان سب سے معلوم ہوا کہ ایسی مبیع میں تصرفات جس میں مبیع کے ضیاع کا اندیشہ نہ ہو قبل القبض جائز ہیں۔ اور علت نہی غرر انفساخ عقد ہے جو حدیث ابو ہریرہ: "نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر" سے ثابت ہے۔ (مسلم شریف) اور اگر علت نہی "ربح مالم یضمن" ہوتی تو بیع تولیہ کو جائز ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ بیع تولیہ بھی قبل القبض جائز نہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل علت نہی "ربح مالم یضمن" نہیں بلکہ غرر انفساخ عقد ہے، تو جس طرح سے ایسی مبیع میں جس میں اس کے ضیاع سے فسخ کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے، مثلاً: مہر، بدل خلع، بدل صلح من دم العمد، اخذ شفعہ قبل القبض وغیرہ جائز ہیں۔ اسی طرح سے غیر منقولات جس میں ضیاع نادر ہے، ان میں بھی تصرف قبل القبض جائز ہوگا، کیونکہ غیر منقولات کی بیع قبل القبض کی صورت میں انفساخ عقد کا احتمال نہیں رہتا ہے۔ لہذا غیر منقولات میں بیع قبل القبض جائز ہوگی، اسی علت پر مدار رکھ کر حضرات فقہاء نے یہ کلیہ بیان کیا ہے، أن كل عوض ملك بعقد ينفسخ بهلاكه قبل قبضه فالتصرف فيه غير جائز، ومالا فجائز (عینی، درمختار ۴/۱۶۲)۔

حاصل یہ ہے کہ حضرات شیخین کے نزدیک اصل علت نہی غرر انفساخ عقد ہے، اور حضرات امام شافعی و امام محمد کے نزدیک علت نہی "ربح مالم یضمن" ہے۔ اور حضرات شیخین نے حدیث "ربح مالم یضمن" کو مخصوص کردیا ہے ان معاملات کے ساتھ جن میں مبیع کے ضیاع سے فسخ عقد کا احتمال ہو۔

نہی عن بیع الطعام:

آپ ﷺ کے ارشاد: نهى عن بيع الطعام حتى يجرى فيه الصاعان "صاع البائع وصاع المشترى" کی علت نہی مال غیر میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرنے سے بچانا مقصود ہے۔ کیونکہ مال غیر میں تصرف بغیر اس کی اجازت کے ناجائز و حرام ہے اس سے تحرز واجب ہے۔ نهى عن بيع الطعام... إلى... فيكون لصاحبه الزيادة وعليه النقصان ذكره الزيلعي في نصب الراية، وقال الحافظ في الدراية: إسناده جيد، وهذا يدل على أن العلة في النهي عن بيع الطعام حتى يجرى فيه الصاعان إنما هو امتياز حق البائع عن المشترى (تكملة ۱/۳۵۸)۔

خلاصہ:

حضور سابقہ میں ذکر کردہ مسائل واحکام کا خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ مبیع کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، مبیع دو طرح کی ہوتی ہے (۱) مبیع مثلی، کیلی، یا وزنی مشتری بالکیل یا بالوزن ہو (۲) مبیع اس کے علاوہ ہو یعنی مثلی نہ ہو اور اگر مثلی ہو تو کیلی یا وزنی نہ ہو، کیلی یا وزنی ہو تو شراء کیل یا وزن سے نہ ہوئی ہو۔ ان دونوں قسموں میں سے قسم اول میں حضرات احناف کے نزدیک تخلیہ قبضہ ناقص ہے، اور قبضہ کی تمامیت کے لئے مشتری کے کیل یا وزن کی شرط ہے کہ مشتری دوبارہ خود کیل یا وزن کرے، یا کم از کم اس کے سامنے کیل یا وزن کی گئی ہو تو تخلیہ قبضہ تام ہوگا، ورنہ نہیں، اور کسی چیز میں تصرف قبضہ کی تمامیت سے پہلے جائز نہیں، اگر عقد کرے گا تو عقد فاسد ہوگا۔ "اشترى كيلا بشرط الكيل حرم أي كره تحريما بيعه وأكله حتى يكيله وقد صرحوا بفساده" (درمختار ۴/۱۹۳) اور مبیع کی دوسری قسم میں اگر وہ فی الحال عقد ورا تسلیم ہے تو صرف یہ تخلیہ ہی قبضہ تام ہے، لہذا اس میں بعد تخلیہ مشتری کو ہر طرح کے تصرف کرنے کا اختیار ہے، لیکن اگر مبیع ذراعی اور عددی متقارب ہو اور شراء عدد و ذراع سے ہوئی ہو تو حضرات صاحبین اور امام صاحب کا اس میں اختلاف ہے، حضرات صاحبین کے نزدیک ان میں بھی تخلیہ قبضہ تام ہوگا اور حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک تخلیہ قبضہ تام نہیں، بلکہ قبضہ کی تمامیت کیلئے عدد و ذراع کی شرط ہے۔

في البدائع أما المعدودات المتقاربة إذا بيعت عددا لا جزافا فحكمها حكم المكيلات والموزونات عند أبي حنيفة حتى لا يجوز بيعها إلا بعد العدد وعند أبي يوسف ومحمد حكم المذروعات فيجوز بيعها قبل العدد. ووجه قولهما أن العددي ليس من أموال الربوا كالذراع ولهذا لم تكن المساواة فيها شرطا لجواز العقد كما لا تشترط في المذروعات فكان حكمه حكم المذروع (بدائع ۵/۲۳۵)۔

اور فتوی کے لئے ضرورۃ عموم بلوی کی بناء پر صاحبین کے قول کو اختیار کیا جائے گا تا کہ "یسروا ولا تعسروا" پر عمل ہو کر معاملات میں سہولت و آسانی پیدا ہو جائے اور نیز بیع قبل القبض کی مروجہ صورت میں سہولت و آسانی کیلئے بعض چیزوں میں حضرت امام مالک کا مسلک اختیار کرنے میں کوئی جرم نہیں ہے۔ اور ان کے مسلک و مذہب کے مطابق ضرورۃ فتوی دیا جائز ہے، جیسا کہ فقہاء متقدمین فقہ حنفی کے اصول "اذا ضاق الامر اتسع، اذا عمت البلیة خفت قضیة، المشقة تجلب التیسیر" کی بناء پر ضرورت کے وقت دوسرے امام کے مذہب کو اختیار کیا ہے۔ مثلاً شامی، طحاوی وغیرہ نے جمع بین الصلاتین کو ضرورت کے وقت مذہب شافعی پر جائز فرمایا ہے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں، دیانت میں نہیں معاملات میں اتنا عام ہوتا ہے دوسرے امام کے قول پر اگر جواز کی گنجائش ہوتی ہے تو اس پر فتوی دیدیتا ہوں، دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکام معاملات میں ایسا لکھوں جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں، اگر وہ صورتیں کسی بھی مذہب میں جائز ہوں تو اس کی اجازت دے دوں تاکہ مسلمانوں کے افعال کسی طرح بھی جائز ہو سکیں۔ اور فرمایا کہ احتیاطاً میں نے حضرت گنگوہی سے اس کی اجازت لے لی تھی، حالانکہ حضرت پکے حنفی تھے (فقہ حنفی کے اصول و ضوابط/۱۲۹)۔

امام مالک کا مذہب:

حضرت امام مالک کے نزدیک مطعومات کے علاوہ تمام چیزوں میں تصرف قبل القبض جائز ہے۔ قال مالک: یجوز جمیع التصرفات فیه قبل القبض فی غیر الطعام لأنه علیه السلام خص الطعام بالذکر عند النهی بقوله "من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یقبضه" فدل علی تخصیص الحکم وإلا فلیس لهذا التخصیص فائدة (بدایہ ج۲/۳۲۱)۔

بیوع کے چند مروجہ طریقے:

(۱) بائع کمپنی یا بڑی بڑی تھوک دکانوں پر فون وغیرہ سے اشیاء کی قیمت معلوم کرتا ہے پھر جب اطمینان کر لیتا ہے تو بھیجنے کا آرڈر دیتا ہے۔

(۲) بائع مشتری سے اشیاء کی قیمت معلوم کر کے یہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کو نکال کر یا تول کر رکھ دو، پھر مشتری کا ملازم جا کر وہ سامان لے آتا ہے۔

(۳) بائع خط کر، یا ٹیلی فون سے مشتری کو آرڈر دیتا ہے اور بائع مطلوبہ اشیاء کو مع قیمت کی فہرست کے بھیج دیتا ہے۔

(۴) ایک شخص ایجنسی وغیرہ میں فون وغیرہ سے کسی چیز کا آرڈر دیتا ہے اور ایجنسی والے اس کا پتہ وغیرہ نوٹ کر کے کمپنی میں آرڈر دیتے ہیں کہ فلاں پتہ پر اتنا مال روانہ کر دیا جائے۔

(۵) کوئی شخص تھوک دکان والوں سے کسی چیز کو طلب کرتا ہے، اور ان کے پاس نہیں ہوتی ہے تو وہ ایجنسی یا کمپنی کو آرڈر دیتے ہیں کہ فلاں پتہ پر اتنا مال روانہ کر دیا جائے اس کو بھی اطلاع کر دیتے ہیں کہ تمہارا مال پہونچ رہا

ہے۔

(۶) آجکل مختلف چیزیں اوزان کے ڈبوں میں اور مختلف اوزان کے سلے ہوئے بوروں، میں بنڈلوں میں، تھیلوں میں، معدود، کیل، وزن، وذراع شدہ رکھی رہتی ہیں جن پر متعینہ وزن لکھا رہتا ہے اور بعض مبیع میں مبیع کے تعارف کی پوری تفصیل درج ہوتی ہے مشتری جب ان چیزوں میں سے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو بائع وہی پیکٹ وغیرہ جو پہلے سے کیل وغیرہ کرکے رکھا ہے، دیدیتا ہے۔

(۷) باہر ممالک سے مشتری کوئی چیز خریدتا ہے اور قبضہ سے پہلے ابھی مال جہازی وغیرہ میں ہوتا ہے اس کو فروخت کر دیتا ہے دوسرا تیسرے کو، تیسرا کسی اور کو، اسی طرح سے وہ چیز قبضہ سے پہلے فروخت ہوتی رہتی ہے، ان سب مروجہ صورتوں کا کیا حکم ہے؟ کیا بغیر کیل و وزن کئے ہوئے اور بغیر قبضہ کئے ہوئے اس میں تصرف کرنا جائز ہے؟

بیع قولی وتعاطی:

مذکورہ مروجہ صورت کے حکم سے پہلے بیع بالالفاظ، بیع بالافعال (تعاطی) کو سمجھ لینا ضروری ہے، نیز قبضہ کی حقیقت ٹرانسپورٹ وغیرہ کی شرعی حیثیت کا علم ہونا ضروری ہے، کیونکہ بیع کی مروجہ صورتوں میں ان سب کا واسطہ ہوتا ہے، لہذا ان صورتوں کا حکم بیع تعاطی، قولی، قبضہ، ٹرانسپورٹ وغیرہ کے بعد لکھا جائے گا، تاکہ اخذ حکم میں سہولت ہو۔

بیع قولی:

بیع بالالفاظ کی اولا دو صورتیں ہیں۔ (۱) ایجاب وقبول دونوں لفظا ماضی یا حال سے ہوں (۲) ایجاب لفظ سے ہو قبول لفظ سے نہ ہو بلکہ فعل سے ہو۔ مثلا زید نے عمر سے کہا کہ میں نے آپکے ہاتھ یہ چیز فروخت کی تو عمر نے اس پر قبضہ کرلیا، قبول کے لئے کوئی لفظ استعمال نہیں کیا، یہ بھی بیع بالالفاظ میں داخل ہے۔

كما في الرد، قلت قوله من غير لفظ لغير ما قد مناه عن الفتح من أنه لو قال بعتكه بالف فلم يقل المشتري شيأ كان قبضه قبولا وليس من التعاطي فلا لمن جعل منه ليس فيه إيجاب بل قبض بعد معرفة ثمنه (ردالمحتار، ج ۴، ص ۱۱)۔

(۲) دوسری قسم، یعنی ایجاب وقبول دونوں الفاظ سے ہوں، اسکی چار صورتیں ہیں، (۱) ایجاب وقبول دونوں صیغہ ماضیہ سے ہوں (۲) ایجاب وقبول دونوں صیغہ حال سے ہوں (۳) ایجاب صیغہ ماضی سے ہو قبول صیغہ حال ہو (۴) قبول صیغہ ماضی سے ہو اور ایجاب صیغہ حال سے ہو۔

البيع ينعقد بالإيجاب والقبول إذا كانا بلفظي الماضي مثل أن يقول بعت والآخر اشتريت ولا ينعقد بلفظين احدهما لفظ المستقبل وفي التنوير وهما عبارة عن كل لفظين ينبآن عن التملك والتمليك ماضيين أو حالين ولكن لا يحتاج الأول إلى نية بخلاف الثاني فإن نوى به الإيجاب للحال صح على الأصح وإلا لا وإذا استعمله للحال فكالماضي

كما يمكن الآن لتمحضه للحال وأما المتمحض للاستقبال فكان الأمر لا يفتح أصلا إلا إذا دل على الحال كخذه بكذا فقال أخذت أو رضيت صح بطريق الاقتضاء (تنویر مع الدرالمختار ملخصا ۴/ ۹۔۱۰)۔

حاصل یہ ہے کہ بیع بالا الفاظ کی زیادہ سے زیادہ چھ صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) ایجاب لفظ سے ہو قبول فعل سے ہو۔ (۲) ایجاب وقبول دونوں صیغہ ماضی سے ہوں (۳) ایجاب و قبول دونوں صیغہ حال سے ہوں (۴) ایجاب ماضی سے قبول حال سے ہو (۵) ایجاب حال سے اور قبول ماضی سے ہو (۶) ایجاب صیغہ امر سے ہو تو قبول کا صیغہ ماضی سے ہونا ضروری ہے۔ صیغہ امر ایجاب کے لئے اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ امر سے اقتضاء حال کا معنی مستفاد ہو، بیع بالکتابت، اگر وہ... مرسوم ہو تو الفاظ کے ساتھ ملحق ہے، کیونکہ کتابت الفاظ کا ترجمان اور قائم مقام ہوتی ہے (ازبیع لمتفصیل إلی الدر ۴/ ۸، ۱۰)۔

بیع تعاطی:

بیع تعاطی کی پانچ صورتیں ہیں (۱) ثمن طے کرنے کے بعد ثمن حوالہ کر دے، مبیع پر قبضہ بعد میں کرے۔ (۲) مبیع پر قبضہ کر لے، ثمن بعد میں دے۔ (۳) ثمن طے کرنے اور معرفت ثمن سے پہلے ہی مبیع پر قبضہ کر لے۔ (۴) ثمن کے علم ومعرفت سے پہلے ہی ثمن دیدے، اور مبیع پر قبضہ بعد میں کرلے۔ (۵) ثمن دیدے اور مبیع لے لے۔ التعاطي هو الأخذ والإعطاء وفي الرد وصورته أن يتفقا على الثمن ثم يأخذ المشتري المتاع ويذهب برضى صاحبه من غير دفع الثمن أو يدفع المشتري الثمن للبائع ثم يذهب من غير تسليم المبيع فإن البيع لازم على الصحيح ... قلت: فيها خامسة إنه ينعقد به ولو تأخرت معرفة الثمن لكون دفع الثمن قبل معرفته (ردالمحتار ۴/ ۱۱، البحرالرائق ۴/ ۱۱)۔

حاصل یہ کہ ثمن کے علم کے بعد یا ثمن کے علم سے پہلے بائع ثمن پر قبضہ کرلے یا مشتری مبیع پر قبضہ کرلے، یا دونوں ایک دوسرے پر قبضہ کرلیں، تو یہ بیع تعاطی ہے بشرطیکہ اس میں ایجاب وقبول کے وہ الفاظ جن کی تفصیل گذر چکی ہے نہ پائے جائیں۔

بیع تعاطی کا حکم:

(۱) بیع تعاطی میں جب مبیع، یا ثمن پر قبضہ ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے

(۲) بیع تعاطی میں اشیاء کیلیہ ووزنیہ میں بھی تصرف کیلئے اعادہ کیل اور وزن کی شرط نہیں ہے: في الدر "اشترى مكيلا بشرط الكيل حرم أي كره تحريما بيعه وأكله حتى يكيله ومثله الموزون والمعدود غير الدراهم والدنانير لجواز التصرف فيهما بعد القبض قبل الكيل والوزن كبيع التعاطي فإنه لا يحتاج في الموزونات إلى وزن المشتري ثانيا لأنه صار بيعا بالقبض بعد الوزن، قنية وعلية الفتوى خلاصة (الدرالمختار ملخصا ۴/ ۱۶۳۔۱۶۴)۔

عبارات مذکورہ سے واضح ہے کہ بیع تعاطی میں مشتری کے اعادہ کیل اور وزن کی شرط قبضہ کی تمامیت کیلئے نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع قول سے نہیں، بلکہ بائع، مشتری، یا ان میں سے کسی کے قبضہ سے ہوتی ہے (حاشیۃ الدر ۴/ ۱۹۳)۔

بیوع فاسدہ و باطلہ کے بعد بیع تعاطی:

بیع فاسدہ و باطل کے بعد اگر متعاقدین سے تسلیم و تسلم پایا جائے تو کیا یہ عقد بیع تعاطی بن کر درست ہو سکتا ہے؟

بیع فاسدہ و باطل کے بعد جب تک عقد اول کو فسخ نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ تو دوبارہ معاملہ ایجاب و قبول سے اور نہ ہی بیع تعاطی سے درست ہو سکتا ہے، بلکہ علی حالہ فاسدہ و باطل ہی رہے گا۔

التعاطی لا ینعقد بعد بیع باطل أو فاسد ما لم یفسخ العقد الأول (حاشیۃ البحر ۶/ ۲۹۷، ۲۸۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیع فاسدہ و باطل کے بعد جب تک عقد اول کو بالکل ختم نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ تو دوبارہ ایجاب و قبول سے اور نہ ہی بیع تعاطی معاملہ درست ہو سکتا ہے بلکہ عقد اول کو فسخ کرنا ضروری ہے پھر اگر فسخ کے بعد لین دین ہو جائے یا دوبارہ ایجاب و قبول ہو جائے تو معاملہ درست ہو سکتا ہے لہذا اگر فی الحال غیر مقدور التسلیم یا التسلم اشیاء کو خریدا تو جب تک قبضہ نہ کرے اس وقت تک اس کو فروخت کرنا جائز نہیں اور اگر فروخت کر دے گا تو بیع فاسد ہوگی اور بیع فاسدہ کے بعد اگر لین دین بھی ہوگا تو یہ بیع تعاطی نہیں بن سکتا بلکہ اس عقد کو ختم کرنا واجب رہے گا۔

نوٹ:

اگر وجہ فساد کو مجلس عقد ہی میں دور کر دیا جائے تو بیع تعاطی ہو کر معاملہ درست ہو جائے گا، والفرق أنه بعد المجلس تقرر الفساد من کل وجه فلا بد من المتارکة، أما في المجلس ولا یتقرر من کل وجه فتحصل المتارکة ضمناً فتأمل (شامی ۴/ ۲۰۲)۔

مثلاً "کہل قفیز بدرهم" والی صورت میں اگر صبرۂ طعام کو مجلس عقد ہی میں کیل و وزن کر دیا جائے تو معاملہ درست ہو جائے گا۔

في الدر: وإن علم عدد الغنم في المجلس لم ینقلب صحیحاً عنده علی الأصح ولو رضیا العقد بالتعاطي ونظیره البیع بالرقم سراج (درمختار ۴/ ۳۶)۔

عبارت مذکورہ میں " ولو رضیا العقد بالتعاطي " کو اگر "بعد المتارکة" یا "بعد عدہ" پر محمول کیا جائے تو درست ہو سکتی ہے، ورنہ یہ عبارت خود مصنف کی سابق ذکر کردہ عبارات کے خلاف ہے، جیسا کہ مضمون بالا میں نقل کیا گیا۔

قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کی اصل روح اور حقیقت مبیع کے بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہونا ہے اور حضرات فقہاء احناف نے انتقال ضمان کے سلسلہ میں اگر فی الحال متعذر التسلیم والتسلم ہو تو مشتری کو اطلاع دینے کے بعد تخلیہ کو عملاً انتقال ضمان کیلئے یعنی قبضہ کیلئے کافی مانا ہے، اور اگر مبیع فی الحال متعذر التسلیم والتسلم نہ ہو تو تخلیہ قبضہ نہیں ہوسکتا، خواہ مبیع منقولات کی قبیل سے ہو یا غیر منقولات کی قبیل سے، اگر فی الحال متعذر التسلیم والتسلم ہے تو مشتری کو اطلاع دینے کے بعد تخلیہ قبضہ سمجھا جائے گا، لیکن یہ بھی یاد رہے کہ قبضہ میں عرف کا بہت دخل ہے، جیسا کہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قبضہ کا مدار ہی عرف پر ہے، اگر عرف میں کوئی چیز ایسی رائج ہو کہ جس سے مبیع بائع کے ضمان وذمہ داری سے نکل کر مشتری کے ضمان وذمہ داری میں داخل ہو جائے تو اس کو بھی قبضہ سمجھا جائے گا، کیونکہ حضرات احناف کے نزدیک بھی عرف کا بہت اعتبار ہے۔

(۱) اشتری فی المثل حطباً فغصبه غاصب حال حمله إلی منزله فمن البائع لأن علیه التسلیم فی منزل الشاری بالعرف (ردالمحتار ۴/۴۳)۔

عرف اگر کسی نص کے مخالف نہیں ہے تو عرف خاص ہو یا عام دونوں معتبر ہے، لہٰذا اگر عرف میں کوئی چیز قبضہ کیلئے رائج ہو تو اس کے پائے جانے کے بعد قبضہ تسلیم کرلیا جائے گا، اور مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی۔

(۲) فی الدر: المذهب عدم اعتبار العرف الخاص لکن أفتی کثیر باعتباره وفی حاشیة: فأفاد أن عدم اعتباره بمعنی أنه إذا وجد النص بخلافه لا یصلح ناسخاً للنص ولا مقیداً له وإلا فقد اعتبروه فی مواضع کثیرة منها مسائل الإیمان وکل عاقد وواقف وحالف یحمل کلامه علی عرفه کما ذکره ابن همام عرف العام یصلح مقیداً (ردالمحتار ۱۴۰)وفیه عبارة الأشباه أقول: علی اعتباره أی اعتبار العرف الخاص ینبغی أن یفتی بأن ما یقع فی بعض أسواق القاهرة من خلو الحوانیت لازم (ردالمحتار ۱۵)۔

ایک بات یہ غور کرنے کی ہے کہ حضرات فقہاء نے تخلیہ وغیرہ کو قبضہ کیوں مانا ہے؟ اس میں کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات فقہاء کے تخلیہ وغیرہ کو قبضہ شمار کرنے کی دو وجہیں ہیں (۱) قدرت تصرف کامل (۲) انقطاع تعلق البائع من المبیع بحکم المشتری، حضرات فقہاء کے تخلیہ وغیرہ کو قبضہ شمار کرنے کی یہی دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں۔

(۱) أن التخلية تعتبر إقباضاً فی العرف والشرع أما فی العرف فلأنه لا یکون فی العقار إلا بها فنقال هذه الدار فی ید فلان فلا یفهم منه إلا التخلی وهو التمکن من التصرف (الفقه الاسلامی ۵/۴۰۰)۔

ادا کرے، بہر حال اگر ان کا کرایہ بائع نہیں ادا کر رہا ہے اور یہ کہنے کی صورت میں کہ ڈاک سے بھیجو، عرف میں ان کے کرایہ کی ادائیگی مبعوث الیہ کے ذمہ آتی ہے تو ڈاک وغیرہ مشتری کے وکیل ہوں گے، لہذا ان کے قبضہ میں مال پہونچنے کے بعد مشتری کا قبضہ متحقق ہو جائے گا، اور مبیع بائع کے ذمہ سے نکل جائے گی۔

حاصل یہ ہے کہ ڈاک ٹرانسپورٹ وغیرہ کا کرایہ اگر اپنی جیب سے نہیں ادا کرتا ہے بلکہ ان کے کرایہ کی ادائیگی مشتری کے ذمہ لازم ہوتی ہے تو یہ مشتری کے وکیل ہیں اور ان کا قبضہ مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا اور اگر ان کے کرایہ کی ادائیگی بائع کے ذمہ لازم آتی ہے اور وہ اپنی جیب سے ادا کر رہا ہے پہلے، یا بعد میں مشتری سے وہ کرایہ وصول نہیں کرتا ہے تو یہ بائع کے وکیل ہیں اور ان کا قبضہ بائع کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل نہ ہوگی، جو قبضہ کی حقیقت اور روح ہے۔

بیوع کے مروجہ مذکورہ چند طریقوں کا حکم:

بیع بالالفاظ اور بیع بالافعال قبضہ ٹرانسپورٹ وغیرہ کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد مذکورہ صورتوں کا حکم نکالنا آسان ہے اب مذکورہ صورتوں کے احکام لکھے جا رہے ہیں (۱۔۲۔۳۔۴۔۵) ان سب صورتوں کا تعلق مشتری کے بائع کو آرڈر دینے سے ہے اور آرڈر حقیقت میں صیغہ امر ہے اور وہ بھی حال کے معنی میں نہیں ہو سکتا، اس لئے یہ ایجاب لفظی نہ بنے گا اور جب بائع مبیع کو مشتری کے کہنے کے مطابق ڈاک ٹرانسپورٹ، ریلوے، اور ملازم وغیرہ کو دیدیتا ہے، اور دینے کے بعد بائع کے کرایہ نہ ادا کرنے کی صورت میں مبیع سے اس کا تعلق بالکل ختم ہو جاتا ہے اور یہ چیزیں بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے وکیل کے قبضہ میں آ جاتی ہیں، اور وکیل کا فعل مشتری کا شمار ہونے کی وجہ سے وہ اشیاء مشتری کے قبضہ میں داخل ہو جاتی ہیں اور جب بغیر ایجاب لفظی کے مشتری کے قبضہ میں مبیع آ گئی تو یہ بیع تعاطی ہی اور بیع تعاطی کا حکم بیع کا لزوم ہے، اور اشیاء کیلیہ، وزنیہ مشتری بالکیل والوزن میں بھی قبل الکیل والوزن مشتری کو تمام تصرفات کی اجازت ہے، لہذا صورت مذکورہ میں اگرچہ وہ اشیاء کیلی، وزنی ہوں، یا کیلی، وزنی نہ ہوں، جب آرڈر دینے والے کے پاس وہ پہونچ جاتی ہیں اور یہ ان پر قبضہ کر لیتا ہے تو پھر مشتری اول اور مشتری ثانی کے درمیان بیع تعاطی کے ذریعہ سے ایک نیا عقد ہو جاتا ہے، یہ ہونے والا عقد پہلے سے نہ تو باطل تھا نہ فاسد تھا، بلکہ اس کا وجود ہی نہ تھا، اس لئے جب مشتری اول مشتری ثانی کے درمیان بیع تعاطی ہوئی تو مشتری اول کو حاصل ہونے والا نفع حلال وطیب ہے، اور یہ بیع قبل القبض میں داخل نہیں، کیونکہ مشتری ثانی کے پاس مبیع مشتری اول کے وکیل یعنی ڈاک، ٹرانسپورٹ وغیرہ کے ذریعہ پہونچی ہے اور وکیل کا فعل موکل کا شمار ہونے کی وجہ سے حقیقت میں وہ مشتری اول کے قبضہ سے مشتری ثانی کے قبضہ میں گئی ہے، نیز اصل قبضہ اور حقیقت قبضہ ضمان میں داخل ہونا ہے، تو اگر مبیع مشتری اول کے ضمان میں آنے کے بعد وہ مشتری ثانی کے ضمان میں گئی ہے تو یہ بیع قبل القبض نہیں اور مشتری ثانی کا پہلے سے آرڈر دینا اور مشتری اول کا وعدہ کر لینا یہ بیع نہیں بنے گا، کیونکہ آرڈر امر ہے، اور امر ایجاب نہیں ہوتا ہے، اور مشتری اول کا وعدہ قبول نہیں ہوگا:

اما قول المشتری بعنی یکون مساومة وطلباً والطلب امر والایجاب امر آخر طلب الایجاب

لئے بائع کے تخلیہ اور اس کے مشتری کے حکم کی بناء پر مبیع سے انقطاعِ تعلق کے بعد قبضہ متحقق ہو جانے کی وجہ سے مشتری کیلئے ہر طرح کا تصرف جائز ہے، مگر یہ کہ مشتری ثانی کی بیع و شراء تخلیہ اور بائع کے انقطاعِ تعلق سے پہلے بیع قبل القبض ہونے کی بناء پر بیع فاسد ہوگی۔

نیز اگر حضرت امام مالکؒ کے مذہب کو اختیار کیا جائے تو ماکولات و مشروبات کے علاوہ بقیہ تمام چیزوں میں ان کے نزدیک بیع قبل القبض کے جائز ہونے کی وجہ سے سہولت و آسانی ہو جائے گی اور موجودہ دور میں ضرورت کے وقت حضرت امام مالکؒ کے مذہب کو اختیار کر کے لوگوں کو حرج و تنگی سے بچانا ضروری ہے "لا حرج فی الدین، یسرا ولا تعسرا" کا ارشاد ہے، اور فقہاء کا اصول ہے: "اذا ضاق الأمر اتسع، المشقة تجلب التیسیر" وغیرہ، اس لئے حضرت امام مالکؒ کے مذہب کو ضرورت کے وقت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

کمپنی وغیرہ سے شراء کے بعد قبضہ حسی سے پہلے بیع کا حکم:

کمپنی سے مال کی خریداری پھر اس کی بیع چار طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

(۱) مال خریدنے کے بعد اس کو نہ دیکھا، نہ اس پر قبضہ کیا، وہ مال کمپنی ہی کے پاس تھا صرف معاملہ کرنے کے بعد اس کو فروخت کر دیا۔

(۲) خریدنے کے بعد اس کو ٹرانسپورٹ وغیرہ کے حوالہ کرنے کے بعد اس کی بیع کیا اور ٹرانسپورٹ کی اجرت بائع کے ذمہ ہو۔

(۳) مال خرید کر کمپنی ہی میں مشتری نے خود یا اس کے وکیل نے اس کو الگ رکھوا دیا اور کمپنی نے اس کو پوری قدرت تصرف بھی دے دی، اور وہ مال مشتری کے ضمان میں داخل بھی ہو گیا کہ اگر ضائع ہوگا تو مشتری کا ضائع ہوگا۔

(۴) مال خریدنے کے بعد بائع ہی کو اس کی بیع کا وکیل بنا دیا۔

پہلی صورت کا حکم:

کمپنی سے مال خرید کر اپنے، یا وکیل وغیرہ کے قبضہ و ضمان میں آنے سے پہلے ہی کمپنی ہی سے اس کی بیع کر دیا تو یہ بیع فاسد ہوگی اگر اس سے ربح حاصل ہوگا تو "ربح مالم یضمن" ہوگا، اگرچہ بیع کے بعد مبیع مشتری اول کے ضمان میں آ جائے، کیونکہ جس وقت عقد کیا ہے اس وقت وہ مبیع غیر مقبوض تھی اور اس سے حاصل ہونے والا نفع اسی عقد کی جانب منسوب ہو کر "ربح مالم یضمن" ہوگا، کیونکہ ربح اسی عقد کا نتیجہ ہے، لہٰذا اگر اس صورت میں بیع کے تمام ارکان وغیرہ پائے گئے ہیں تو عقد بیع تعاطی بھی نہیں بن سکتا، عقد اول کے فاسد ہو جانے کی وجہ سے، لہٰذا اس ربح کا حضرات احناف کے مطابق تصدق واجب ہے، البتہ اگر ایجاب و قبول کیلئے صیغہ مستقبل استعمال کیا، مشتری نے کمپنی سے کہا بھیجو، اور کمپنی نے کہا بھیج دیا جائے گا، تو ایجاب و قبول نہ ہونے کی وجہ سے اگر مبیع یا ثمن پر بعد میں قبضہ ہو جائے تو یہ بیع تعاطی بن جائے گی۔

دوسری صورت کا حکم:

ٹرانسپورٹ وغیرہ کو حوالہ کرنے کے بعد اگر اس کی بیع کیا اور اس کی اجرت بائع نے نہ ادا کیا ہو تو وہ مال مشتری کا مقبوض سمجھا جائے گا، اور اس کی بیع درست ہے اور اس سے حاصل شدہ نفع "ربح مالم یضمن" نہ ہوگا، لیکن مشتری ثانی کیلئے کسی تیسرے کے ہاتھ فروخت کرنا مال کے وصول ہونے سے پہلے جائز نہیں کیونکہ جب تک وہ مال ٹرانسپورٹ وغیرہ کے قبضہ میں ہے اس وقت تک وہ مقدور التسلیم نہیں، اس لئے مشتری کا قبضہ اس پر نہیں ہوسکتا، لہذا اس کا بیع کرنا بیع قبل القبض ہوگا جو بیع فاسد ہے۔

(۳) مال خرید کر مشتری، یا اس کا وکیل کمپنی کے کسی کمرے، گودام وغیرہ میں رکھدے اور مشتری کو پوری قدرت تصرف ہو تو وہ مال کا مشتری مقبوض سمجھا جائے گا اور اس کی بیع جائز ہے، البتہ مشتری ثانی کیلئے وصول ہونے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں۔

(۴) بائع ہی کے پاس مال خرید کر چھوڑ دیا اور قبضہ سے پہلے بائع کو فروخت کرنے کا وکیل بنا دیا تو اس کی تین صورتیں نکلتی ہیں، اگر دیکھنے سے پہلے ہی بائع سے کہا کہ اس کو فروخت کردو تو بائع مشتری کے درمیان ہونے والے عقد کو فسخ سمجھا جائے گا، بائع نے اس کو قبول کیا ہو یا نہ قبول کیا ہو، اور اگر مشتری نے بائع سے کہا کہ اس کو میرے لئے فروخت کردو تو اس صورت میں اگر بائع قبول کرلے تو عقد فسخ سمجھا جائے گا، اور اگر بائع راضی نہ ہو تو فسخ نہ ہوگا، اور اگر قبضہ اور دیکھنے کے بعد اس سے کہا کہ اس کو فروخت کردو یا میرے لئے فروخت کردو تو یہ بیع کی وکالت ہوگی اور چونکہ قبضہ کے بعد بیع کا وکیل بنایا ہے اس لئے بیع قبل القبض بھی نہ ہوگی۔

ولو اشترى ثوباً أو حنطة فقال للبائع ، قال الإمام الفضلي إن كان قبل القبض والرؤية كان فسخاً وإن لم يقبل البائع نعم لأن المشتري ينفرد بالفسخ في خيار الرؤية وإن قال بعه لي اى كن وكيلاً في الفسخ فما لم يقبل البائع لا يكون فسخاً وكذا لو بعد القبض والرؤية لكن يكون وكيلاً بالبيع سواء قال بعه او بعه لي هكذا كله ملخص مما في البحر (شامی ۴/۴۳)۔

تفصیل مذکور حضرات احناف کے مذہب کے مطابق کی گئی، البتہ حضرت امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مسلک اختیار کرنے میں سہولت و آسانی ہے، ان کے نزدیک صرف مطعومات میں بیع قبل القبض ناجائز ہے، اس کے علاوہ میں جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

مولانا شمس پیرزادہ، ممبئی

۱۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت شرعی اعتبار سے:

ترمذی کی حدیث ہے، حکیم بن حزام کہتے ہیں:

سألت رسول الله ﷺ فقلت يأتيني الرجل فيسألني من البيع ما ليس عندي، أبتاع له من السوق ثم أبيعه قال: لا تبع ما ليس عندك (ترمذی أبواب البيوع)۔

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے پاس کوئی شخص آتا ہے اور ایسی چیز کا سودا طلب کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی، کیا میں اس کے لئے بازار سے خریدوں اور پھر اس کو فروخت کروں؟ فرمایا: جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے وہ نہ بیچو۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قبضہ سے پہلے مال فروخت کرنا جائز نہیں۔ فقہاء بھی عام طور سے اس کو جائز نہیں قرار دیتے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

ومنها القبض في بيع المشتري المنقول فلا يصح بيعه قبل القبض (بدائع الصنائع ۵ / ۱۸۰)۔

اور منقول مال کی بیع میں قبضہ ضروری ہے، قبضہ سے پہلے اس کی بیع صحیح نہیں۔

اور فقہ السنہ میں ہے:

أما التصرف بالبيع قبل القبض فإنه لا يجوز، إذ يحتمل أن يكون هلك عند البائع الأول فيكون بيع غرر، و بيع الغرر غير صحيح سواء أكان عقاراً أم منقولاً و سواء أكان مقدراً أم جزافاً (فقہ السنہ للسید سابق ۳ / ۹۱)۔

قبضہ سے پہلے بیع میں تصرف جائز نہیں، کیونکہ اس میں بائع اول کے پاس مال کے ہلاک ہونے کا احتمال ہے اور ایسی صورت میں یہ بیع غرر ہوگی اور بیع غرر صحیح نہیں، خواہ وہ غیر منقول کی بیع ہو یا منقول چیزوں کی اور خواہ اس کی مقدار معلوم ہو یا تخمینہ سے ہو۔

بعض فقہاء نے منقول اور غیر منقول میں تفریق کی ہے، اور غیر منقول کی فروخت قبضہ سے پہلے جائز قرار دی ہے:

وأما بيع المشتري العقار قبل القبض فجائز عند أبي حنيفة و أبي يوسف استحسانا (

حکم کے خلاف ہو۔

جدہ کی منظمۃ المؤتمر الاسلامی کی مجلس مجمع الفقہ الاسلامی منعقدہ مارچ ۱۹۹۰ء نے قبضہ کے سلسلہ میں تی صورت حال کے پیش نظر جو قرارداد منظور کی ہے اس میں کہا ہے کہ:

قبض الأموال كما يكون حسيا في حالة الأخذ باليد أو الكيل أو الوزن في الطعام، أو النقل و التحويل إلى حوزة القابض، يتحقق اعتبارا و حكما بالتخلية مع التمكن من التصرف ولو لم يوجد القبض حسا و تختلف كيفية قبض الأشياء بحسب حالها واختلاف الأعراف فيما يكون قبضا لها.

مال کا قبضہ جس طرح حسی ہوتا ہے غذائی اشیاء میں ہاتھ سے لینے یا ناپ کر یا تول کر لینے میں یا نقل وتحویل کے ذریعہ قابض کے اختیار میں آجانے سے، اسی طرح تصرف کے اختیار کے ساتھ تخلیہ کر دینے سے اعتبارا وحکما متحقق ہوتا ہے اگرچہ حسی قبضہ نہ پایا جاتا ہو، اور اشیاء کے قبضہ کی کیفیت مختلف ہوتی ہے ان کے حال کی مناسبت سے قبضہ کے تعلق سے عرف کے مختلف ہونے کی بناء پر۔

۳۔ اشیاء منقول اور غیر منقول میں قبضہ کی نوعیت:

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک غیر منقول کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے، بدائع میں ہے:

بيع المشتري العقار قبل القبض فجائز عند أبي حنيفة و أبي يوسف استحسانا.

خرید شدہ غیر منقول امور کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک استحسانا۔

اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب بدائع لکھتے ہیں:

ولأن الأصل في ركن البيع إذا صدر من الأصل في المحل هو الصحة والامتناع لعارض غرر انفساخ العقد بهلاك المعقود عليه و لا يتوهم هلاك العقار فلا يتقرر الغرر فبقي بيعه على حكم الأصل (بدائع الصنائع ۱۸۱/۵)۔

یہ اسلئے کہ بیع کے رکن کی اصل صحت ہے جب کہ وہ اہل بیع سے صحیح مقام پر صادر ہو، اور ممانعت اس بنا پر ہے کہ مال کے تلف ہو جانے سے عقد کے فسخ ہو جانے کا غرر (خطرہ) ہے لیکن غیر منقول اشیاء کے تلف ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہوتا اس لئے اس میں غرر (خطرہ) نہیں ہے لہذا ان کی بیع اصل حکم پر برقرار ہے۔

اور مالکیہ کے مسلک میں بہت وسعت ہے:

يصح للمشتري أن يتصرف في المبيع قبل قبضه بالبيع سواء كان المبيع أعيانا منقولة أو أعيانا ثابتة كالأرض و النخيل و نحوهما إلا الطعام كالقمح و الفاكهة فإنه لا يصح بيعه قبل قبضه (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ۲۳۵/۲)۔

خریدنے والے کیلئے جائز ہے کہ وہ قبضہ سے پہلے خریدے ہوئے مال میں تصرف کرے خواہ مال منقولہ اشیاء میں سے ہو یا غیر منقولہ ہو جیسے زمین اور کھجور کے درخت وغیرہ، بجز غذائی اشیاء کے مثلاً گیہوں اور پھل، کہ ایسی چیزوں کی بیع قبضہ سے پہلے صحیح نہیں۔

اور اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں:

لأنها بمجرد العقد تكون في ضمان المشتري فهي في حكم المقبوضة (حوالہ مذکور)۔

کیونکہ مجرد عقد سے یہ چیز خریدار کی ضمانت میں آجاتی ہے اس لئے وہ قابض شدہ کے حکم میں ہے۔

راقم سطور کی رائے میں موجودہ زمانہ کے کاروباری عرف کو سامنے رکھتے اور قبضہ کے تصور میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلة ہیں اور ان کی علت غرر (خطرہ) ہے، اور خاص طور سے یہ بات کہ خریدار جب مال کا ضامن نہیں ہے تو اس پر نفع کمانے کا اس کو کیا حق ہے، چنانچہ ترمذی کی حدیث میں ہے

ولا ربح ما لم يضمن (ترمذي أبواب البيوع)

جس مال کی ضمانت نہیں لی گئی اس پر نفع حاصل کرنا درست نہیں۔

لیکن اگر موجودہ تجارتی سسٹم میں خریدار مال کا قبضہ سے پہلے ضامن ہوتا ہے اور غرر کا اندیشہ نہ ہونے کے برابر رہتا ہے اور ضرورت بھی اس طرح کے معاملہ کی متقاضی ہے تو قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام ہے یا اس میں کچھ استثناءات ہیں:

اس کا جواب اوپر گذر چکا، مزید یہ کہ فقہ السنۃ میں ہے

ويستثنى من هذه القاعدة جواز بيع أحد النقدين بالآخر قبل القبض فقد سأل ابن عمر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الإبل بالدنانير و أخذ الدراهم بدلا منها فأذن له (فقه السنة للسيد سابق ۳/۹۸)۔

اس قاعدہ سے مستثنیٰ ایک نقدی کی دوسری نقدی کے ساتھ قبضہ سے پہلے بیع ہے، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے رسول اللہؐ سے پوچھا اونٹ کو دینار کے عوض بیچنے سے اور ان کے بدل کے طور پر درہم لینے سے متعلق، تو آپ نے ان کو اس کی اجازت دی۔ معلوم ہوا کہ کچھ مستثنیٰ صورتیں بھی ہیں۔

۶۔ مال قبضہ میں آنے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا جبکہ بائع اس کا ضامن ہو:

ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے لیکن فیکٹری سے خریدا

ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کر دیتا ہے اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار نمبر (۲) پر بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر (۱)) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں اگرچہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر حسی قبضہ نہیں ہوا لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے سے پہلے اس کی ضمان میں رہا، اسلئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ربح مالم یضمن (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) حاصل کیا بلکہ اس نے مال مضمون پر نفع حاصل کیا ہے، لہذا ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

جب ملکیت ہی کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا مادی ہونا ضروری نہیں تو قبضہ کا مادی یا حسی ہونا کیوں ضروری ہو، مصطفیٰ احمد الزرقاء ملکیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وبذلک يتبين ان الملكية ليست ماديا ، وانما هي حق من الحقوق والحق نوع من الاعتبار الشرعي (المدخل الفقهي العام ۱/۲۳۲)۔

اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ ملکیت کوئی مادی چیز نہیں ہے بلکہ حقوق میں سے ایک حق ہے، اور حق ایک ایسی نوع ہے جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے۔

۷۔ مشتری کا جہاز پر چڑھ جائے ہوئے مال کو وصول کرنے سے پہلے فروخت کرنا:

بین الاقوامی تجارت میں جہاز پر مال چڑھ جانے کے بعد اصل بائع کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا، ایسی صورت میں مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے تو یہ صورت شرعاً جائز نہیں قرار دی جا سکتی، کیونکہ رائج طریقہ کے مطابق مشتری کی ہدایت کے مطابق بائع مال جہاز کے ذریعہ بھیجتا ہے لہذا اس کی ذمہ داری جہاز پر مال چڑھ جانے کے بعد ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح مشتری دوسرے خریدار کو یہ مال وصول کرنے سے پہلے فروخت کرتا ہے تو یہ بات معہود (Understood) ہوتی ہے کہ یہ دوسرا خریدار جہاز پر چڑھ جائے ہوئے مال کی ذمہ داری کو قبول کرتا ہے اسلئے اول الذکر مشتری ضمانت سے بری ہے۔

خلاصہ یہ کہ مال کی ترسیل کے سلسلہ میں مشتری کی ہدایت کے مطابق مال جہاز وغیرہ کی تحویل میں دینے سے بائع اپنی ذمہ داری سے بری ہو جاتا ہے، اس کے بعد اگر مال تلف ہو جاتا ہے تو بائع پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، البتہ مال کی تلافی کی صورت میں معاوضہ کیلئے قانون نے انشورنس کا طریقہ رائج کیا ہے، اور یہ اسی طرح جائز ہے جس طرح پوسٹل انشورنس۔

☆☆☆☆☆

في رواية أبان إذا إشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه (السنن الکبریٰ ۵/۳۱۳)۔

اس مضمون کی ایک روایت عبداللہ بن عمرو ابن العاص سے بھی منقول ہے:

ان رسول الله ﷺ قال لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح ما لم يضمن ولا بيع ما ليس عندك (أخرجه الترمذي في باب كراهية بيع ما ليس عندك وقال هذا حديث حسن صحيح، بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰)۔

ان روایات میں سے کسی بھی روایت میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کیلئے کوئی قید ذکر نہیں کی گئی ہے، اس لئے یہ ممانعت تمام چیزوں کیلئے یکساں رہے گی۔

(۲) دوسری دلیل اس رائے کے حاملین نے یہ دی ہے کہ تمام منقول چیزوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے (البحر الرائق ۶/۱۱۶)

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ کسی بھی عقد کی صحت کیلئے مقدور التسلیم ہونا شرط ہے اور یہ بغیر قبضہ کے ممکن نہیں، بغیر قبضہ کے مال انسان کی مکمل ملکیت میں نہیں آتا اور جس پر مکمل ملکیت نہ ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

(۴) اس کے علاوہ اس میں سامان کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، جس سے مشتری ثانی کو غرر ہو سکتا ہے (بدائع الصنائع ۵/۱۸۱، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

مذہب ثانی: دوسرا مذہب امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا ہے، ان حضرات کے نزدیک اصولی طور پر قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے، مگر اس عموم سے صرف ایک صورت کا استثناء ہے وہ یہ کہ طعام کی بیع اگر کیل یا وزن یا گنتی کے ساتھ کی جائے تو اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں، طعام کے علاوہ تمام چیزوں کی بیع قبضہ سے قبل درست ہے، اور اگر طعام کو بھی کیل یا وزن یا گنتی کے بجائے اندازہ سے بیچا جائے تو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ محض عقد ہی سے مشتری کے ضمان میں آجاتا ہے، اس لئے کہ یہ مقبوض کے درجہ میں ہے، قبل القبض بیع ہی نہیں۔

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت والی متعدد روایات میں طعام کی قید مذکور ہے، بعض میں "یکتالہ" کی قید کا بھی ذکر ہے، اگر یہ حکم عام ہوتا تو ان قیدوں کا فائدہ کیا تھا (مبسوط ۱۳/۸)۔

وہ روایات یہ ہیں:

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه وعن عبد الله ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه ويقبضه (مسلم شریف ۵/۲)۔

حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کھانے کی چیز خریدے تو اس کو فروخت نہ کرے، جب تک کہ قبضہ نہ کرے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ "حتی یکتالہ" یہاں تک کہ اسے کیل سے ناپ نہ لے۔

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يكتاله (مسلم شریف ۲/۵)۔

اس طرح امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے طعام اور کیل کی قید کو احترازی قرار دیا، جبکہ دوسرے علماء نے ان کو قید اتفاقی قرار دیا ہے (بلوغ الامانی ۱/۲۶)۔

مذہب ثالث: حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف جو منقولات میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی اجازت نہیں دیتے، اور غیر منقولات میں دیتے ہیں بشرطیکہ ضیاع کا اندیشہ نہ ہو۔

(۱) ان کے سامنے بھی وہی احادیث ہیں جن میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت آئی ہے، مگر یہ غیر منقول کا استثناء کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ ممانعت ایک علت کی بناء پر آئی ہے، اور وہ علت ہے غرر کا امکان، مشتری اگر مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے کسی کے ہاتھ فروخت کردے اور کسی وجہ سے ہلاک ہوجائے تو یہ بیع نافذ نہیں ہوسکے گی، اس طرح مشتری ثانی کو دھوکہ ہوجائے گا، اور یہ علت مستفاد ہوتی ہے اس حدیث سے جس میں حضورؐ نے بیع غرر اور بیع غیر مقدور التسلیم سے منع فرمایا (ترمذی شریف ۱۱۳، الفتح الربانی ۳۵/۱۵)۔

اور جب یہ ممانعت کسی خاص سبب سے ہے تو جس صورت میں یہ سبب نہیں پایا جائے گا ممانعت باقی نہیں رہے گی، غیر منقول چیزیں، مثلاً زمین، مکان وغیرہ کے ضیاع کا اندیشہ عموماً نہیں ہوتا، اسلئے ان چیزوں کی بیع قبضہ سے قبل بھی درست ہوگی (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۷، مبسوط سرخسی ۸/۱۳)۔

(۲) ایک بات اور ان کی طرف سے کہی جاتی ہے، وہ یہ کہ جب کوئی معاملہ دو عاقل، بالغ مسلمان کے درمیان طے پائے، اور جس چیز پر معاملہ کیا گیا ہے وہ اس کے لائق بھی ہو تو یہ معاملہ اصولاً جائز ہونا چاہئے، ایک مبیع جو معدوم نہیں موجود ہے، اس پر بائع کی ملکیت بھی ہے، صرف قبضہ نہیں ہے، یہ محل بیع بن سکتا ہے، اور جب یہ عقد دو اہل کے درمیان طے پائے تو اس کو درست ہونا چاہئے، یہ شریعت کے اصول کلی کے تحت سمجھ میں آتا ہے، اور قرآن نے جو "**احل الله البيع**" کہہ کر بیع کی اجازت دی ہے اس کے عموم میں ہر طرح کی بیع آجاتی ہے، اب اگر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت والی شکل کو احادیث کی بناء پر ہم خاص کرلیں تو خبر واحد سے کتاب اللہ کے عموم میں تخصیص کرنا لازم آتا ہے، جو اصول کے مطابق درست نہیں، اس بناء پر ہم اخبار آحاد کی بناء پر قرآن پاک کے عموم اور شریعت کے اصول کلی کو ترک نہیں کرسکتے، زیادہ سے زیادہ حدیث پر عمل کرنے کیلئے ہم یہ کرسکتے ہیں کہ ان تمام احادیث کو جن میں بیع قبل القبض کی ممانعت آئی ہے ان کو اشیاء منقولہ پر محمول کرلیں، تاکہ کتاب اللہ اور احادیث کے درمیان تطبیق ہوجائے اور کسی کا ترک لازم نہ آئے۔

اور منقول کو کتاب اللہ کے عموم سے ہم خارج اسلئے کرتے ہیں کہ یہ بھی شریعت کے ایک اصول کلی سے ثابت ہے، وہ یہ کہ "بیع غرر" اور "ربح مالم یضمن" درست نہیں، اور یہ دونوں خرابیاں منقول کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں لازم آتی ہیں، رہا غیر منقول تو اس میں عموماً ہلاکت کا اندیشہ ہی نہیں کہ دھوکہ ہو، یا ضمان میں لینے کی

ضرورت پیش آئے (فتح القدیر ۵/۲۶۹، البحر الرائق ۶/۱۱۹، بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

بیع قبل القبض کی ممانعت والی روایت معلول بالعلۃ:

اس پوری تفصیلی گفتگو سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کے نزدیک مطلق جائز نہیں ہے، بعض فقہاء نے تو مطلقاً ناجائز قرار دیا اور بعض نے بعض صورتوں کا استثناء کر کے اس کو جائز قرار دیا، اس طرح ایک طرف فقہاء کا عمومی رجحان کم از کم منقول چیزوں میں عدم جواز کا معلوم ہوتا ہے تو دوسری طرف یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بعض صورتوں کا جن لوگوں نے استثناء کیا ہے ان کے ذہن میں ممانعت کی کوئی علت ہے، جس کے نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں نے جواز کا حکم لگایا۔

مثلاً جمہور احناف نے اعیان غیر منقولہ کو قبضہ سے قبل بیچنے کی اجازت دی ہے، اور اس کو ممانعت والے حکم کے عموم سے خارج کر دیا ہے، ان کے ذہن میں اس ممانعتی حکم کی بنیادی علت اندیشہ غرر ہے جو منقول میں پایا جاتا ہے، غیر منقول میں نہیں (فتح القدیر ۵/۲۶۶)۔

اسی طرح شافعیہ اور امام محمد نے جو عمومی ممانعت کی دلیلیں دی ہیں، ان میں بھی بنیادی اہمیت روایات کے بعد اسی اندیشہ غرر اور غیر مقدور التسلیم ہونے والی بات کو حاصل ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۳۵)۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کے دلائل:

ان مخصوص صورتوں کے علاوہ عام حالات میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو جمہور فقہاء جائز نہیں قرار دیتے، اگر مختلف ائمہ کے یہاں پھیلی ہوئی بحثوں کو اس جمہوری نقطۂ نظر کیلئے سمیٹا جائے تو تمام مباحث اور دلائل کا نچوڑ یہ نکلے گا:

کہ خریدے ہوئے سامان کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا یا اس قسم کا کوئی اور تصرف کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ مشتری کوئی ایسا تصرف کرے جو قبضہ کے مترادف سمجھا جائے، مثلاً کسی کو ہبہ کر دے، یا صدقہ کر دے، یا کسی تیسرے شخص کے پاس رہن رکھ دے، یا بطور قرض دیدے وغیرہ، تو اس قسم کے تصرفات مشتری کی جانب سے درست ہوں گے اس معنی میں کہ مشتری اس مبیع پر قبضہ حاصل کر رہا ہے یا کر چکا ہے (شامی ۴/۱۸۱، مبسوط سرخسی ۱۳/۸)۔

(۱) اور اس کیلئے دلیل ایک طرف وہ روایات ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ نے قبضہ کرنے سے پہلے خریدے ہوئے سامان کو بیچنے سے منع فرمایا ہے، روایات ماقبل میں گذر چکی ہیں (مشکوۃ ۲۴۸، مسلم شریف باب بطلان بیع المبیع ۲/۵)۔

دوسرے عقلی دلائل ہیں، جو دراصل وجوہ وعلل کا درجہ رکھتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

(۲) قبضہ کے بغیر کسی چیز پر ملکیت تام نہیں ہوتی اور جب تک مکمل ملکیت حاصل نہ ہو اس وقت تک اس کو فروخت کرنا صحیح نہیں، اور قبضہ میں بھی قبضہ ضمان ضروری ہے، قبضہ امانت کافی نہیں (الاشباہ والنظائر ۲/۲۷۵)۔

(۳) قبضہ سے قبل تصرف اس لئے بھی جائز نہیں کہ وہ مقدور التسلیم نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اب تک بائع کے

قبضہ میں ہے اور اس حالت میں اس کو کسی کے ہاتھ بیچنا در اصل بائع کے حق میں تصرف کرنا ہے جو درست نہیں (مبسوط سرخسی ۱۳/۸)۔

(۴) جس چیز پر مشتری کا قبضہ نہ ہوا ہو اس کو فروخت کرنے میں اندیشۂ غرر ہے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ سامان مشتری ثانی کو حوالہ کرنے سے قبل مشتری کی کسی وجہ سے ضائع ہو جائے، جبکہ حضور ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے (بدائع الصنائع ۱۸۵/۵، البحر الرائق ۱۱۶/۶)۔

(۵) جس سامان پر انسان کا قبضہ نہ ہو وہ محل تملیک نہیں بن سکتا، اور وہ انسان کے ضمان میں نہیں آتا، اور حضورؐ نے ایسی چیز کے بیچنے سے منع فرمایا ہے جو انسان کے ضمان میں نہ ہو یا جو محل تملیک نہ بن سکتا ہو۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بیع فاسد ہے:

یہاں ایک اہم ترین بحث یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک عام حالات میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت نا جائز ہے، لیکن اگر کوئی شخص قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کرلے تو اس کو بیع ممنوع کی تین قسموں (بیع باطل، بیع فاسد، بیع مکروہ (درمختار ۱۱۱/۴)) میں سے کس قسم میں داخل کیا جائے؟

اس کا جواب فقہاء کی تصریحات اور اصولی نکتوں کے مطابق یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت فاسد کے ذیل میں آتی ہے، اسلئے کہ بیع باطل کی تعریف یہی کی گئی ہے کہ جو اپنے اصل اور وصف دونوں لحاظ سے جائز نہ ہو اور بیع فاسد کی تعریف کی گئی ہے کہ جو اپنے اصل کے اعتبار سے جائز ہو مگر وصف کے اعتبار سے جائز نہ ہو اور بیع مکروہ کہتے ہیں: جو اپنے اصل اور وصف دونوں لحاظ سے درست ہو، مگر کسی خارجی نقص کی بنا پر اس میں کراہت آگئی ہو، جیسے جمعہ کی اذان کے وقت بیع وشراء کرنا (شامی ۱۱۱/۴)۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اپنے اصل کے لحاظ سے جائز ہے، کیونکہ یہ معاملہ ایک قابل بیع چیز پر دو عاقل بالغ مسلمانوں کے درمیان طے ہوا ہے، اور "مبادلۃ المال بالمال" کی حقیقت بھی پائی جاتی ہے، اور رکن بیع ایجاب وقبول بھی درست ہے، اسلئے اس کو اصل کے لحاظ سے غلط نہیں کہہ سکتے، البتہ غیر مقبوض، یا غیر مقدور التسلیم، یا اندیشۂ غرر ہونا یہ وصف کا نقصان ہے جس کی بنا پر اس کو بیع فاسد قرار دے سکتے ہیں، جیسا کہ بعض فقہاء کے یہاں اس کی تصریح بھی ملتی ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲۳۳/۲)۔

بعض کتابوں (مثلاً الجوہرۃ) میں اس کو بیع باطل کہہ دیا گیا تو شامی نے اس کی وضاحت کی کہ یہ اطلاق عام معنی میں ہے اصطلاحی معنی میں نہیں ہے (شامی ۱۸۲/۴، وکذا فی الطحطاوی علی الدر المختار)۔

قبضہ کی حقیقت:

اس موضوع کی ایک خصوصی بحث قبضہ کی حقیقت وماہیت سے متعلق ہے۔

فقہاء نے قبضہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ قبضہ حقیقی، ۲۔ قبضہ حکمی۔

قبضہ حقیقی اس قبضہ کو کہیں گے جس میں شیٔ انسان کے واقعی تصرف میں آجائے، مثلاً کتاب خریدی تو اپنے ہاتھ میں لے لے، کوئی موٹر خریدی تو اس پر سوار ہو جائے، جانور خریدا تو اس کی باگ ڈور پکڑ لے وغیرہ۔

اور قبضہ حکمی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کیلئے سامان اس پوزیشن میں ہو جائے کہ وہ چاہے تو اسے بآسانی اپنے تصرف میں لا سکتا ہو اور استعمال کر سکتا ہو، مثلاً کسی نے کپڑا خریدا اور بائع نے اس کے سامنے کپڑا اتنی دور پر رکھ دیا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کو بے تکلف لے سکتا ہے تو یہ قبضہ حکمی ہے (قواعد الفقہ ۴۲۲، فتاوی الفقرویہ ۲۵۴/۱، بدائع ۲۴۷/۵)۔

قبضہ حکمی کی مختلف شکلیں کتب فقہ میں ملتی ہیں، فقہاء نے متعدد امثال و علامات ذکر کئے ہیں، جن کے پیش نظر ہر کسی چیز پر قبضہ حکمی کا حکم لگا سکتے ہیں، ویسے انہی صورتوں میں انحصار نہیں ہے، کسی فقیہ نے یہ دعوی نہیں کیا کہ قبضہ حکمی کی یہی چند شکلیں ہیں جو اس نے ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ کوئی اور شکل نہیں ہو سکتی، بلکہ فقہاء نے جو کچھ لکھا اپنے استقراء اور تتبع کے لحاظ سے لکھا، اور آخر میں یہ قاعدہ کلیہ لکھ دیا کہ:

لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع (شامی ۴۷/۴)۔

قبضہ کی کوئی ایک صورت و نوعیت متعین نہیں ہے، بلکہ وہ مبیع کی حالت و کیفیت کے لحاظ سے تبدیل ہوتی رہتی ہے، شامی نے اس کو مثالوں سے واضح کیا ہے، مثلاً کمرے میں اناج رکھا ہوا ہو تو اس پر قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب کہ اس کمرے کی چابی مشتری کو مل جائے اور وہ اسے بے تکلف کھول سکے، کسی مکان کی فروخت میں مکان پر قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب کہ اس کے بند کرنے پر مشتری قادر ہو جائے۔

چراگاہ کے جانور پر قبضہ اس وقت متصور ہوگا جب کہ وہ نگاہ کے سامنے ہو اور اس کی طرف اشارہ کیا جا سکے، کسی مکان میں بند گھوڑے اور پرندے پر قبضہ اس وقت ہوگا جبکہ مشتری بغیر کسی کی مدد کے ان کو پکڑ سکے وغیرہ (شامی ۴۸/۴)۔

یہ مثالیں سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ قبضہ کی کوئی ایک صورت متعین نہیں ہے، بلکہ مبیع کے حال کے لحاظ سے وہ تبدیل ہوتی رہتی ہے، اس کے باوجود فقہاء نے چند علامتی افعال و احوال کا ذکر کیا ہے جن سے قبضہ حکمی کا بڑی حد تک احاطہ ہو جاتا ہے، علامہ کاسانی نے تو مستقل باب ہی قائم کیا ہے "بیان ما یصیر بہ المشتری قابضا للمبیع من التصرفات وما لا یصیر بہ قابضا"۔

ان افعال و احوال کا ہمارے سامنے رہنا ضروری ہے، تاکہ ان کی روشنی میں آج کے حالات و ظروف میں کسی چیز کے قبضہ کے بارے میں ہم فیصلہ کر سکیں، وہ افعال و احوال درج ذیل ہیں:

(۱) تخلیہ کو فقہاء نے قبضہ حکمی قرار دیا ہے، تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ ہونے کے بعد مبیع کو بائع مشتری کیلئے چھوڑ دے تو یہ قبضہ متصور ہوگا، بشرطیکہ تین باتیں پائی جائیں:

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ بائع کہہ دے کہ یہ سامان میں نے تمہارے لئے چھوڑ دیا، اور مشتری کہے کہ میں نے قبضہ کر لیا۔

(۵) اگر مبیع مشتری کے ضمان میں آجائے اور قانونی طور پر وہ اس کی ضمانت قبول کرے تو اگرچہ کہ حسّاً اس کا قبضہ اس پر نہ ہو مگر حکماً اس کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اگر حسّاً قبضہ ہو مگر قبضہ ضمان نہ ہو بلکہ مثال کے طور پر قبضہ امانت ہو تو حسّی قبضے کے باوجود وہ قابض نہیں سمجھا جائے گا (فتح القدیر ۵/۲۶۲، الاشباہ والنظائر ۲/۷۸)۔

شئ منقول اور غیر منقول میں قبضہ کی نوعیت جدا جدا:

اس تفصیل سے ایک طرف قبضہ کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ایک نہیں ہوگی، بلکہ خود تمام اشیاء غیر منقولہ میں بھی قبضہ کی نوعیت ایک نہیں ہوگی، مکان اور زمین دونوں اشیاء غیر منقولہ میں سے ہیں، مگر کتب فقہ میں دونوں کے قبضہ کی نوعیت الگ بتائی گئی ہے، زمین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی نے جنگل میں کوئی زمین فروخت کی اور وہ زمین اس کے حوالہ کر دی تو یہ قبضہ اس وقت مکمل ہوگا جبکہ متعاقد سے وہ زمین قریب ہو جس کو وہ دیکھ اور سمجھ سکتا ہو ورنہ قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا (الاشباہ والنظائر ۲/۷۸)۔

اور مکان کے بارے میں فقہی جزئیہ ملتا ہے کہ مکان پر قبضہ اس وقت سمجھا جائے گا جب کہ اس کی چابی اس کے حوالے کردے اور مشتری اس مکان کو بند کرنے پر قادر ہو جائے ورنہ قبضہ نہیں ہوگا (عالمگیری ۳/۱۷)۔

تو جب خود اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق ہے تو اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ کے درمیان قبضہ کی نوعیت میں فرق واقع ہونا یقینی ہے، اور اس کیلئے صرف ایک مثال عرض کرتا ہوں تخلیہ کی شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ مبیع مشتری کے سامنے موجود ہو، یہ اشیاء منقولہ کیلئے ہے، اشیاء غیر منقولہ میں سامنے کے بجائے قریب ہونا کافی ہے (شامی ۴/۲۷)۔

قبضہ ضمان کی ایک شکل:

ان اصولی گفتگو کی روشنی میں اس صورت مسئلہ کا جواب بآسانی دیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال بجائے اپنے قبضہ میں لینے کے براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کو روانہ کر دیتا ہے اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر (۱)) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں اگرچہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر حسی قبضہ نہیں ہوا لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے سے پہلے اس کے ضمان میں رہا، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے "ربح ما لم یضمن" (کسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضمان نہ لیا ہو) حاصل کیا، بلکہ اس نے مال مضمون پر نفع حاصل کیا ہے جو قبضہ حکمی کے درجہ میں ہے، اس لئے یہ صورت معاملہ جائز معلوم ہوتی ہے۔

ایک ناجائز شکل:

البتہ وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت شپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ

فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے، یہ صورت معاملہ شرعاً ناجائز ہے۔

(۱) ایک تو "ربح مالم یضمن" کی وجہ سے (۲) دوسرے اقتصادی بحران پیدا ہونے کے خطرہ کی وجہ سے اس لئے کہ ایک چیز کی جو قیمت جہاز پر چڑھاتے وقت تھی، اس کی دس گنی قیمت جہاز سے اترتے وقت تک ہو جاتی ہے (تکملہ فتح الملہم ۱ر ۳۵۳)۔

خلاصہ جوابات:

اب سوالات کی ترتیب پر خلاصہ جوابات ملاحظہ ہو۔

(۱) شرع اسلامی کی رو سے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں اور یہ بیع فاسد میں داخل ہے۔

(۲) اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو کسی چیز پر واقعی تصرف حاصل ہو جائے، یا قدرت علی التصرف حاصل ہو جائے، اس کیلئے کتاب وسنت نے کوئی خاص صورت متعین نہیں کی ہے، بلکہ اسے لوگوں کے عرف و عادات پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا۔

(۳) اشیاء منقول اور غیر منقول میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق واقع ہوگا، جو اشیاء کے حسب حال عرف کے مطابق طے کیا جائے گا۔

(۴) قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث جمہور علماء کے نزدیک معلول بالعلۃ ہیں، اور علت بنیادی طور پر "اندیشہ غرر" ہے۔

(۵) قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت جمہور احناف اور مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک عام نہیں ہے، بلکہ اس میں کئی تخصیصات اور استثناءات کی گئی ہیں، مثلاً حنفیہ نے اشیاء غیر منقول کی تخصیص کی، اور مالکیہ وحنابلہ نے اس حکم ممانعت کو صرف ایسے طعام کے ساتھ خاص کر دیا جس کو کیل و وزن، یا گنتی سے فروخت کیا گیا ہو، باقی چیزوں میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو وہ جائز کہتے ہیں، شافعیہ اور امام محمدؒ و زفرؒ کے نزدیک، البتہ یہ حکم عام ہے۔

(۶) فیکٹری سے مال خرید کر بھجوانے کی صورت میں جب مشتری اول ضمان لیتا ہو تو یہ قبضہ سمجھا جائے گا اور بیع درست ہوگی۔

(۷) اور اگر پہلا خریدار سامان کی ضمانت نہیں لیتا تو یہ قبضہ نہیں ہوگا اور بیع درست نہ ہوگی۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی

شریعت اسلامی میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے:

أما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام أن يباع حتی يقبض قال ابن عباسؓ ولا أحسب كل شیء إلا مثله (صحیح بخاری ۱/۲۸۶)۔

وہ چیز جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ ایسی کھانے کی چیزیں ہیں جنہیں قبضہ سے پہلے بیچا جائے۔ تا آنکہ ان پر قبضہ ہو۔

ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے:

إن النبی ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتی يستوفيه، زاد اسماعيل من ابتاع طعاما فلا يبعه حتی يقبضه (بخاری ۱/۲۸۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کھانے کی اشیاء بیچنا چاہے تو اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک پوری طرح قبضہ میں نہ لے لے، اسمٰعیل نے اپنی روایت میں "حتی يستوفيه" کی جگہ "حتی يقبضه" کا اضافہ کیا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا ہے:

والقبض والاستيفاء سواء والذی يستفاد من الحديث أنه ﷺ نهی عن بيع الطعام إلا بعد القبض.

اور قبضہ اور استیفاء دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور جو کچھ حدیث سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیع طعام سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ قبضہ کے بعد ہو (تو درست ہے) (عمدۃ القاری: ۵/۴۷۸)۔

ترمذی کی روایت میں مزید وضاحت ہے:

عن حكيم بن حزام قال سألت رسول الله ﷺ فقلت يأتينی الرجل فيسألنی من البيع ما ليس عندی. ابتاع له من السوق ثم أبيعه. قال لا تبع ما ليس عندك (ترمذی ۱/۲۳۸)۔

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک شخص ایسی چیز کے بیع کا مجھ سے سوال کرتا ہے جو میرے پاس موجود نہیں ہوتی۔ میں اس کے لئے بازار سے خرید کر لاتا ہوں پھر اسے فروخت کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز تمہارے پاس موجود نہ ہو اسے مت فروخت کرو۔

گائے کا یہ ہے کہ اس کو دیکھا جا سکے اور اس کی طرف اشارہ ہو سکے اور کپڑے میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری ادھر ہاتھ پھیلائے تو کپڑے تک پہنچ جائے اور گھوڑے یا پرندے پر جو کسی گھر میں ہوں قبضہ یہ ہے کہ اس مکان سے بلا کسی مدد گار کے خریدار کا ان کو پکڑ لینا ممکن ہو۔

اشیائے منقولہ و غیر منقولہ کا حکم:

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشیائے منقولہ و غیر منقولہ میں باعتبار حکم فرق ہے۔ اشیائے غیر منقولہ میں ان حضرات کے یہاں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

ولکن ابو حنیفة قال لا بأس ببیع الدور والأرضین قبل القبض لأنها لا تنقل ولا تحول (عمدۃ القاری ۵/۴۷۹)۔

لیکن امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ گھر اور زمین کو قبل القبض بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ ابن نجیمؒ نے امام ابو یوسفؒ کو اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ بتایا ہے۔

صح بیع العقار قبل قبضه ای عند ابی حنیفة وابی یوسفؒ (البحر الرائق ۶/۱۱۹)۔

زمین کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت صحیح ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک۔ البتہ امام مالکؒ اور ابن المنذر کے نزدیک طعام کی قسم کی جملہ اشیاء میں جو از قسم مکیل و موزون ہوں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے مگر طعام کے علاوہ چیزوں میں جائز ہے۔

لیکن امام مالکؒ اور امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعی کے قول جدید کے مطابق ہر چیز میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے۔ یہی مذہب حضرت ابن عباس، عطا ابن ابی رباح اور ثوری، ابن عیینہ، ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمدؒ سے منقول ہے۔ (عمدۃ القاری ۵/۴۷۹)۔

علت نہی:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور علت نہی غرر ہے۔

ابن نجیم لکھتے ہیں:

لا بیع المنقول ای لا یصح لنهیه ﷺ عن بیع مالم یقبض ولأن فیه غرر انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک (البحر الرائق ۶/۱۱۹)۔

منقول شے کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قبل القبض بیع کو منع فرمادینے کی وجہ سے اور اس لئے بھی کہ اس میں غیر مقبوض سامان کی ہلاکت کے اعتبار سے عقد بیع ٹوٹ جانے کا غرر (خطرہ) ہے۔

ممانعت عام ہے یا خاص:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام نہیں ہے بلکہ اس سے کچھ چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ ائمہ اربعہ اور

شپنگ کا حکم:

وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت میں شپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جب کہ مال سمندر میں ہو تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے۔

اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ شپنگ مشتری کیلئے اس شیشی یا بوری کی طرح ہے جسے بائع کے حوالے کرکے مشتری نے یہ کہہ دیا ہو کہ اس میں تیل، یا غلہ وزن کرکے بھرا ے۔

اب خواہ تیل وزن کرتے وقت یا غلہ بھرنے کے وقت مشتری وہاں موجود ہو یا نہ ہو ہر دو صورت میں یہ بیع وشرا درست ہے، کیونکہ تیل یا غلہ کے لئے مشتری کا اپنی شیشی یا بوری پیش کر دینا ہی اس کے قبضہ کے قائم مقام ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

ومنه مالو اشترى دهنا ودفع قارورة يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشترى فهو قبض وكذا بغيبته في الأصح (شامی ۴/۴۳)۔

اور قبضہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مشتری نے تیل خرید کر شیشی بائع کے سپرد کر دی کہ اس میں تیل وزن کر دے۔ پس اس نے اس میں مشتری کی موجودگی میں تیل وزن کر دیا تو یہ قبضہ مانا جائے گا، اور یہ حکم صحیح قول کے مطابق اس کی غیر موجودگی میں بھی ہے۔

یہاں مشتری اول نے بائع کو شپ کے ذریعہ مال بھیجنے کا آرڈر دے کر صورت حال اسی قسم کی بنا دی ہے جس میں کوئی خریدار اپنی خریدکردہ چیز کو قبضہ میں لینے کے لئے بوری یا شیشی پیش کر دیتا ہے، اگرچہ شپ بوری یا شیشی کی طرح اس کی ملک نہیں ہے لیکن اگر مشتری کسی دوسرے سے لے کر بائع کو بیع بوری میں بھر دینے کا حکم دے دے تب بھی قبضہ حکمی معتبر مانا جائے گا، اسی طرح جب شپ کو مشتری نے اپنی خریدکردہ اشیاء کی منتقلی کا ذریعہ بنایا اور بائع کو ایسا کرنے کو کہا تو یہ قبضہ حکمی کے معنی میں ہو گیا۔ لہذا بائع اول اور مشتری اول کے حق میں اس بیع وشراء کو جائز قرار دیا جانا چاہئے۔

البتہ بائع ثانی اور مشتری ثانی کے حق میں بیع وشراء کو درست قرار دینا مشکل ہے کیونکہ مال جب تک سمندر میں ہے بائع ثانی کے لئے غیر مقدور التسلیم اور مشتری ثانی کے حق میں غیر مقبوض ہے۔ اور یہ بیع غرر کے ذیل میں آتا ہے۔ جو شریعت اسلامی میں ممنوع ہے۔ لہذا مال ضائع ہو جانے کی شکل میں مشتری ثانی یعنی دوسرے نمبر کے خریدار پر ثمن کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی۔

لا يجب على المشترى دفع الثمن لعدم القبض (شامی ۴/۴۳)۔

مشتری پر ثمن کی ادائیگی لازم نہیں۔ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے۔

خلاصہ بحث:

۱ بیع قبل القبض احادیث نبویہ اور تصریحات فقہیہ کے مطابق ناجائز ہے۔

۲۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ممنوع بیع کی فاسد قسم میں داخل ہے۔

۳۔ اشیاء غیر منقولہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔ امام مالکؒ کے مسلک میں کھانے کی قسم کے علاوہ اشیاء میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔ باقی ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور علت نہی غرر انفساخ العقد ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام نہیں ہے، بلکہ بعض چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے امام اعظم و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشیاء غیر منقولہ۔ اور ہبہ، صدقہ، قرض، وصیت اور غلام و باندی کا نکاح۔

۶۔ فیکٹری سے مال خرید کر روانہ کر دینا خریدار اول کے ضمان میں داخل ہے جو قبضہ حکمی کی طرح ہے۔ اس پر خریدار اول کا کسی دوسرے شخص کے ہاتھ مال بیچ دینا اور اس پر نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

۷۔ شپنگ کی رائج الوقت صورت معاملہ میں خریدار اول اور بائع کے درمیان کا معاملہ بیع و شراء درست ہے۔ البتہ خریدار اول کا دوسرے خریدار کو مال بیچنا جب کہ مال سمندر میں ہو غیر مقدور التسلیم اور غیر مقبوض ہونے کی بناء پر جائز نہیں ہے۔ اگر یہ معاملہ کر لیا گیا تو خریدار ثانی پر ثمن کی ادائیگی لازم نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مفتی انور علی اعظمی

۱۔ بیع قبل القبض:

شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض درست نہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک باطل ہے اور احناف کے نزدیک فاسد ہے، نتیجہ اور مآل ایک ہے، اسلئے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک فساد اور بطلان ایک ہی معنی میں مستعمل ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

صاحب بدائع نے اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تسلیم اور قبض کی تفسیر تخلیہ اور تخلی ہے اور تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان موانع دور کرنے اور مشتری کو مبیع میں تصرف کا پورا موقع فراہم کردے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک گھر، زمین اور درخت میں قبضہ تخلیہ سے ہوگا اور درہم ودنانیر میں ہاتھ میں لینے سے ہوگا، اور کپڑا وغیرہ میں منتقل کرنے سے اور ایسے ہی قبضہ غلہ میں ہوگا جبکہ وہ اندازہ سے بیچا گیا ہو اور اگر ناپ تول کر بیچا گیا ہے تو قبضہ ناپنے اور تولنے سے ہوگا، اور غلام وجانوروں میں ان کی جگہ سے منتقل کردینے سے ہوگا، الغرض کتاب وسنت نے اصل قبضہ کی حقیقت متعین کردی ہے، اور وہ تخلیہ ہے، لیکن تخلیہ کی نوعیت عرف وعادت پر چھوڑ دی گئی ہے؛ چنانچہ جہاں جس چیز کے بارے میں جس طرح استیلا، لوگوں کے عرف میں قبضہ متصور ہوتا ہو، وہی شرعی قبضہ مانا جائے گا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

قال في الشامي (۵۹/۴) و تمامه في البحر وحاصله أن التخلية قبض حكما، لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت، مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، و في نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض، اى بان تكون في البلد في ما يظهر، و في نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى و يشار إليه قبض، و في نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض، و في نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض، و قال في موضع آخر لو اشترى دهنا و دفع قارورة يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشتري فهو قبض، و كذا بغيبته في الأصح و كذا كل مكيل و موزون إذا دفع له الوعاء، فكاله أو وزنه فيه بأمره (شامی ۵۸/۴)۔

ان ساری مثالوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ قبضہ کی نوعیت کا مدار عرف وعادت ہی پر ہے۔

وقال ابن قدامة في "المغني" ولأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف (مغنی ۴؍۲۰۰)۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت:

اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں احناف کے یہاں کوئی فرق نہیں، اسلئے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں تخلیہ سے حاصل ہوتا ہے۔

قال في البدائع، ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال (۲۴۴/۵)۔

البتہ قبضہ کی تکمیل میں منقولات میں تفصیل الگ ہے اور غیر منقول اشیاء کی الگ۔

منقولات کی دو قسمیں ہیں، ایک مثلی، دوسرے غیر مثلی، منقولات میں تخلیہ سے ہی قبضہ تام ہوجاتا ہے، اسی طرح مثلیات میں اگر بیع مجازفہ ہو تو تخلیہ سے قبضہ تام ہوجائے گا، اسلئے کہ بیع مجازفہ میں مقدار کی جانکاری کا اعتبار لحاظ نہیں ہوتا ہے، اور اگر ان کی بیع ناپ تول کے ذریعہ ہے ہو تو بائع کی ناپ تول اور تخلیہ سے مشتری کا قبضہ تام ہوگا، کیونکہ یہ بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہوگی، غیر منقول اشیاء میں بھی قبضہ کی بنیاد تخلیہ ہی ہے۔

اگر وہ زمین وجائداد قریب ہے تو نفس تخلیہ سے قبضہ مکمل ہوجائیگا، اور اگر دور ہے تو تخلیہ کے ساتھ اتنی مدت گذرنا بھی ضروری ہوگا جس مدت میں وہ مکان مبیع تک پہونچ سکے۔

في الخانية: إذا كان قريباً (العقار) يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض أما إذا كان بعيداً لا يتصور القبض في الحال فتقام التخلية مقام القبض .... (شامی ۴؍۵۹)۔

۴۔ بیع قبل القبض سے متعلق نہی کی احادیث معلول بعلت ہیں یا نہیں؟

بیع قبل القبض سے متعلق نہی کی احادیث معلول بعلت ہیں۔

احناف کے نزدیک علت غرر انفساخ عقد ہے، ہدایہ (۵۸/۳) میں ہے: ومن اشترى شيئا مما ينقل و يحول لم يجز بيعه حتى يقبضه لأنه نهى عن بيع ما لم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك، والغرر منهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث محمول به عملا بدلائل الجواز (۵۹/۳)۔

امام مالکؒ کے نزدیک منفعت عمال کا ضیاع ہے۔

وقد قيل في علة النهي: إن في قبضه منفعة للعمال إذ ينتفعون بكيله و حمله و وزنه وغير ذلك بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه فإن ذلك يضيع تلك النفعة، وقيل إنه أمر

تعبدی۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

مالکیہ کے نزدیک ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ بیع قبل القبض سے متعلق نہی امر تعبدی ہے۔ (علت معلوم نہیں)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت کے عموم وخصوص کے بارے میں ائمہ کی آراء:

جمہور احناف کے نزدیک شئی منقول کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں، اور عقار کی بیع قبضہ سے پہلے امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۴، ہدایہ ۳/۵۸)۔

مالکیہ کے نزدیک اس نہی کا تعلق مطعومات کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ ان کے یہاں غلہ اور پھل کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

شوافع کے نزدیک نہی عام ہے، قبضہ سے پہلے ان کے یہاں منقول اور غیر منقول سب کی بیع ناجائز ہے، البتہ تین صورتیں مستثناء ہیں

(۱) أن يبيعه قبل قبضه لمن اشتراه بنفس الثمن الذي اشتراه بدون زيادة.

(۲) أن يتلف المبيع عند البائع فإن للمشتري أن يبيعه له بمثله بأن يعطي البائع للمشتري ثمنا مثل التالف.

(۳) أن يشتري شيئا بقبضه وكان ثمنا دينا في ذمته كان اشترى جملا بعشرة ولم يقبضه ولم يدفع ثمنه فإنه يصح في هذه الحالة أن يبيعه لمن اشتراه منه بعشرة في ذمة البائع الأول أو يشتري الجمل بعشرة و يدفعها للبائع ولم يقبض الجمل فإنه يصح أن يبيعه بعشرة في ذمة البائع.

والبيع في أحوال الثلاثة يكون إقالة بلفظ البيع، فليس بيعا حقيقة (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۴)۔

حنابلہ کے نزدیک:

جب مبیع مکیل، موزون، یا معدود، یا مذروع نہ ہو تو قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز ہے، اور اگر مبیع مذکورہ بالا انواع سے ہو تو قبضہ سے پہلے اس میں بیع کے ذریعہ تصرف درست نہیں (مغنی ۴/۲۱۷، بحوالہ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۶)۔

اور مغنی میں ابن عبداللہ سے منقول ہے کہ امام احمدؒ کے اصح قول میں نہی کا تعلق صرف طعام سے ہے (مغنی ۴/۲۱۸)۔

مالکیہ کی دلیل:

(۱) قولہ ﷺ "من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه، فمفهومه إباحة بیع ما سواه قبل قبضه

(۲) وقول ابن عمر رأیت الذین یشترون الطعام مجازفة یضربون علی عهد رسول الله ﷺ ان یبیعوه حتی یؤوه إلی رحالهم

دلیل حنابلہ: احادیث مذکورہ۔

ووجه قول الخرقی ان الطعام المنهی عنه عن بیعه قبل قبضه لا یکاد یخلو من کونه مکیلا أو موزونا او معدودا متعلق الحکم بذلک (مغنی ۴/۲۱۸)۔

احناف وشوافع کی دلیل:

عن حکیم ابن حزام: لاتبع ما لیس عندک (ترمذی)

قال: سألت رسول الله ﷺ فقلت یأتینی الرجل فیسألنی من البیع ما لیس عندی ابتاع له من السوق ثم أبیعه قال لا تبع ما لیس عندک (ترمذی ۱/۱۴۸)۔

ما رواه ابو داؤد: ان النبی ﷺ نهی ان تباع السلع حیث تبتاع حتی یحوزها التجار إلی رحالهم، و ماروی ابن ماجه: ان النبی ﷺ نهی عن شراء الصدقات حتی تقبض، وروی: ان النبی ﷺ لما بعث عتاب بن أسید إلی مکة قال: إنههم عن بیع ما لم یقبضوه و عن ربح ما لم یضمنوه (مغنی ۴/۲۱۳)۔

احناف نے منقول اور غیر منقول کے درمیان جو تفریق کی ہے اس کی بنیاد احادیث مذکورہ میں نہی کی علت کو بتاتا ہے، اور وہ علت " غرر انفساخ عقد علی اعتبار الهلاک " ہے، یہ علت منقولات میں قبضہ سے پہلے موجود ہوا کرتی ہے، اور غیر منقولات میں ہلاکت نادر ہے، اسی لئے ایسی زمین جو دریا اور سمندر کے کنارے پر ہے ان کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہوگی، اسلئے کہ وہاں ہلاکت کا خطرہ موجود ہے (عینی ۴/۲۷۱۳)۔

امام احمدؒ کے نزدیک غیر منقول کی بیع بھی قبضہ سے پہلے ناجائز ہے، اس کی دلیل حکیم ابن حزام کی مذکورہ روایت ہے، اس میں کلمہ "ما" مذکور ہے اور وہ تعمیم پر دال ہے۔

امام محمدؒ نے بیع کو اجارہ پر قیاس کیا ہے، چونکہ عقار کا اجارہ قبل القبض درست نہیں، اسلئے بیع بھی درست نہیں ہوگی والجامع اشتمالهما علی ربح مالم یضمن فإن المقصود من البیع الربح، والربح مالم یضمن منهی عنه شرعاً (عینی ۴/۲۷۱۳)۔

۲۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کو روانہ کر دیتا ہے اور معاملہ یہ طے پاتا

ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار (۲) کے پاس پہونچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ اسی شخص خریدار (۱) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کے باوجود ضمان کو قبضہ حسی کے قائم مقام مان کر اس خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے گا لیکن اس صورت میں خریدار (۱) کیلئے ضروری ہوگا کہ پہلے فیکٹری سے معاملہ طے کرے پھر اس کے بعد میں خریدار (۲) سے معاملہ کرے تا کہ "لاتبع ما لیس عندک" کا مصداق نہ بنے۔

مذکورہ صورت معاملہ کے درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خریدار (۱) کا مبیع پر اصل قبضہ ثابت ہے اور وہ تخلیہ ہے اور قبضہ تام بھی ہے۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں شپنگ :

(جہاز پر مال چڑھ جانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو بائع ضامن نہیں ہوگا، اس صورت حال میں مشتری اور بائع کے درمیان بیع وشرا درست ہے۔ لیکن مال کے سمندر میں رہتے ہوئے مشتری اول کا دوسرے کے ہاتھ بیچنا درست نہیں جبکہ وہ مال کے اپنے پاس پہونچنے تک کا ضمان قبول نہیں کرتا، اسلئے کہ وہ بیچ کر نفع تو لینا چاہتا ہے لیکن مال کے مشتری ثانی کے پاس پہونچنے تک نقصان کی ذمہ داری نہیں لینا چاہتا، لہذا اس صورت میں اس کا نفع غیر مضمون شئی سے نفع ہے، اور غیر مضمون شئی کا ربح منہی عنہ ہے، اور حدیث میں اس کی صراحت بھی موجود ہے: ذکر عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال: لایحل سلف و بیع و لاشرطان فی بیع و لا ربح مالم یضمن ولاتبع ما لیس عندک (ترمذی ۱۳۶)۔

اور یہی فساد عقد کی متقاضی ہے، علامہ عینی ہدایہ کی شرح میں فرماتے ہیں: وربح مالم یضمن منہی عنہ شرعاً والنہی یقتضی الفساد فیکون البیع فاسدا قبل القبض لانہ لم یدخل فی ضمانہ (عینی ۳ر۱۳)۔

لہذا جہاز پر مال کے رہتے ہوئے مشتری اول کا ضمان لئے بغیر کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنا درست نہیں ہوگا۔

☆☆☆☆☆

اسلام میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا اعتبار

مولانا خورشید احمد اعظمی

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت فی الجملہ جائز ہے ان تفصیلات کے ساتھ جو آئمہ واحناف کے اقوال سے نقل کی جائیں گی بسبب ان احادیث کے جو اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے منقول وثابت ہیں۔

اور بصورت عدم جواز اس کا شمار بیع فاسد میں ہوگا کیونکہ حقیقت بیع کا وجود پایا جارہا ہے، اور جو نقص ہے وہ وصف کی جہت سے ہے لہذا اس پر بطلان کا حکم نہیں لگایا جائے گا، شامی میں ہے:

وهو (أي البيع الفاسد) ما كان مشروعا بأصله لا بوصفه و مرادهم من مشروعية أصله كونه مالا متقوما، لا جوازه و صحته لأن فساده يمنع صحته أو أطلقوا المشروعية عليه نظرا إلى أنه لو خلا عن الوصف لكان مشروعا (شامی ۴/۹۹، نیز البحر الرائق ۶/۶۸)۔

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان موانع کو دور کردے اور مشتری کو مبیع میں تصرف کا پورا موقع فراہم کردے، اسی چیز کو احناف نے تخلیہ سے تعبیر کیا ہے:

فالتسليم و القبض عندنا هو التخلية و التخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع و بين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع و المشتري قابضا له و كذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع (البدائع ۵/۲۴۴)۔

درمختار میں ہے: ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع و لا حائل (درمختار ۴/۴۳)۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں ہوگا: قال كنا مع النبي ﷺ في سفر فكنت على بكر صعب لعمر فكان يغلبني فيتقدم أمام القوم فيزجره عمر و يرده ثم يتقدم فيزجره عمر و يرده فقال النبي ﷺ لعمر بعنيه قال هو لك يا رسول الله قال رسول الله ﷺ بعنيه فباعه من رسول الله ﷺ فقال النبي ﷺ هو لك يا عبد الله بن عمر تصنع به ما شئت.

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے تحت فرمایا: وقد احتج به للمالکیة و الحنفیة فی أن القبض فی جمیع الأشیاء بالتخلیة و إلیه مال البخاری (فتح الباری ۴/۳۴۴)۔

البتہ تخلیہ کی نوعیت مبیع کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے، اور اس کا مدار عرف و عادت کے اوپر ہو سکتا ہے، کما فی الشامی نقلا عن البحر:

وحاصله أن التخلیة قبض حکما لو مع القدرة علیه بلا کلفة لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع (شامی ۴/۴۳)۔

ابن قدامہ نے مغنی ۴/۱۲۵ میں اس کے متعلق تفصیلات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ولأن القبض مطلق فی الشرع فیجب الرجوع فیه إلی العرف.

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی قبضہ کا اعتبار تقریباً عرف کے اوپر ہی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے:

وفی صفة القبض عن الشافعیؒ تفصیل فما یتناول بالید کالدراهم و الدنانیر و الثوب فقبضه بالتناول، وما لا ینقل کالعقار و الثمر علی الشجر فقبضه بالتخلیة، وما ینقل فی العادة کالأخشاب و الحبوب و الحیوان فقبضه بالنقل إلی مکان لا اختصاص للبائع به و فیه قول أنه یکفی فیه التخلیة (فتح الباری ۴/۳۵۰)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ کتاب و سنت نے قبضہ کی کوئی خاص نوعیت متعین نہیں کی ہے، البتہ قبضہ کی جو صورتیں مذکور ہیں وہ فی الجملہ تخلیہ کو متضمن ہیں، اسلئے تقریباً تمام ہی اشیاء میں اس کی حقیقت تخلیہ ہے، نوعیت کا مدار عرف اور عادت پر ہے، جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی شرعاً اس کے حق میں قبضہ ہوگا بشرطیکہ وہ صورت تخلیہ کو متضمن ہو۔

۳۔ اشیاء منقول اور غیر منقول میں قبضہ کی نوعیت:

جیسا کہ پچھلی بحث میں گذر چکا ہے کہ احناف کے نزدیک قبضہ کی حقیقت تخلیہ سے حاصل ہو جاتی ہے اور اس میں منقول و غیر منقول اشیاء کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے: ثم لا خلاف بین أصحابنا فی أن أصل القبض یحصل بالتخلیة فی سائر الأموال (البدائع ۵/۲۴۴)۔

البتہ قبضہ کے تمام ہونے کے اعتبار سے منقولات و غیر منقولات میں تفصیل ہے، ایسی اشیاء منقول جو غیر مثلی ہیں یا مثلی ہوں اور انہیں مجازفۃ بیچا گیا ہو تو ان دونوں صورتوں میں محض تخلیہ سے ہی قبضہ تام ہو جائے گا، البتہ اگر اشیاء منقول مثلیہ کو کیل یا وزن کے ذریعہ بیچا گیا ہو تو اس میں قبضہ کی تکمیل کیل یا وزن کے بعد ہی ہوگی، ولهذا کانت التخلیة تسلیما و قبضا فیما لا مثل له و فیما له مثل إذا بیع مجازفة (البدائع ۵/۲۴۴)۔

اشیاء غیر منقول مثلاً عقار وغیرہ اگر قریب ہیں تو محض تخلیہ سے ہی قبضہ تام ہو جائے گا، اور اگر دور ہے تو

صرف نفس تخلیہ سے قبضہ تام نہیں ہوگا۔

والصحیح ما ذکر فی ظاهر الروایة لأنه إذا کان قریبا یتصور فیه القبض الحقیقی فی الحال فتقام التخلیة مقام القبض أما إذا کان بعیدا لا یتصور القبض فی الحال فلا تقام التخلیة مقام القبض (شامی ۴/۴۳)۔

۴۔ احادیث النہی عن البیع قبل القبض اور ان کی علت:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے ممانعت اور نہی مختلف احادیث میں وارد ہے، ان میں سے چند ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه. قال ابن عباس وأحسب کل شیء مثله (مسلم)۔

۲۔ عن ابن عمرؓ قال کنا فی زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فیبعث علینا من یأمرنا بانتقاله من المکان الذی ابتعناه فیه إلی مکان سواه قبل أن نبیعه (مسلم)۔

نیز حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابو ہریرہ اور حکیم بن حزامؓ سے بھی اس مضمون کی حدیثیں مروی ہیں۔

یہ ساری احادیث جن میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے نہی وارد ہے، امام مالکؒ سے مروی ایک قول کے مطابق یہ نہی تعبدی ہے اس کی علت نہیں معلوم (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ احادیث معلول بالعلۃ ہیں، چنانچہ ابن حجرؒ نے اس کی تشریح کی ہے: وفی روایة سفیان عن ابن طاؤس عند مسلم قال طاؤس قلت لابن عباس لم فقال: ألا تراهم یتبایعون بالذهب والطعام مرجا، أی فإذا اشتری طعاما بمائة دینار مثلاً و دفعها للبائع ولم یقبض منه الطعام ثم باع الطعام لآخر بمائة و عشرین دیناراً و قبضها و الطعام فی ید البائع فکأنه باع مائة دینار بمائة و عشرین دیناراً (فتح الباری ۴/۳۴۹)۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں بھی اس کی علت کا ذکر موجود ہے، انہوں نے حضرت مروانؒ سے کہا أحللت بیع الربا فقال ما فعلت فقال أبو هریرة أحللت بیع الصکاک و قد نهی رسول الله ﷺ عن بیع الطعام حتی یستوفی (صحیح مسلم ۲/۱۰، ۱۶۲)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ان احادیث میں نہی کی علت "ربح مالم یضمن" کا لازم آنا ہے، واحتج الشافعی بحدیث عبد الله بن عمر قال نهی رسول الله ﷺ عن ربح مالم یضمن أخرجه الترمذی (فتح الباری ۴/۳۵۰)۔

امام مالکؒ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ ان احادیث میں نہی عن البیع قبل القبض کی علت منفعت عمال کا ضیاع ہے، کیونکہ قبضہ کی صورت میں ناپنے، تولنے یا منتقل کرنے کی اجرت عمال کو ملے گی اگر قبضہ سے قبل بیع جائز

قرار دی جائے تو اس میں ان کا نقصان ہوگا۔ وقد قيل في علة النهي أن في قبضه منفعة تتعلق إذ تتعلق بسكنه وحمله ووزنه وغير ذلك بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه فإن ذلك يضيع تلك المنفعة (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۳۵)۔

احناف کے نزدیک ان احادیث کی علت غرر انفساخ عقد ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ہو چکی ہے اور اس کی شرح فتح القدیر میں اس طرح ہے:

ومن اشترى شيئا مما ينقل ويحول لم يجز له بيعه حتى يقبضه لأنه عليه السلام نهى عن بيع ما لم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك.

اس کی شرح میں علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

ثم علل الحديث (ولأن فيه غرر انفساخ العقد) الأول (على اعتبار هلاك المبيع) قبل القبض فيتبين حينئذ أنه باع ملك الغير بغير إذنه، وذلك مفسد للعقد، وفي الصحاح أنه ﷺ نهى عن بيع الغرر (فتح القدیر ۶/۱۳۵)۔

بحر الرائق میں ہے:

والغرر المنهي غرر انفساخ العقد، والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز (البحر الرائق ۶/۱۲۷)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے عموم وخصوص سے متعلق تفصیل اور ائمہ کرام کی آراء:

۱۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ نہی خاص ہے مکیلات وموزونات کے ساتھ اور دوسری چیزیں جو مکیل وموزون نہیں ہیں ان کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے۔

يجوز مطلقا إلا المكيل والموزون وهو قول الأوزاعي وأحمد وإسحاق (فتح الباری ۴/۳۴۹)۔

نیز الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں مطعومات ومعدودات کی مکیلات وموزونات کے ساتھ مذکور ہیں (۲/۲۴۹)۔

اس لئے کہ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں طعام کا ذکر موجود ہے۔ اور اس کی وضاحت بقول صاحب مغنی اس طرح ہے کہ وہ طعام جس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے یا تو مکیل وموزون ہوں گے یا معدود وغیرہ اس لئے یہ نہی انہیں میں منحصر ہوگی اور ان کے علاوہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست ہوگی۔

إن الطعام المنهي عنه عن بيعه قبل قبضه لا يكاد يخلو من كونه مكيلا أو موزونا أو معدودا فيتعلق الحكم بذلك (المغنی ۴/۱۱۸)۔

۲۔ امام شافعی کے نزدیک قبضہ سے پہلے بیع سے ممانعت عام ہے خواہ اشیاء منقولہ ہوں یا غیر منقولہ۔

لا یجوز بیع شیء قبل قبضه مطلقا وهو قول الشافعیؒ و محمد بن الحسنؒ (فتح الباری ۵/۳۳۵) وقال الشافعیؒ: لا یصح بیع المبیع قبل قبضه سواء کان طعاما أو عقارا أو منقولا أو نقدا أو غیره (الامام النووی فی شرح صحیح مسلم ۱۰/۱۶۹)۔

دلیل: امام شافعیؒ نے تمام ان احادیث سے استدلال کیا ہے جو نہی من البیع قبل القبض سے متعلق ہیں، نیز عبداللہ بن عباسؓ کے قول و أحسب کل شیء مثل الطعام سے، اور ان احادیث سے جو "بیع مالیس عندک" اور "ربح مالم یضمن" کے متعلق ہیں، وأما عمدة الشافعیؒ فی تعمیم ذلک فی کل مبیع فعموم قوله علیه السلام: لا یحل بیع ولا سلف ولا ربح مالم یضمن ولا بیع مالیس عندک وهذا من باب بیع مالم یضمن وهذا مبنی علی مذهبه من أن القبض شرط فی دخول المبیع فی ضمان المشتری (بدایۃ المجتہد ۲/۱۸۳)۔

امام شافعیؒ نے اس حکم سے تین صورتوں کا استثناء کیا ہے جو حقیقۃً بیع نہیں ہیں بلکہ ان کی صورت اقالہ کی ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۲)۔

۳۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ نہی صرف مطعومات کے ساتھ خاص ہے لہذا ان کے نزدیک غیر مطعومات کو قبضہ سے پہلے بیچنا درست ہے۔

یجوز مطلقا إلا المأکول والمشروب وهو قول مالکؒ وأبی ثور واختیار ابن المنذر (فتح الباری ۵/۳۳۵)۔

وقال فی البدایة: وأما بیع ما سوی الطعام قبل القبض فلا خلاف فی مذهب مالک فی إجازته (بدایۃ المجتہد ۲/۱۸۲)۔

دلیل: امام مالکؒ نے انہیں احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں نہی من بیع الطعام قبل الاستیفاء والقبض وارد ہے، اور جن کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ وہ اشیاء جو طعام کی جنس سے نہ ہوں، حکم نہی ان سے متعلق نہ ہو اور ان کا قبل القبض بیچنا درست ہو۔

أما عمدة مالک فی منعه ماعدا المنصوص علیه فدلیل الخطاب فی الحدیث المتقدم (بدایۃ المجتہد ۲/۱۸۳)۔

۴۔ احناف کے نزدیک قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں تفصیل ہے، ان کے یہاں اشیاء منقولہ کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں، **بلکہ امام محمدؒ** کے نزدیک غیر منقول کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ وامام ابویوسفؒ کے نزدیک اشیاء غیر منقولہ کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے، وأما أبو حنیفة فالقبض عنده شرط فی کل مبیع ماعدا المبیعات التی لا تنقل ولا تحول من الدور والعقار (بدایۃ المجتہد ۲/۱۸۲۔۱۸۳)۔

وقال فی الکنز: صح بیع العقار قبل قبضه لا بیع المنقول (کنز مع شرح البحر ۶/۱۲۶)۔

دلیل: احناف کا مستدل بھی وہی احادیث ہیں جن میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے نہی وارد ہے یا جن میں "نہی عن بیع ما لیس عندک" یا "نہی عن بیع الغرر" وارد ہے۔

قال في البحر: (صح بيع العقار قبل قبضه) أي عند أبي حنيفة وأبي يوسف و قال محمد لا يجوز لإطلاق الحديث وهو النهي عن بيع ما لم يقبض و قياسا على المنقول و على الإجارة، و لهما أن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول، والغرر المنهي غرر انفساخ العقد والحديث معلول بدلائل الجواز ... إلى أن قال: (لا بيع المنقول) أي لا يصح لنهيه ﷺ عن البيع ما لم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك (البحر الرائق ۶/۱۱۶)۔

یعنی احناف نے جو اشیاء منقول اور غیر منقول میں فرق کیا ہے اس کی وجہ علت احادیث ہے، یعنی غرر انفساخ عقد کا اندیشہ، اور یہ علت منقولات میں موجود ہے جبکہ اشیاء غیر منقول میں اس علت کا وجود نادر ہے۔

اس لئے جہاں اشیاء غیر منقول میں بھی اس علت کا احتمال ہوگا، جیسے ایسی زمینیں جو دریا یا تالاب کے کنارے اور کناروں پر ہوں ان زمینوں کا قبضہ سے پہلے بیچنا درست نہیں ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: البنایہ فی شرح الہدایہ للعینی ۳/۱۳۷)۔

۲۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال بظاہر اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کر دیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہونچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آئے گی اور نہ خریدار نمبر (۲) پر بلکہ یہ خریدار نمبر (۱) کا نقصان قرار پائے گا۔

اس صورت میں اگر چہ خریدار نمبر (۱) کا حسی قبضہ اس مال پر نہیں پایا گیا لیکن چونکہ وہ مال کے نقصان کی ذمہ داری قبول کر رہا ہے اسلئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے ایسی چیز سے فائدہ اٹھایا جس کا وہ ضامن نہیں ہوا، اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایسی چیز بیچ رہا ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے کیونکہ جب بائع کی طرف سے تخلیہ ہو گیا اور اس کے نقصان کا ضامن یہ ہو گیا تو یہ خریدار نمبر (۱) اس فیکٹری کے مال پر قابض مانا جائے گا اور اب اس کے بعد خریدار نمبر (۲) کو بیچنا درست ہوگا، کیونکہ اس بیع کا عاقد خود خریدار نمبر (۱) ہے نہ کہ فیکٹری کا مالک، بلکہ فیکٹری کا مالک اس کے امر سے اس مال کو خریدار نمبر (۲) کے پاس بھیج رہا ہے، گویا خود خریدار نمبر (۱) اس مال کا بھیجنے والا ہوا۔

وكذلك لو فعل البائع شيئا من ذلك بأمر المشتري لأن فعله بأمر المشتري بمنزلة فعل المشتري بنفسه (البدائع ۵/۲۳۶)۔

قال محمد: كل تصرف يجوز من غير قبض اذا فعله المشتري قبل القبض لا يجوز

وکل ما لا یجوز إلا بالقبض کالھبة إذا فعله المشتری قبل القبض جاز ویصیر المشتری قابضا (شامی ۴/۴۲)۔

اور چونکہ صرف تخلیہ سے ہی قبضہ کا وجود ہوجاتا ہے اور مبیع مشتری کی ضمان میں داخل ہوجاتی ہے اسلئے ضامن ہونے کے بعد اس شخص کا خرید ار نمبر (۲) کو بیچنا درست ہوگا (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

ج۔ ایسی صورت میں جبکہ جہاز پر مال چڑھ جانے کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو بائع اس کا ضامن نہیں ہوتا، اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کردیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے۔

اس صورت میں یہ بیع درست نہیں ہے کیونکہ مشتری اول کا قبضہ نہیں پایا جارہا ہے، مال ابھی راستہ میں ہے اور اس کی بیع ایک تیسرے شخص کے ہاتھ ہورہی ہے اور مشتری اول مال کی ہلاکت کی صورت میں اس کا ضمان بھی نہیں قبول کرتا، اس لئے علت نہی من المبیع قبل القبض نیز احتمال غرر کی بنیاد پر یہ درست نہیں ہوگی۔

نیز اس صورت میں بیع میں ایک اور خرابی بھی موجود ہے جس کا ذکر مولانا تقی عثمانی صاحب نے تکملہ فتح الملہم شرح مسلم ۱/۳۵۵ میں کیا ہے کہ اس طرح سے معمولی قیمتوں کا سامان راستے میں مختلف بیوع اور کئی منافع کی وجہ سے عوام تک سیکڑوں روپے کی قیمت تک گراں ہوکر عوام تک پہونچتا ہے، لأن کل تاجر یشتریھا قبل الوصول یبیعھا بربح إلی غیرہ وتصیر الأرباح کلھا بأیدی تجرۃ معدودین ویصیر الغلاء نصیب العامة۔

لہذا ان مذکورہ بالا خرابیوں کے پیش نظر بیع کی یہ صورت درست نہیں ہے۔

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے احکام

مولانا نسیم احمد قاسمی

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت فاسد ہے یا باطل؟

قبضہ سے پہلے کسی چیز کے فروخت کرنے کی ممانعت کے بارے میں جناب نبی کریم ﷺ سے مختلف احادیث وروایات مروی ہیں، بعض احادیث میں مطلقاً قبضہ سے پہلے سامان کے فروخت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، بعض احادیث میں کھانے کی چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، حضرت امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح میں "باب بیع الطعام قبل أن یقبض وبیع ما لیس عندک" کے تحت صرف ان احادیث کا تذکرہ کیا ہے جن میں نبی کریم ﷺ سے قبضہ سے پہلے طعام کے بیع کی ممانعت ثابت ہے، حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے:

"اما الذی نہی عنہ النبی ﷺ فھو الطعام ان یباع حتی یقبض"

راوی حدیث ابن عباس کہتے ہیں کہ "ولا احسب کل شیء إلا مثلہ" (فتح الباری ۴؍۳۴۹) یعنی میرا خیال ہے کہ ممانعت صرف بیع طعام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دوسری اشیاء میں بھی قبل القبض بیع درست نہیں ہوگی، دوسری روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: "من ابتاع طعاماً فلا یبعہ حتی یستوفیہ"۔

اسماعیل کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"من ابتاع طعاماً فلا یبعہ حتی یقبضہ" (حوالہ سابق)۔

یعنی کوئی شخص کھانے کی کوئی چیز خریدے تو اس پر قبضہ سے پہلے اس کی بیع درست نہیں ہوگی، مختلف سندوں سے امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر کی روایات ذکر کی ہیں، مسلم شریف میں ابو ہریرہ کی روایت میں ہے:

"إن رسول اللہ ﷺ قال من اشتری طعاماً فلا یبعہ حتی یکتالہ" (تکملہ فتح الملہم ۱؍۳۵۷)۔

اور ابوداؤد شریف میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"إذا ابتعت بیعا فلا تبعہ حتی تقبضہ" (ابوداؤد ۳؍۲۸۳)۔

جب تم کوئی چیز خریدو تو اس کو قبضہ سے پہلے مت فروخت کرو۔

وھو الظاھر لان رکنی البیع وھما العوضان ثابتان وانما جاء الفساد من جھة أخری وھو الغرر ای غرر انفساخ العقد بھلاکه والغرر حرام وکثیراً ما یطلق الباطل علی الفاسد (حاشیہ طحاوی علی الدر المختار ۳/۱۰۰)

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو بیع فاسد قرار دیا ہے چنانچہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

قبل القبض فحینئذ انه باع ملک الغیر بغیر اذنه و ذلک مفسد للعقد وفی الصحاح انه ﷺ نھی عن بیع الغرر (فتح القدیر ۶/۱۳۹)۔

یعنی قبضہ سے پہلے ملک غیر کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کیا جاتا ہے جو مفسد عقد ہے، اور صحاح میں نبی کریم ﷺ سے بیع غرر کی ممانعت ثابت ہے۔

قبضہ کی حقیقت:

علامہ ابن ہمام حنفی نے قبضہ کی حقیقت کے بارے میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قبضہ اور مبیع کی حوالگی وسپردگی کا مفہوم یہ ہے کہ مشتری (خریدار) اور خریدے ہوئے سامان کے درمیان اس طرح تخلیہ کردیا جائے کہ خریدار کیلئے بغیر کسی رکاوٹ اس پر قبضہ کرنا ممکن ہو، اور یہی مفہوم ثمن کی حوالگی کا ہے"۔

اور وبری سے منقول ہے کہ اگر کسی مکان میں خریدے گئے سامان تجارت کے ساتھ بائع کے سامان کے علاوہ کسی دوسرے کا سامان ہو تو وہ قبضہ کے حق میں مانع ہوگا، پس اگر اسے قبضہ کی اجازت دے دی جائے تو قبضہ صحیح ہوجائے گا اور سامان بائع کے پاس بحکم ودیعت ہوگا، کپڑے میں قبضہ کی صورت یہ ہے کہ خریدار اسے اپنے ہاتھ میں لے لے، یا اگر کپڑا زمین پر رکھا ہو اور بائع مشتری سے یہ کہے کہ میں نے تمہارے اور کپڑے کے درمیان تخلیہ کردیا ہے، پس اس پر قبضہ کرلو، اور خریدار نے اس کے جواب میں کہا میں نے قبضہ کرلیا تو اسے شرعاً قبضہ قرار دیا جائے گا، اور اگر کسی مکان میں رکھے ہوئے گندم کو خریدا گیا اور بائع نے مشتری کو اس مکان کی کنجی دیتے ہوئے کہا کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا تو اسے شرعاً قبضہ قرار دیا جائے گا (فتح القدیر ۵/۴۹۹)۔

علامہ علاء الدین حصکفی صاحب درمختار نے قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"پھر قبضہ اور سامان کی سپردگی ایسے تخلیہ سے عمل میں آئے گی جس میں مشتری کیلئے مبیع پر قبضہ کرنا کسی رکاوٹ کے بغیر ممکن ہو" (درمختار ۴/۵۶۱-۵۶۲)۔

علامہ شامی کی صراحت کے مطابق تخلیہ بھی حکماً قبضہ ہے، بشرطیکہ تخلیہ کے بعد مبیع پر کسی مانع کے بغیر قبضہ وتصرف ممکن ہو (حوالہ بالا)۔

فقیہ طاہر بن عبدالرشید نے خلاصة الفتاویٰ کی کتاب البیوع میں ایک باب ہی اس عنوان سے قائم کیا ہے: "فیما یکون قبضاً وفیما لا یکون" اس باب کے تحت انہوں نے قبضہ کی حقیقت واصلیت پر روشنی ڈالتے

ہوئے لکھا ہے کہ:

"تجرید میں مبیع پر قبضہ کے باب میں لکھا ہے کہ سامان پر قبضہ اور اس کی سپردگی کی صورت یہ ہے کہ بائع سامان اور مشتری کے درمیان اس طرح تخلیہ کر دے کہ کسی رکاوٹ کے بغیر خریدار کیلئے اس پر قبضہ ممکن ہو اور اسی طرح ثمن کی سپردگی ہوگی۔ اجناس میں ہے کہ سامان کی حوالگی کیلئے تین چیزیں معتبر ہیں: ۱۔ بائع خریدار سے کہے کہ میں نے سامان اور تمہارے مابین تخلیہ کر دیا، ۲۔ مبیع خریدار کے پاس اس طرح ہو کہ اگر وہ اس میں کوئی تصرف کرنا چاہے تو کسی مانع کے بغیر کر سکے، ۳۔ مبیع حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کر دیا ہے اس پر قبضہ کر لو..." (خلاصۃ الفتاوی ۸۹/۳)۔

فتاویٰ ہندیہ میں بیع جائز میں تخلیہ کو قبضہ تسلیم کرنے پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے: "واجمعوا على أن التخلية في البيع الجائز تكون قبضا" (فتاوی ہندیہ ۱۶/۳)۔

البتہ بیع فاسد کی صورت میں تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا یا نہیں، اس میں دو روایت ہے مگر اس میں بھی مفتی بہ قول یہی ہے کہ تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا۔ "والصحيح انها قبض" (حوالہ سابق)۔

قبضہ کی حقیقت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"سامان کی حوالگی اور قبضہ کی صورت یہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان اس طرح تخلیہ کر دیا جائے کہ کسی رکاوٹ کے بغیر مشتری کیلئے اس سامان پر قبضہ ممکن ہو" (حوالہ بالا)۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک چاہے منقولات کی بیع ہو یا عقار کی، ہر صورت میں تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا: "وقال أبو حنيفة رحمه الله القبض في الجميع التخلية" (حلیۃ الاولیاء ۸۲/۳)۔

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ اور سامان کی حوالگی کا مطلب یہ ہے کہ خریدار اور مبیع کے درمیان ایسا تخلیہ کر دیا جائے کہ اگر وہ اپنے خریدے ہوئے سامان میں کوئی تصرف کرنا چاہے تو کر سکے۔ اب رہا یہ سوال کہ ہر چیز کا قبضہ ایک ہی نوعیت کا ہوگا یا اشیاء کی نوعیت کے لحاظ سے قبضہ کی حقیقت و نوعیت بدلتی رہے گی، تو اس سلسلہ میں یہ تفصیل ہے۔

اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کا فرق:

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے صراحت کی ہے کہ ہر چیز کا قبضہ اس کی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا: "وقبض كل شيء بحسبه" (المغنی ۱۲۵/۴)۔

مکیلی یا موزونی اشیاء اگر کیل یا وزن کے ساتھ فروخت کی جائیں تو ان میں کیل یا وزن ہی کے ذریعہ قبضہ معتبر ہوگا، حضرت امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے، حضرت امام ابوحنیفہ ہر چیز کی بیع میں تخلیہ کو قبضہ کے حکم میں تسلیم کرتے ہیں (المغنی لابن قدامہ ۱۲۵/۴)۔

محدث ظفر عثمانی صاحب اعلاء السنن نے شرح الوجیز کے حوالے سے قبضہ کی حقیقت و کیفیت اور ہر چیز کی

نوعیت کے لحاظ سے قبضہ کی نوعیت کا فرق ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۱۔ اگر مبیع ان چیزوں کے قبیل سے ہو جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے جیسے اراضی (عقار) مکانات، تو ایسی چیزوں کا قبضہ ایسے تخلیہ کے ذریعہ عمل میں آئے گا جس کے نتیجہ میں خریدار کو مبیع پر قبضہ اور تصرف کا حق حاصل ہو جائے، مثلاً بائع کہے کہ میں نے تمہارے اور مکان کے درمیان تخلیہ کر دیا ہے تم جس قسم کا چاہو اس میں تصرف کرو، تو یہ تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا۔

۲۔ اور اگر مبیع منقولات کے قبیل سے ہو تو مذہب مشہور یہ ہے کہ اس میں تخلیہ کافی نہیں ہوگا بلکہ سامان کو منتقل کرنا ضروری ہوگا، امام احمد کا یہی قول ہے، حضرت امام مالک اور امام ابوحنیفہ عقاری کی طرح بیع منقولات میں بھی تخلیہ کو قبضہ تسلیم کرتے ہیں (اعلاء السنن ۲۳۱/۱۴)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے مختلف اشیاء کے قبضہ کی نوعیت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ہر چیز کا قبضہ اس کی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا، کیلی یا وزنی چیزیں کیل یا وزن کے ذریعہ فروخت کی جاتی ہیں تو ان کا قبضہ کیل یا وزن کے ذریعہ متحقق ہوگا، امام شافعی کی یہی رائے ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی بیع میں بھی تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا، ابوالخطاب نے امام احمد سے دوسری روایت یہ نقل کی ہے کہ ہر چیز کی بیع میں تخلیہ مع التمییز قبضہ کے حکم میں ہوگا'' (المغنی ۱۲۵/۴)۔

امام نووی صاحب المجموع شرح المہذب نے تحریر کیا ہے کہ:

قبضہ میں اصل عرف ہے (۲۷۶/۹) (لہذا جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے گا وہی شرعاً بھی اس کے حق میں قبضہ مانا جائے گا)۔

ہر چیز کی نوعیت کے لحاظ سے قبضہ کی نوعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

۱۔ عقار مثلاً زمین، مکانات اور درختوں پر پھل کی بیع کی صورت میں تخلیہ کے ذریعہ قبضہ کا تحقق ہوگا۔

۲۔ جو چیزیں عرف و عادت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاتی ہیں، مثلاً درخت کی لکڑیاں، حبوب (اناج) مچھلیاں اور اس قسم کی دیگر چیزیں، تو ایسی چیزوں کی بیع کی صورت میں قبضہ اس وقت تسلیم کیا جائے گا جب اسے ایسی جگہ منتقل کر دیا جائے جہاں بائع کا عمل دخل نہ ہو، چاہے بائع کی ملکیت میں منتقل کر دیا جائے، یا عام راستہ یا مسجد یا کسی اور جگہ۔

۳۔ جو چیزیں ہاتھ میں لے کر قبضہ کی جاتی ہیں مثلاً درہم و دینار، کرنسی نوٹ، رومال، کپڑے، برتن، کتاب وغیرہ تو ان چیزوں میں اسی وقت قبضہ تسلیم کیا جائے گا جب بائع سے سامان مشتری اپنے ہاتھ میں لے لے (المجموع شرح المہذب ۲۷۶/۹)۔

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء منقول اور غیر منقول میں قبضہ کی نوعیت کے لحاظ سے فرق ہوگا، اشیاء منقول میں نقل و تحویل کے ذریعہ قبضہ کا تحقق ہوگا، عقار اور غیر منقول اشیاء میں تخلیہ ہی قبضہ قرار پائے گا، اور جو چیزیں

ہاتھ میں لے کر متعین بھی جاتی ہیں، ان میں تخلیہ بالیہ کے بعد ہی قبضہ کا تحقق ہوگا، اور کیلی ووزنی اشیاء میں کیل اور وزن کے ذریعہ قبضہ متحقق ہوگا، علامہ انورشاہ کشمیری نے قبضہ کی حقیقت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے: "واعلم أن القبض یختلف في الأشیاء حسب اختلافها في أنفسها" (انوار محمود ۲/ ۳۳۷)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث محدثین وفقہاء کے نزدیک معلول بالعلۃ ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مشہور حنفی عالم شیخ الاسلام برہان الدین المرغینانی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ہدایہ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی احادیث کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: والحدیث معلول به عملاً بدلائل الجواز (فتح القدیر ۶/ ۲۴۷)۔

یعنی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی حدیث معلول بالعلۃ ہے کیونکہ بیع عقار دلائل کی وجہ سے جائز ہے۔

علامہ ابن الہمام نے "معلول بہ" کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: "والحدیث الذی استدل (معلول به) أی بغرر الانفساخ"۔

اور علت غرر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں نہی کی علت غرر انفساخ کی دلیل یہ ہے کہ وہ تصرف جس میں احتمال غرر نہ ہو وہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں نافذ ہوتا ہے مثلاً غلام کو آزاد کرنا، والدلیل علیه أن التصرف الذی لا یمتنع بالغرر نافذ في المبیع قبل القبض وهو العتق (حوالہ بالا)۔

اور صاحب البنایہ نے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی حدیث کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"والحدیث معلول به أی بغرر انفساخ العقد فیما قبل القبض بهلاک المعقود علیه فیکون مخصوصاً بالمنقول ألا تری أنه یجوز الإعتاق قبل القبض والوصیة" (البنایہ شرح الہدایہ ۶/ ۵۰۹)۔

یعنی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی حدیث علت غرر انفساخ عقد کی وجہ سے معلول ہے کیونکہ قبل القبض معقود علیہ کے ہلاک ہونے کا احتمال رہتا ہے، لہذا یہ حدیث منقول کے ساتھ خاص ہوگی، یہی وجہ ہے کہ قبل القبض اعتاق اور وصیت جائز ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری نے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی حدیث کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"والغرر المنهی غرر انفساخ العقد والحدیث معلول به عملاً بدلائل الجواز" (البحر الرائق ۶/ ۱۲۹)۔

یعنی وہ غرر جس کی ممانعت کی گئی ہے وہ انفساخ عقد کا غرر ہے، دلائل جواز کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے اسلئے کہ اس کی بیع میں علت غرر نہیں ہے۔

اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لأن النهي معلول بغرر انفساخ العقد بخوف الهلاك" (۱/۲۰۰)۔

صاحب اعلاء السنن نے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے علت کی نہی کی وجہ سے نصوص کو منقول کے ساتھ خاص کیا ہے اور علت نہی اندیشہ ہلاکت سے انفساخ عقد کا غرر ہے (اعلاء السنن ۱۴/۲۴۲)۔

علامہ تقی عثمانی نے بھی تکملہ فتح الملہم میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث کو معلول بالعلۃ قرار دیا ہے، چنانچہ لکھا ہے:

"والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به بدلالة الجواز" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳)۔

مذکورہ بالا اقوال و عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور علت نہی غرر انفساخ عقد ہے، یعنی چونکہ قبضہ سے پہلے سامان خریدار کے پاس نہیں آتا ہے تو اس کا احتمال اور اندیشہ رہتا ہے کہ کسی وجہ سے سامان (مبیع) بائع کے پاس ہلاک ہو جائے، اور مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے عقد کو فسخ کرنا پڑ جائے، اگر خریدار قبل القبض بیع کرتا ہے تو وہ ایسے سامان کا نفع حاصل کرتا ہے جو ابھی تک اس کے ضمان میں نہیں آیا ہے، اور حدیث میں "ربح ما لم یضمن" سے ممانعت کی گئی ہے۔

منقولی اشیاء میں اندیشۂ ہلاکت کی وجہ سے فسخ بیع کا احتمال بلکہ ظن غالب رہتا ہے، اسلئے حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ممانعت کی احادیث بیع منقول کے ساتھ خاص ہیں، عقار (اراضی) میں اندیشۂ ہلاکت شاذ و نادر ہی رہتا ہے، اسلئے قبضہ سے پہلے بھی ان دونوں حضرات نے عقار کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، البتہ اگر بیع عقار میں بھی اندیشۂ ہلاکت کی وجہ سے غرر انفساخ عقد ہو تو عقار میں بھی علت نہی کی وجہ سے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ممنوع ہوگی، مثلاً کوئی زمین دریا کے کنارے واقع ہو اور پانی کے بہاؤ کے نتیجہ میں اس کے دریا میں ضم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی زمین میں بھی قبل القبض بیع جائز نہیں ہوگی، چنانچہ تکملہ فتح الملہم میں ہے:

"إن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح ما لم يضمن وإنما يضمن الإنسان ما يخاف فيه الهلاك، وأما العقار فلا يخشى فيه ذلك إلا نادراً حتى لو كان العقار على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض" (حوالہ سابق)۔

یعنی بیع قبل القبض کی علت یہ ہے کہ ایسی صورت میں انسان ایسی چیز کا نفع حاصل کرتا ہے جو اس کے ضمان میں نہیں ہے، اور انسان اسی چیز کا ضمان قبول کرتا ہے جس میں اندیشۂ ہلاکت ہو، زمین میں شاذ و نادر ہی اندیشۂ ہلاکت رہتا ہے، پس اگر کوئی زمین لب دریا ہو یا مبیع مکان کا اوپری حصہ ہو تو قبضہ سے پہلے اس کی بیع درست نہیں ہوگی، حضرت

امام ابوحنیفہ اور ان کے ممتاز شاگرد امام ابو یوسف نے علت نہی کا اعتبار کرتے ہوئے بیع منقول میں علی الاطلاق قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو ممنوع قرار دیا، عقار کی بیع میں چونکہ علت نہی نہیں پائی جاتی ہے اسلئے اسے جائز قرار دیا، البتہ اگر عقار کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں بھی علت غرر موجود ہو تو وہ بھی ناجائز قرار پائے گی۔

غرر کی تعریف اور حقیقت:

جناب نبی کریم ﷺ سے بیع غرر کی ممانعت ثابت ہے" غرر کا لغوی مفہوم، خطر، دھوکہ کسی چیز کو معرض ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اصطلاح فقہاء میں غرر کی تعریف" ما یکون مستور العاقبة (مبسوط ۱۲/۱۹۴) سے کی گئی ہے فقہاء احناف نے غرر کی یہ تعریف کی ہے:

"الغرر ما یکون مجهول العاقبة لا یدری ایکون ام لا" (تعریفات ۱۳۱) بابرتی نے غرر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے " الغرر ما طوی عنک علمه " (الہدایہ ۵/۱۹۲) غرر وہ ہے جس کا علم تم سے پوشیدہ ہو، صاحب فتح القدیر نے بھی غرر کی یہی تعریف کی ہے (۶/۱۳۶)۔

امام قرافی مالکی نے لکھا ہے:

"اصل غرر یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ وہ حاصل ہوگی یا نہیں؟ جیسے ہوا میں اڑنے والا پرندہ یا پانی میں مچھلی، اگر کوئی شخص فضا میں پرواز کرنے والے پرندہ یا پانی میں مچھلی کی بیع کرتا ہے تو یہ بیع غرر ہے کیونکہ پرندہ یا مچھلی کا قبضہ میں آنا موہوم ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے مجہول العاقبہ سے غرر کی تعریف کی ہے، علامہ ابن القیم کے نزدیک غرر سے مراد وہ چیز ہے جس کی سپردگی اور حوالگی پر قدرت حاصل نہ ہو، چاہے وہ چیز موجود ہو یا معدوم، جیسے بھگوڑے یا سرکش اونٹ کی بیع۔

ان تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ بیع غرر سے مراد وہ بیع ہے جس میں دھوکہ ہو اور دھوکہ فریقین میں سے کسی کو لاحق ہو جس سے اس کے مال کے ضیاع کا اندیشہ ہو۔

بیع غرر کے ممنوع ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے، بیع غرر کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً جانور کے تھن میں دودھ کی بیع، جانور کی پشت پر بال اور اون کی بیع، جانور کے حمل کی بیع، پانی میں مچھلی اور فضا میں اڑنے والے پرندہ کی بیع میں غرر کثیر پایا جاتا ہے، اسلئے یہ بیع جائز نہیں ہے۔

البتہ غرر یسیر کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے، حنفیہ کے نزدیک ان چیزوں کی بیع درست ہے جن میں غرر یسیر ہوتا ہے، جیسے کیلا، اخروٹ، اور باقلا کی بیع چھلکے کے ساتھ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی غرر یسیر کی صورت میں بیع جائز ہے، غرر متوسط کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے اسے غرر یسیر کے ساتھ اور بعض فقہاء نے اسے غرر کثیر کے ساتھ شامل کیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۳۰)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے بارے میں علماء کی آراء اوران کے دلائل:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت سے متعلق دو قسم کی احادیث ہیں، بعض احادیث میں مطلقاً قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے ممانعت کی گئی ہے، ان احادیث کا تقاضہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام ہے چاہے بیع منقول ہو یا بیع عقار، ہر دو صورت میں مبیع پر قبضہ سے پہلے صرف طعام (کھانے کی اشیاء) کی بیع سے ممانعت کی گئی ہے، اب رہا یہ سوال کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی احادیث کو ممانعت پر محمول کرتے ہوئے ہر قسم کی بیع میں بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم لگایا جائے، یا مطلق احادیث کو مقید احادیث پر محمول کرتے ہوئے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کا حکم صرف بیع طعام کے ساتھ خاص رکھا جائے گا۔ فقہاء کی ایک جماعت نے مطلق احادیث کو مقید پر محمول کرتے ہوئے صرف بیع طعام کو قبضہ سے پہلے ممنوع قرار دیا، جبکہ بعض فقہاء نے دونوں قسم کی احادیث پر غور وفکر کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ یہ احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت کی علت غرر انفساخ عقد ہے یعنی اندیشہ ہلاکت کی وجہ سے عقد کے فسخ ہوجانے کا احتمال رہتا ہے، لہذا جہاں بھی علت غرر پائی جائے گی وہاں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ممنوع ہوگی، اور جہاں یہ علت نہیں پائی جائے گی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست ہوگی۔

قبضہ سے پہلے بیع طعام کی ممانعت کے بارے میں اہل علم کا اجماع ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے ابن المنذر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

" اجمع أهل العلم على أن من اشترى فليس له ان يبيعه حتى يستوفيه " (المغنی ۱۲۲/۴)۔

بیع طعام کے علاوہ دوسری چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے بارے میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے، علامہ نووی نے المجموع شرح المہذب میں ائمہ کے چار مذاہب نقل کئے ہیں:

۱۔ بیع طعام ہی کی طرح قبضہ سے پہلے کسی بھی چیز کی بیع جائز نہیں ہے، حضرت امام شافعی اور حنفیہ میں سے امام محمد بن حسن شیبانی کی یہی رائے ہے۔

۲۔ مکیلی اور موزونی اشیاء کے علاوہ قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع جائز ہے، حضرت عثمان بن عفان، سعید بن المسیب، حسن، حکم، حماد، اوزاعی، احمد بن حنبل اور اسحاق کا یہی مسلک ہے۔

۳۔ مکانات اور اراضی کے علاوہ قبضہ سے پہلے کسی بھی چیز کی بیع جائز نہیں ہے، البتہ قبضہ سے پہلے مکانات اور اراضی کی بیع درست ہے، حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی یہی رائے ہے۔

۴۔ ماکول (کھانے کی چیزیں) اور مشروب (پینے کی چیزیں) کے علاوہ قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع درست ہے، امام مالک اور ثور کا یہی مسلک ہے، ابن المنذر نے اس رائے کو " اصح المذاہب " قرار دیا ہے (المجموع ۲۷۰/۹)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے فقیہ الحق کی رائے یہ نقل کی ہے کہ ان کے نزدیک قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع

درست ہے، مگر علامہ ابن عبدالبر نے حدیث اور اجماع امت کی وجہ سے اس قول کو مردود قرار دیا ہے (المغنی ۴؍۱۲۲)۔

وجوہ دلائل:

امام شافعی، محمد بن الحسن الشیبانی اور ان کے ہم خیال فقہاء نے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نفی کے عموم پر مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔

۱۔ امام ابوداؤد نے حضرت زید بن ثابت سے یہ حدیث نقل کی ہے:

"ان رسول اللہ ﷺ نہی ان تباع السلع حیث تبتاع حتی یحوزھا التجار الی رحالھم" (تکملہ فتح الملہم ۱؍۳۵۸) یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی جگہ سے سامان خریدا جائے تو وہیں سے فروخت کر دیا جائے الا یہ کہ تم وہ سامان اپنے گھروں میں منتقل کر لے تو پھر ایسی صورت میں بیع جائز ہوگی۔

اس حدیث میں مطلقاً قبضہ سے پہلے سامان فروخت کرنے سے ممانعت کی گئی ہے۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نفی صرف بیع طعام کے ساتھ محدود نہیں رکھا گیا۔ امام شافعی اور ان کے ہم مسلک فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

۲۔ حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میں مختلف چیزیں خریدتا ہوں تو اس میں سے میرے لئے حلال و حرام کی وضاحت فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا اے بھتیجے! قبضہ سے پہلے کسی چیز کو مت فروخت کرو، اور جب تم کوئی چیز خریدو تو اسے قبضہ سے پہلے مت بیچو (حوالہ بالا)

اس حدیث میں بھی قبضہ سے پہلے مطلقاً بیع کی ممانعت کی گئی ہے۔

۳۔ عبداللہ بن عمرو سے منقول ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح ما لم یضمن ولا بیع ما لیس عندک"

اس حدیث میں بیع و شرط، ربح ما لم یضمن یعنی ایسی چیز کا نفع لینے سے منع کیا ہے جو خریدار کے ضمان میں نہ آئی ہو، بیع ما لیس عندک سے فاسد اور ممنوع ہونے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اس میں ربح ما لم یضمن لازم آتا ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے، اور جب تک مبیع پر خریدار قبضہ نہ کر لے اس وقت تک مبیع اس کے ضمان میں نہیں آتی۔ اگر وہ اسے قبل القبض فروخت کر دیتا ہے تو ربح ما لم یضمن لازم آتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف نے بھی انہی دلائل سے استدلال کیا ہے، البتہ ان حضرات نے بیع عقار کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ سے نفی کے عموم سے خارج کیا ہے، کیونکہ بیع عقار کی صورت میں عام طور پر انفساخ عقد کا خدشہ نہیں پایا جاتا ہے۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی صورت میں اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ کسی وجہ سے مبیع بائع کے پاس ہی ۔

اور عقد کو فسخ کرنے کی نوبت آجائے، اس صورت میں اگر خریدار اس چیز کو فروخت کرکے نفع حاصل کرتا ہے، تو وہ ایسی چیز سے نفع حاصل کرنے والا قرار پائے گا جو اس کے ضمان میں نہیں آئی ہے، ایسی صورت کو حدیث میں ربح مالم یضمن سے تعبیر کیا گیا ہے، غور کیا جائے تو یہ علت غرر صرف بیع منقول کی صورت میں پائی جائے گی، کیونکہ منقولات میں اندیشۂ ہلاکت کی وجہ سے غرر انفساخ عقد کا صرف احتمال ہی نہیں بلکہ ظن غالب رہتا ہے، عقار میں اندیشۂ ہلاکت شاذ و نادر ہی رہتا ہے، اسلئے غرر انفساخ عقد کا احتمال نہیں ہے، البتہ عقار میں بھی علت غرر کے پائے جانے کی صورت میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست نہیں ہوگی، چنانچہ علامہ ابن الہمام نے بیع عقار کے جواز کی دلیل پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

"والمانع المشير للنهي وهو غرر الانفساخ بالهلاك منتف (فإن هلاك العقار نادر) والنادر لا عبرة به ولا يبنى الفقه باعتباره فلا يمنع الجواز" (فتح القدیر ۶/۱۳۸)۔

اگر کوئی زمین لب دریا ہو اور پانی کے بہاؤ کے ساتھ اس زمین کے دریا میں شامل ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں علت نہی کے پائے جانے کی وجہ سے قبضہ سے پہلے اس کی بیع درست نہیں ہوگی، قبضہ سے پہلے بیع عقار کا جواز حضرت عثمان اور طلحہؓ سے عملاً ثابت ہے (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۹)۔

حنابلہ نے اپنے مسلک پر حضرت ابن عباس کی حدیث "من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه" سے استدلال کیا ہے، اسی طرح حضرت ابن عمر کی اس حدیث سے بھی حنابلہ نے استدلال کیا ہے کہ: ابن عمر کہتے ہیں کہ میں بقیع میں دنانیر کے ذریعہ اونٹ فروخت کرتا تھا اور دنانیر کے عوض دراہم وصول کرتا، اسی طرح دراہم کے عوض اونٹ فروخت کرتا اور دراہم کی جگہ دنانیر وصول کرتا، میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا قیمت میں ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۱)۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن عمر نے قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کیا اور آپؐ نے اسے جائز قرار دیا، ثمن عوضین میں سے ایک عوض ہے، جب ثمن میں قبل القبض تصرف جائز ہے، تو مبیع میں بھی قبل القبض تصرف جائز ہونا چاہئے، مگر چونکہ بیع طعام کی صورت میں قبضہ سے پہلے نہی وارد ہوئی ہے، اسلئے ہم بیع طعام کو قبل القبض جائز نہیں مانتے ہیں۔

مگر حنابلہ کا حضرت ابن عمر کی حدیث سے استدلال اس وجہ سے درست نہیں ہے کہ اس حدیث میں صرف استبدال ثمن کا تذکرہ ہے قبضہ سے پہلے ثمن کی بیع کا تذکرہ نہیں ہے، اور استبدال ثمن کے جواز میں حنفیہ کا بھی اتفاق ہے، کیونکہ اس میں اندیشہ ہلاکت کی وجہ سے غرر انفساخ عقد نہیں پایا جاتا ہے۔

مالکیہ نے ابن عمر کی مندرجہ ذیل روایت سے استدلال کیا ہے:

"من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه" (رواہ البخاری)، ان ہی سے دوسری روایت منقول ہے:

"لقد رأيت الناس في عهد رسول الله ﷺ يتبايعون جزافا يعني الطعام" فضربوا أن

يبيعوه في مكانهم حتى يؤووه إلى رحالهم۔ اسی طرح حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے: "أما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض، قال ابن عباس: وأحسب كل شيء مثله (حوالہ سابق)۔

مالکیہ کا کہنا ہے کہ ان احادیث میں قبضہ سے پہلے بیع طعام کی صراحت اس بات کی دلیل ہے کہ غیر طعام کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہوگی، مالکیہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے بیع طعام کی نہی کی علت یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بسا اوقات ربا النسیہ کا ذریعہ بن جائے گا اسلئے سدًا للذریعہ اسے ممنوع قرار دیا گیا، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک علت نہی غرر ہے۔

۶۔ قبضہ سے پہلے مال فروخت کرنا:

سوال سے واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی فیکٹری کے مالک سے مال خریدتا ہے اور اس پر قبضہ سے پہلے اور سامان کو اپنی تحویل میں لینے سے پہلے ہی اسی سامان کو کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے، جس وقت اس نے اپنے خریدے ہوئے مال کا معاملہ دوسرے شخص سے طے کیا، اس وقت سامان اس کے قبضہ میں نہیں آیا تھا، اور قبضہ میں نہیں آنے کی وجہ سے اس کے ضمان میں بھی نہیں آیا بلکہ بائع اول ہی کے قبضہ وضمان میں رہا، پھر جب اس نے مشتری ثانی سے معاملہ طے کرلیا تو بائع اول فیکٹری کے مالک سے یہ کہا کہ میں نے جو سامان خریدا ہے وہ سامان براہ راست میرے پاس بھیجنے کے بجائے مشتری ثانی کے پاس روانہ کردو، تو جب سامان بائع اول کی ملکیت اور قبضہ سے نکل کر مزدور کے حوالہ یا سامان اٹھانے والی گاڑی پر رکھا گیا تو یہ سامان بائع اول کے ضمان سے نکل کر مشتری اول کے ضمان میں داخل ہوگیا اور جب تک مشتری ثانی اس پر قبضہ نہ کرے اسی کی ضمان میں رہے گا، ایسی صورت میں چونکہ معاملہ طے کرتے وقت "مال" مشتری اول کے قبضہ میں نہیں تھا (اگرچہ بعد میں آگیا) اسلئے یہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی صورت ہے جس میں ربح مالم یضمن لازم آتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، لہٰذا میرے نزدیک یہ عقد معاملہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے، اگر مشتری اول کی اجازت اور رضامندی سے مشتری ثانی اس پر قبضہ کرلے تو اس کا مالک قرار پائے گا، اور اس پر تصرف کرنا اس کیلئے جائز ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

"وإذا قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع وفي العقد عوضان كل واحد منهما مال ملك المبيع (ہدایہ علی ہامش فتح القدیر ۶/۹۲)۔

البتہ اگر یہ شکل ہو کہ خریدار اول بائع اول مالک کی فیکٹری سے مال خریدلے، اور مالک فیکٹری اس کے درمیان اور مال کے درمیان تخلیہ کردے کہ وہ اپنے مال میں تصرف کرسکے تو محض تخلیہ کی وجہ سے بھی اس کا قبضہ تسلیم کرلیا جائے گا، یا قبضہ حکمی کسی اور طرح ہوجائے اس کے بعد خریدار اول دوسرے کے ہاتھ مال فروخت کرے تو یہ صورت بلا شبہ جائز ہوگی۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت کی ایک مخصوص صورت:

سوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں شپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے اور فروخت کیا ہوا مال اس کے قبضہ اور ضمان سے نکل جاتا ہے، اس صورت میں اگر درمیان میں مشتری تک پہونچنے سے پہلے مال ضائع ہوجائے تو بائع اس کا ضامن نہیں ہوتا ہے، گویا صورت مسئلہ یہ ہوئی کہ ایک شخص نے کسی کے ہاتھ اپنا سامان فروخت کیا، سامان کی فروختگی کے بعد اس نے مشتری کی ہدایت کے مطابق مال بردار جہاز کے حوالہ سامان کردیا، لہذا اب وہ سامان اس کے قبضہ وضمان سے نکل کر مشتری کے قبضہ وضمان میں داخل ہوجائے گا، میرے نزدیک جہاز کے عملہ کا قبضہ جن کی حیثیت مشتری کے اجیر کی ہے مشتری جو مستاجر ہے، کا قبضہ قرار پائے گا، اور اس طرح سے وہ سامان مشتری اول کے قبضہ وضمان میں آجائے گا، مملوک اور مقبوض ہونے کی وجہ سے اس سامان پر مشتری اول کو تصرف کا حق حاصل ہوگا، چاہے وہ اسے فروخت کردے یا کسی کو ہبہ کردے۔

پس جب مشتری اول نے جہاز پر سوار مال کو مقبوض ومملوک ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیا تو یہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت نہیں ہوگی بلکہ بیع مملوک ومقبوض ہونے کی وجہ سے جائز ودرست ہوگی، اور معاہدہ بیع کے مکمل ہوجانے کے بعد جب مشتری اول مشتری ثانی سے مال کی قیمت وصول کرکے اپنی ملک وقبضہ ختم کردے گا تو اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ جہاز کا عملہ مشتری ثانی کے اجیر ہوگئے اور اب ان کی اجرت کی ادائگی مشتری ثانی کے ذمہ واجب ہوگی، اور جہاز کے عملہ کا اس مال پر قبضہ مشتری ثانی کا قبضہ تصور کیا جائے گا اور جب مشتری ثانی کا قبضہ اس پر تسلیم کرلیا گیا تو مال بھی اس کے ضمان میں آگیا، لہذا اگر مشتری ثانی کے مال وصول کرنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو مشتری ثانی کا مال ضائع ہوگا، نہ کہ مشتری اول کا، فتاوی ہندیہ میں اجیر کے قبضہ کو مستاجر کا قبضہ تسلیم کیا گیا ہے۔

"إلا أن يقول استأجر على من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشتري" (فتاوی ہندیہ ۱۹/۳)۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے بیع و شراء کا حکم

مولانا محمد [illegible] مظاہری ندوی

۱۔ احادیث صحیحہ (مصنف عبد الرزاق ۸/۹۸، مسلم شریف، ابو داؤد وغیرہ) کی وجہ سے تمام ائمہ اور اہل علم اس پر متفق ہیں کہ مشتری کیلئے قبضہ سے پہلے اس کی بیع ناجائز ہے، اور یہ ایک ایسا اجماعی مسئلہ ہے کہ صحابہ و اہل علم میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں، البتہ عثمان بتی سے اس کا جواز منقول ہے لیکن تمام علماء نے ان کے قول کو مردود قرار دیا ہے۔

لا يجوز للمشتري بيع أي شيء كان ما كان حتى يقبضه وهو قول جابر ولا يعرف مخالف في الصحابة ولا خلاف فيه بين أهل العلم إلا ما حكي عن عثمان البتي من جواز البيع كل شيء قبل قبضه وهو قول مردود (موسوعة فقه ۱۱-ملحق ۱/۱۸۳)۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ قول حدیث اور اجماع امت دونوں سے بالکل مردود ہے اسلئے اس قول کی طرف التفات کرنا بھی درست نہیں ہوگا۔

قال ابن عبد البر هذا قول مردود بالسنة والحجة المجمعة على الطعام وأظنه لم يبلغه هذا الحديث ومثل هذا لم يلتفت (المغنی ۴/۱۲۳، تکملہ فتح الملہم شرح مسلم ۱)۔

۲۔ یہ بات کہ قبل القبض بیع فاسد ہے یا باطل؟ تو امام شافعی کے نزدیک تو بیع فاسد و باطل میں کوئی فرق ہی نہیں ان کے نزدیک دونوں ایک ہیں، اور احناف کے نزدیک قبل القبض والی بیع فاسد ہے نہ کہ باطل، کیونکہ فاسد و باطل کے درمیان امتیازی فرق یہی ہے کہ بیع باطل اس کو کہتے ہیں جس میں عوضین بیع کے قابل نہ ہوں جیسے مال نہ ہوں، اور اگر عوضین مال ہوں تو پھر بیع کی عدم صحت کے دوسرے اسباب مثلاً شرط فاسد، کسی نص کی مخالفت، ربا وغیرہ لازم آنے سے بیع فاسد ہوتی ہے باطل نہیں، اور دوسرے فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

والباطل والفاسد عند الشافعية واحد وتحرير مذهب الحنفية أن العوضين إن لم يكونا قابلين للبيع فهو باطل وإن كانا قابلين لكن اشتمل على مقتضى عدم الصحة كالربا ففاسد ويفيد بالقبض الملك الخبيث (مرقاة شرح مشكوة ۲/۷۰)۔

اور قبل القبض بیع میں بائع ثانی کی ملک تو نفس عقد سے ثابت ہوتی ہے مگر قبضہ نہیں ہوتا لہٰذا ملك التصرف يستفاد بالقبض كما أن ملك العين يستفاد بالعقد (۱۳/۹۹) اسلئے بیع ثانی

فاسد ہوگی اور اس میں بیع فاسد کے احکام جاری ہوں گے، چنانچہ عنایہ شرح ہدایہ میں قبل القبض بیع کے بیع فاسد ہونے کی صراحت موجود ہے۔ والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسدا قبل القبض (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۶/۱۳۷)۔

۳،۲۔ قبضہ کی حقیقت اور اشیاء منقول وغیر منقول میں قبضہ کی نوعیت کا فرق:

قبضہ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کوئی شئی کسی کے حرز وضمان میں آ جائے یعنی اس کے زیر اثر وزیر تصرف ہو جائے کہ وہ اس میں جو چاہے تصرف کرے، کوئی نقصان وتاوان ہوگا تو وہ بھی اسی کا ہوگا، قبضہ کی اصل حقیقت یہی ہے، باقی تفصیلات وہ سب اسی حقیقت کی علامات ہیں۔

أما القبض فهو أن يأتي بالشئ في حرزه وضمانه كذا يظهر من كلام الحافظ في الفتح (تکملہ فتح الملہم للشیخ تقی عثمانی ۱/۳۵۰، فتح الباری ۴/۳۴۹)۔

کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی البتہ فقہاء کرام نے اپنے اجتہاد سے اشیاء کے منقول وغیر منقول ہونے کے اعتبار سے قبضہ کی خاص صورتوں کی تعیین کی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہر شئی کا قبضہ اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے، چونکہ شریعت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی اسلئے اس کا مدار عرف پر ہے۔

قال ابن قدامة قبض كل شئ بحسابه... لأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالإحراز والتفرق (المغنی ۴/۱۲۵-۱۲۶)۔

اشیاء غیر منقول میں تو صرف تخلیہ کافی ہے (یعنی زمین ومکان سے اپنا قبضہ وتصرف ہٹا کر اس کو خالی کر دینا) کیونکہ عرف میں تخلیہ ہی سے زمین پر قبضہ سمجھا جاتا ہے اور اشیاء منقول میں حمل ونقل کے ذریعہ اور لینے دینے کی چیزوں میں ہاتھ میں لینے سے قبضہ سمجھا جائے گا۔

قبضہ کی یہ تعریف وتفصیل امام احمد وامام شافعی کے مسلک کے مطابق ابن قدامہ نے المغنی میں اور امام نووی نے شرح مہذب میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل فرمائی ہے:

قال النووي قد ذكرنا أن مذهبنا أن القبض في العقار ونحوه بالتخلية وفي المنقول بالنقل وفي المتناول باليد المتناول وبه قال أحمد (شرح مہذب للنووی ۹/۲۸۳)۔

وقال الحافظ في الفتح وفي صفة القبض عن الشافعي تفصيل فما يتناول باليد كالدراهم والدنانير والثوب فقبضه بالتناول (فتح الباری ۴/۳۵۰)۔

۲۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالکؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ وغیر منقولہ دونوں ہی میں تخلیہ کافی ہے، یعنی یہ کہ بائع اپنا قبضہ ہٹا کر مشتری کیلئے راستہ چھوڑ دے کہ اگر وہ قبضہ کرنا چاہے تو کر سکے۔

وقال مالك وأبو حنيفة القبض في جميع الأشياء بالتخلية قياسا على العقار (شرح

مہذب للنووی ۲۸۳/۹)۔

امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ اشیاء غیر منقول میں تو قبضہ کا مدار تخلیہ پر ہے اور اشیاء منقول میں قبضہ کا مدار عرف پر ہے یعنی عرف میں جس صورت میں قبضہ سمجھا جاتا ہو بس وہی کافی ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۳۱۹/۴)۔

فقہاء احناف کے نزدیک قبضہ کا مفہوم وتوسع:

قبضہ کے مفہوم میں سب سے زائد توسع فقہاء احناف کے یہاں پایا جاتا ہے، چنانچہ مبسوط سرخسی، بدائع الصنائع، فتح القدیر، البحر الرائق وغیرہ میں تصریح ہے کہ اشیاء منقول ہوں یا غیر منقول سب میں قبضہ کی حقیقت تسلیم وتخلیہ ہے یعنی بائع مشتری کو مبیع کے حق میں اس طرح کردے کہ مشتری اگر اس پر قبضہ کرنا چاہے تو درمیان میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ ہو جو حقیقت یا عرف وعادت کے اعتبار سے قبضہ کیلئے مانع ہو، یعنی بائع کی جانب سے تسلیم واختیار اور مشتری کی جانب سے قدرت، بس یہ حاصل ہے قبضہ کا، قبضہ کی اس حقیقت کے پائے جانے کے بعد بھی اگر مبیع بائع کے پاس موجود رہے تو وہ بطور امانت ہوگی۔

لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقةً وقال: فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما والمشتري قابضاً (بدائع ۱۴۸/۵۔ ۲۴۱، فتح القدیر ۴۹۶/۵، البحر ۳۰۹/۵)۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ قبضہ کی اس حقیقت کے تحقق کیلئے بھی مشتری یا اس کے نائب کا قریب میں حاضر ہونا ضروری ہے حتی کہ اگر زمین جائداد بھی خریدی جائے اس میں فقہاء نے مشتری کی حاضری کو ضروری قرار دیا ہے۔

إذا باع ضيعة وخلى بينها وبين المشتري إن كان يقرب منها يصير قابضا وإن كان بعيد لا يصير قابضا... المعتبر فيها القرب الذي يتصور معه حقيقة القبض (رد المحتار ۴۳/۴)۔

ابن ہمام اور ابن نجیم نے اجناس کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ قبضہ اور تسلیم کے معتبر اور صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان راستہ چھوڑ دیا یعنی مبیع سے اپنا قبضہ ہٹا کر تمہارے حوالہ کیا، دوسری شرط یہ کہ مشتری اس وقت موجود ہو کہ قبضہ کرنے سے اس کو کوئی مانع نہ ہو، تیسری شرط یہ کہ وہ مبیع علیحدہ ہو یعنی غیر کا حق اس سے متعلق نہ ہو۔

وفي الأجناس يعتبر في صحة التسليم ثلاثة معان أن يقول خليت بينك وبين المبيع وأن يكون بحضرة المشتري على صفة يتأتى فيه الفعل من غير مانع وأن يكون مفرزا غير مشغول بحق غيره (البحر ۳۰۹/۵، فتح القدیر، مجمع الانہر)۔

الغرض قبضہ کیلئے بائع کی جانب سے تخلیہ وتسلیم، اور مشتری کی موجودگی اور مبیع پر بغیر کسی رکاوٹ کے قبضہ کی قدرت، بس یہی حاصل ہے قبضہ کا۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ قبضہ پر قدرت کی کیفیت مبیع کے حال کے اعتبار سے مختلف ہوگی، چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً کسی گودام میں بھرے ہوئے غلہ کی بیع کی تو بائع کا گودام کی چابی مشتری کے حوالہ کردینا جس سے کہ وہ بلا تکلف دروازہ کھول سکے بس قبضہ کے لئے اتنی بات کافی ہے، کسی جانور مثلاً گائے وغیرہ پر قبضہ کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ مشتری کو دکھلا دیا یا اشارہ کردیا کہ وہ گائے موجود ہے چراگاہ میں، کپڑوں وغیرہ میں قبضہ اس طرح ہوگا کہ اگر ہاتھ پھیلا کر لینا چاہے تو لے سکے۔

إن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض ... إلى قوله وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض (شامی ۴/۴۳)۔

قبضہ کی دو قسمیں:

۱۔ حقیقی ۲۔ حکمی۔

فقہاء احناف نے قبضہ کی دو قسمیں فرمائی ہیں: قبضہ حقیقی، قبضہ حکمی۔

حقیقی قبضہ یہی ہے کہ کسی شئی کو ہاتھ سے اپنے قبضہ میں لے لیا جائے (لأن حقيقة القبض التسلم باليد حاشیہ البحر ۵/۳۰۸) اس کو قبضہ حسی بھی کہتے ہیں فقہاء کی تصریح کے مطابق قبضہ حسی کی طرح قبضہ معنوی و حکمی بھی ہوتا ہے بلکہ "تخلیہ" کی حقیقت بھی قبضہ حکمی ہی ہے۔ وحاصله أن التخلية قبض حكما (ردالمحتار ۴/۴۳)۔

قبضہ معنوی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، فقہاء کے کلام میں تتبع کرنے، اصول و جزئیات پر نظر کرنے سے بنیادی طور پر دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں جن سے قبضہ حکمی کا تحقق ہوتا ہے۔

۱۔ ایک تو یہ کہ مشتری مبیع میں ایسا کوئی اقدام یا ایسا کوئی تصرف کرے جس سے مبیع تلف یا عیب دار ہوجائے، یا اس کی ملک سے خارج ہوکر دوسرے کی ملک میں منتقل ہوجائے، یہ تصرف اور یہ اقدام قبضہ حکمی ہے جس سے کہ مبیع بائع کے ضمان سے خارج ہوکر مشتری کے ضمان میں داخل ہوجاتی ہے۔

وأما الثاني فالمشتري إذا أتلف المبيع أو أحدث عيبا قبل القبض يصير قابضا (البحر ۵/۳۰۷)۔

کیونکہ جب تخلیہ وتمکین کو قبضہ کہا گیا ہے (جس کا حاصل قدرت علی التصرف ہے) تو نفس تصرف جو قدرت علی التصرف سے بڑھ کر ہے بدرجہ اولی قبضہ کہنا چاہئے۔

لأنه صار قابضا بالتخلية فبالإتلاف أولى لأن التخلية تمكين من التصرف في المبيع والإتلاف تصرف فيه حقيقة (بدائع ۵/۲۴۴)۔

البتہ ان تصرفات میں کچھ تفصیل ہے ہر تصرف کو قبضہ کیلئے کافی نہیں سمجھا گیا، اصولی طور پر تصرفات کی دو

قسمیں ہیں: ایک تو وہ تصرفات کہ قبضہ کے بغیر جن کی تکمیل نہیں ہوتی مثلاً ہبہ، عاریت، ودیعت وغیرہ، کہ جب تک قبضہ کامل نہ ہو یہ تصرفات ناقص رہتے ہیں، دوسرے وہ تصرفات کہ قبضہ کے بغیر بھی درست ہو جاتے ہیں مثلاً بیع وغیرہ، تو پہلی قسم کے تصرفات سے تو مشتری مبیع پر قابض سمجھا جائے گا اور دوسری قسم کے تصرفات میں مشتری مبیع پر قابض نہ سمجھا جائے گا، یعنی پہلی قسم کے تصرفات قبضہ حکمی میں داخل ہیں اور دوسری صورت کے نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل بحر، عنایہ، فتح القدیر، خانیہ وغیرہ میں امام محمدؒ کے حوالے سے منقول ہے (دیکھئے فتح القدیر ۹ ر ۱۳، عنایہ شرح ہدایہ ۹ ر ۱۳۶، بحر ۵ ر ۳۰۲، شامی ۴ ر ۳۳)۔

اس تفصیل کے پیش نظر مشتری نے اگر مبیع پر قبضہ سے پہلے بیع کر دی تو درست نہیں، البتہ اگر قبضہ سے پہلے ہبہ کر دیا تو درست ہے، چنانچہ فتاوی بزازیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

لا يصح بيع المنقول قبل قبضه من البائع أو الأجنبي (بزازيہ ۴ ر ۳۹۹)۔

۲۔ قبضہ حکمی و معنوی کا دوسرا معیار یہ ہے کہ انعقاد بیع کے بعد خود مشتری یا اس کا نائب و وکیل ایسی کوئی بھی صورت اختیار کرے جس سے کہ عرف میں وہ بیع مشتری کیلئے نامزد، مخصوص و متعین اور زیر اثر و تصرف سمجھی جائے بس اسی سے مشتری کو قابض سمجھا جائے گا، گو مبیع بائع کے پاس موجود ہو، مثال کے طور پر فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص نے سر کہ یا اس جیسی کوئی شئی خریدی جو ابھی بائع کی دکان یا اس کے گھر میں موجود ہے اور اسی حال میں بائع نے مشتری کو مبیع پر قبضہ کرنے کا اختیار دیا اور مشتری نے مبیع پر مہر یا ایسی کوئی علامت لگادی جس سے وہ مبیع متعین اور نامزد ہوگئی گویا مشتری نے اس کو اپنے زیر اثر و تصرف کر لیا، اس صورت کے متعلق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مشتری کو مبیع پر قابض سمجھا جائے گا اور مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہوگئی گو ابھی بائع کے پاس ہی موجود ہے۔

ولو باع خلا وسجوه في دن وخلي بينه وبين المشتري في دار نفسه وختم المشتري على الدن فهو قبض (كذا في فتح القدير ۵ ر ۳۷۹)۔

اسی طرح فقہاء نے اور بھی جزئیات تحریر فرمائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتری کا بائع سے ایسی کوئی بات کہنا یا ایسی کوئی صورت اختیار کرنا جس سے کہ عرف میں مبیع مشتری کے حرز و ضمان میں سمجھی جاتی ہو اور اسی کے زیر اثر و تصرف ہو جاتی ہو قبضہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر کسی شخص نے غلہ خرید کر بائع سے یوں کہا کہ اس کو چکی میں پیس دو، یا غلہ خرید کر یوں کہا کہ اس کو اس بورے میں بھر دو، اتنا کہنے سے مشتری کو مبیع پر قابض سمجھا جائے گا، اس کے بعد اب بائع جو تصرف کرے گا یعنی بورے میں غلہ بھرنا، آٹا پیسنا یہ سب مشتری کی نیابت اور وکالت میں ہوگا اور اب بائع کا قبضہ مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا، اب ایسی صورت میں اگر بائع مشتری کے حکم سے مبیع کسی دوسری جگہ بھیجے گا تو وہ مشتری کی نیابت ہی میں بھیجے گا، یہ وہ تفصیل ہے جو علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں تحریر فرمائی ہے:

ولو اشترى من إنسان كرا بعينه ودفع غرائره وأمره بأن يكيل فقعل صار قابضا سواء

كان المشتري حاضرا أو غائبا لأن المعقود عليه معين وقد ملكه المشتري بنفس العقد فصح أمر المشتري لأنه تناول عينا هو ملكه فصح أمره وصار البائع وكيلا له وصارت يده يد المشتري وكذلك الطحن إذا طحن البائع بأمر المشتري صار قابضا (بدائع ۵/۲۴۷)۔

اس تفصیل کے پیش نظر اگر کوئی شخص مثلاً کسی فیکٹری یا کمپنی سے مال خریدتا ہے اور کمپنی سے فروخت شدہ مال کو دوسری جگہ اپنے مشتری کے پاس بھیجنے کو کہتا ہے، ایسی صورت میں مشتری کا اپنے مخصوص و متعین مال کو دوسری جگہ بھیجنے کیلئے کہنا ہی قبضہ کے قائم مقام سمجھنا چاہئے جیسا کہ غلہ خرید کر آٹا پیسنے کا حکم دینے کو قبضہ کے قائم مقام کیا گیا۔

لیکن چونکہ یہ کہنا اور دوسری جگہ بھیجنے کا حکم دینا ہی قبضہ کے قائم مقام ہے لہذا اس حکم سے پہلے اگر دوسری جگہ اس مال کی بیع کر چکا ہے پھر بھیجنے کا حکم دیا تو یہ صورت بیع قبل القبض کی ہوگی اور ناجائز ہوگی، البتہ بھیجنے کا حکم پہلے دے کر پھر اپنے مشتری سے معاملہ کیا جائے تو یہ صورت بعد القبض بیع کی ہوگی اور درست ہوگی۔

ولو أودعه أو أعاره أجنبيا صار قابضا لأن الإعارة والإيداع صحيح (بدائع ۵/۲۳۶)۔

قبل القبض بیع کی ممانعت کی علت:

بیع قبل القبض کی ممانعت متعدد احادیث میں وارد ہوئی ہے، ائمہ مجتہدین نے ان احادیث کو معلول بالعلت قرار دیا ہے، اگر علت پائی جائے گی تو ممانعت کا حکم باقی رہے گا ورنہ نہیں۔

ائمہ مجتہدین کے کلام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل القبض بیع کی ممانعت کی تین علتیں ہیں اور وہ علتیں ایسی ہیں جو خود بھی مستقلاً حدیث سے ثابت ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) احتمال غرر، (۲) ربح مالم یضمن، (۳) احتمال ربا النسیہ۔

پہلی علت:

پہلی علت یعنی "احتمال غرر" اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ قبل القبض بیع کرنے میں اس بات کا خطرہ اور احتمال ہے کہ شاید قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہو جائے اور فسخ عقد کی نوبت آجائے کیونکہ مشتری خود نہیں جانتا کہ قبضہ سے پہلے مبیع باقی رہے گی یا ہلاک ہو جائے گی اور اسی حال میں بیع کر رہا ہے یہ صورت بلاشبہ غرر و خطر کی ہے، اور غرر حرام ہے، بکثرت احادیث و آثار صحابہ میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، الغرض چونکہ قبل القبض بیع میں غرر کا احتمال ہے جس کی ممانعت منصوص ہے اس علت کے پیش نظر قبل القبض بیع ممنوع ہے۔

لا يجوز بيع المنقول قبل القبض لأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك قبل القبض لأنه إذا هلك المبيع قبل القبض ينفسخ العقد فيتبين أنه باع ما لا يملك والغرر حرام لما روينا أي أنه يحتمل الهلاك فلا يدري المشتري هل يبقى المبيع أو يهلك قبل القبض (تبیین الحقائق ۴/۸۰، فتح القدیر ۶/۱۳۶، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۷۲)۔

اس علت کا فقہاء احناف نے خاص طور پر ذکر فرمایا ہے، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اشیاء غیر

منقولہ جائداد وغیرہ کی قبل القبض بھی بیع جائز ہے کیونکہ ممانعت کی علت یعنی مبیع کی ہلاکت کا احتمال اور غرر کا خطرہ اس میں نہیں ہے، اور اگر اس میں بھی ہو تو پھر اس کا بھی یہی حکم ہے، امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ شوافع وحنابلہ نے بھی اس علت کو اختیار فرمایا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۶۷-۳۷۵)۔

دوسری علت:

قبل القبض بیع ممنوع ہونے کی دوسری علت "ربح مالم یضمن" ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ بیع سے مقصود ربح یعنی نفع حاصل کرنا ہے اور "ربح مالم یضمن" یعنی مشتری کا ایسی شئی سے نفع حاصل کرنا جو ابھی اس کے ضمان میں نہ آئی ہو شرعاً منع ہے، حضور ﷺ نے صراحۃً اس سے منع فرمایا ہے۔

أخبرنا عبد الرزاق قال أخبرنا معمر عن أيوب عن عمرو بن شعيب عن أبيه نهى رسول الله ﷺ عن سلف وعن بيع ما ليس عندك وعن ربح ما لم تضمن. (مصنف عبدالرزاق ۸/۳۹)۔

اور قبل القبض بیع ربح مالم یضمن کو مستلزم ہے، لہذا جب تک مبیع مشتری کے ضمان میں نہ آجائے اس وقت تک اس کی بیع درست نہ ہوگی، اور ضمان میں آنے کی شکل صرف قبضہ ہے نہ کہ شرط ضمان، اسی وجہ سے امام ترمذیؒ نے امام احمدؒ سے حدیث کے الفاظ مالم یضمن کی تفسیر مالم یقبض سے فرمائی ہے۔

قوله لم تضمن فسره أحمد بقوله ما لم تقبض ذكره الترمذي (حوالہ سابق)۔

ممانعت کی اس علت کو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے اختیار فرمایا ہے، اور اسی علت ہی کی وجہ سے اپنے استاد وامام کے مسلک کے خلاف اشیاء غیر منقولہ کی بیع کو بھی قبضہ سے پہلے ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ اگرچہ اس میں ہلاکت کا خطرہ نہ ہونے کی وجہ غرر کا احتمال نہیں لیکن "ربح مالم یضمن" کی علت تو موجود ہے کہ ایک شئی کے ضمان میں داخل ہوئے بغیر اس سے نفع اٹھارہا ہے اور یہ منع ہے۔

وقال صاحباه إن لم يكن فيه غرر الانفساخ ففي بيعه قبل القبض ربح ما لم يضمن وهو منهي عنه (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۵، مبسوط ۳/۱۳، عنایہ علی الہامش ۶/۱۳۷)۔

تیسری علت:

قبل القبض بیع ممنوع ہونے کی تیسری علت "احتمال ربا النسیئہ" ہے، اس کو صرف مالکیہ نے اختیار کیا ہے اور بطور حکمت کے ابن قیمؒ نے بھی تہذیب السنن (۵/۱۳۷) میں ذکر فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ قبل القبض بیع ربا النسیئہ کا ذریعہ ہے اس لئے سد ذرائع کے طور پر اس کی ممانعت کی گئی، اور وہ اس طرح کہ مثلاً ایک شخص نے سو روپے کا غلہ خریدا اور غلہ پر قبضہ کئے بغیر اس مشتری نے دوسرے کے ہاتھ ایک سو بیس روپے میں فروخت کر دیا تو یہ ایسا ہوا کہ گویا اس نے سو روپے کے عوض سو روپے دیئے اور یہ بیس روپے سود کے ہوگئے کیونکہ مشتری نے مبیع میں کچھ بھی تصرف نہیں کیا، یہ تفصیل اسی مثال کے ساتھ علامہ شوکانی نے تحریر فرمائی ہے جس کو مولانا ظفر احمد نے نقل

فرمایا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے نیل الاوطار ۵/۲۱۱، اعلاء السنن ۱۴/۲۲۵)۔

چونکہ یہ صورت ربا نسیئہ کے مشابہ ہے اسلئے سدِ ذرائع کے طور پر اس کی ممانعت کی گئی، اور چونکہ اس کی علت ربا نسیئہ ہے اسی وجہ سے امام مالکؒ کے نزدیک اس کی ممانعت صرف مطعومات یعنی کھانے پینے کی چیزوں میں ہوگی وہ بھی اس وقت جبکہ کیل ووزن کے ساتھ اس کی بیع ہو، اور اگر اس کے بغیر ہو تو ارتفاعِ علت کی وجہ سے یہ ممانعت بھی نہ ہوگی بلکہ قبل القبض بھی اس کی بیع (جزافا) جائز ہوگی (دیکھئے الفقہ الاسلامی ۴/۴۷۲)۔

ممانعت کی یہ علت حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے، علامہ شوکانی نے اس کی تحسین فرمائی ہے:

وسئل ابن عباس عن سبب هذا النهي فقال الدراهم بالدراهم والطعام رباً الخ (نیل الاوطار ۵/۲۱۱، اعلاء السنن ۱۴/۲۲۵)۔

اور بعض علماء کے فرمان کے مطابق قبل القبض بیع کی ممانعت معلول بالعلت نہیں بلکہ یہ امر تعبدی ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

الغرض قبل القبض بیع کی ممانعت پر ائمہ اربعہ متفق ہیں گو علتوں میں فرق ہے، اور قبل القبض ممانعت کی بیع اتنی شدید ہے کہ مسلم شریف کی ایک روایت میں قبل القبض بیع کرنے پر ضرب و تادیب کا ذکر آیا ہے (مسلم شریف حدیث نمبر ۳۷۰۳، تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۷)

بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم عام ہے یا مخصوص:

جن احادیث میں قبل القبض بیع کی ممانعت آئی ہے وہ مطلق ہیں اور عام ہیں جس کا مقتضی یہ تھا کہ یہ حکم اشیاء منقولہ وغیر منقولہ سب کو عام ہوتا لیکن ائمہ مجتہدین نے حدیث کی علت کے پیش نظر اس حکم میں تخصیص فرمائی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حضرت امام شافعیؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منقولات، غیر منقولات، مکیلات، موزونات، مذروعات، معدودات سب کو عام ہے، کسی بھی مبیع کی بیع قبل القبض درست نہیں، ان حضرات کے نزدیک دلیل اس کی یہی ہے کہ حدیث "نهى عن بيع مالم يقبض" عام ہے لہذا اس کا حکم بھی عام رہے گا، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ بیع کی صحت کے واسطے چونکہ مبیع پر قدرت علی التسلیم شرط ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ مبیع مقبوض ہو، غیر مقبوض پر قدرت علی التسلیم کا تحقق نہیں ہوتا (المہذب ۱/۲۶۳، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۷۵، اعلاء السنن ۱۴/۲۲۴)۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قبل القبض بیع کی ممانعت کا حکم اشیاء منقولہ کے ساتھ خاص ہے۔

إن أبا حنيفة خص النصوص بالمنقول بعلة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاك قبل القبض (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۴)۔

اشیاء غیر منقولہ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ اس کی علت مبیع کی ہلاکت کا خطرہ اور اس کے نتیجہ میں فسخ عقد کا احتمال ہے جو غرر کی صورت ہے اور یہ علت اشیاء غیر منقول میں نہیں پائی جاتی، علت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے

کیونکہ مبیع کے بائع کے ضمان سے خارج ہونے کیلئے قبضہ شرط ہے اور قبضہ یہاں پایا نہیں گیا لہذا مبیع ابھی مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی، اور نفس ضمان کی شرط قبضہ کے تحقق کیلئے کافی نہیں کیونکہ ضمان کا انتقال خود قبضہ پر موقوف ہے اور قبضہ ضمان کا موقوف علیہ ہے، ایک ہی شی موقوف اور وہی موقوف علیہ ہو یہ کیسے ممکن ہے، اور اقتضاءً قبضہ بھی نہیں کہا جاسکتا ورنہ پھر قبل القبض بیع ممنوع ہونے کی کوئی بھی صورت نہ ہوگی، اور اس مضمون کی احادیث بے معنی ہوکر رہ جائیں گی، یہ گفتگو احناف کے مسلک کے مطابق ہے۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی مبیع کے مشتری کے ضمان میں داخل ہونے کیلئے قبضہ شرط ہے اس کے بغیر ضمان منتقل نہ ہوگا، ابن رشد مالکیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

وعند الشافعي أن القبض شرط في دخول المبيع في ضمان المشتري (بدایۃ المجتہد ۲/۱۰۹)۔

قال الشافعي كل مبيع من ضمان البائع حتى يقبضه المشتري (المغنی ۴/۱۲۲)۔

(۳) امام مالکؒ کے نزدیک مطعومات کیلیہ وزنیہ میں انتقال ضمان کیلئے قبضہ شرط ہے اس کے علاوہ دیگر مبیعات میں نفس عقد ہی سے مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے۔

وعمدة المالكية أن الجزاف ليس فيه حق توفية فهو عندهم من ضمان المشتري بنفس العقد (بدایۃ المجتہد ۲/۱۱۰)۔

(۴) امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مکیلی و موزونی اور معدودی اشیاء کے علاوہ جملہ مبیعات میں قبضہ کے بغیر نفس عقد ہی سے مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے۔

ما عدا المكيل والموزون والمعدود فإنه يدخل في ضمان المشتري قبل قبضه (المغنی ۴/۱۲۲)۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک پر ایک مسئلہ کے ضمن میں تفریع کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ اگر مبیع متعین ہو تو نفس عقد ہی سے مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے۔

وفرع بعضهم على ذلك أن المبيع إذا كان معينا دخل في ضمان المشتري بمجرد العقد ولو لم يقبض بخلاف ما يكون في الذمة فإنه لا يكون من ضمان المشتري إلا بعد القبض (فتح الباری باب ۵۷، ۴/۳۵۲)۔

مذکورہ بالا مذاہب کی تفصیل کے پیش نظر کسی مسلک کی رو سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ محض یہ شرط لگا دینے سے کہ "نقصان ہونے کی صورت میں بائع پر اس کا ضمان نہ ہوگا" اتنا کہہ دینے سے مبیع بائع کے ضمان سے خارج نہ ہوگی۔

بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ صورت مسئولہ میں مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہوگئی تب بھی ربح مالم

بضمن کے علاوہ ممانعت وعدم جواز کی دوسری علت "قبل القبض" کی موجود ہے، اور ضمان کی شرط لگا دینے سے قبضہ کا تحقق کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، البتہ جن ائمہ کے یہاں جن صورتوں میں بیع قبل القبض کی اجازت ہے ان صورتوں میں جواز ہوگا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

جواز اور گنجائش کی صورتیں:

(۱) فیکٹریوں اور کمپنیوں کے توسط سے تجارت کرنے میں جس میں کہ مشتری اول مبیع پر قبضہ سے پہلے ہی اس کو فروخت کر دیتا ہے اور اسی کے حکم سے کمپنی مشتری اول کے مشتری کو مال روانہ کر دیتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ صورت قبل القبض بیع کی ہے جو احناف وشوافع کے نزدیک تو ناجائز ہے، لیکن مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک بلاشبہ جائز ہے کیونکہ ان حضرات کے نزدیک صرف طعام یعنی کھانے پینے کی چیزیں جو کیل یا وزن سے فروخت کی جائیں ان کی بیع تو قبل القبض ناجائز ہے اس کے علاوہ جملہ اشیاء کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، کیونکہ نفس عقد ہی سے مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے، اسلئے موجودہ حالات میں کوئی حرج نہیں کہ ضرورت عامہ کے پیش نظر مسلک حنفی سے عدول کر کے مالکیہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے جواز کا حکم لگایا جائے۔

اس سلسلہ میں محقق تھانوی کا فرمان بار بار غور سے پڑھنے کے قابل ہے، وہ فرماتے ہیں:

"میں نے چاہا تھا کہ تمام اہل معاملہ اپنے اپنے معاملات کو سوالات کی صورت میں جمع کر کے مجھ کو دیں خواہ وہ تجارت پیشہ ہوں یا زراعت پیشہ ہوں یا ملازمت پیشہ، میں کوشش کر کے ان کے متعلق روایتیں جمع کر دوں گا اور احکام بتلا دوں گا، اگر کسی مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر جواز نہ نکلا تو میں نے یہ طے کیا تھا کہ امام شافعی کے مذہب پر فتویٰ دوں گا، امام مالکؒ کے مذہب پر فتویٰ دوں گا، امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر فتویٰ دوں گا، اور ان سے بھی کوئی صورت نہ نکلے گی تو ان کی سہل تدابیر بتلاؤں گا کہ یوں کر لیا کرو جس صورت سے جواز نکل آتا، اور اگر کوئی بات سمجھ سے باہر ہوتی تو اس کا علاج نہیں معذوری ہے، لیکن اب اتنے بڑے کام کی ضعف کی وجہ سے ہمت نہیں (ملفوظات حکیم الامت ۳/۳۱۳)۔

الغرض زیر بحث مسئلہ میں طعام یعنی کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ میں مسئلہ آسان ہے کہ مالکیہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے جواز کا فتویٰ دیا جائے اور چونکہ نفس عقد ہی سے مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے لہذا ضمان کی شرط لگانے بغیر بھی مشتری ہی پر ضمان ہوگا بلکہ اس کے خلاف شرط لگانے کی صورت میں بھی مشتری ہی پر ضمان ہونا چاہیے۔

(۲) البتہ طعام یعنی کھانے پینے کی چیزوں کی تجارت میں پھر بھی مسئلہ محل غور ہے، کیونکہ مطعومات کی بیع قبل القبض کسی کے نزدیک جائز نہیں، اور ضمان کی شرط عائد کر دینے سے قبضہ کسی کے نزدیک نہیں ہوتا، نیز دونوں علتیں مستقل ہیں، ضمان کی شرط کے باوجود قبل القبض بیع کی خرابی لازم آئے گی اسلئے اس کے جواز کی آسان صورت یہی ہے کہ حنفی مسلک کے مطابق مشتری اگر حسی قبضہ پر قادر ہو تو خود جا کر یا اپنے وکیل کو بھیج کر کم از کم قبضہ حسی ومعنوی

کرے جس سے کہ مبیع اس کے ضمان میں داخل ہو جائے، قبضہ معنوی کی صورتیں ماقبل میں گذر چکیں۔

(۳) جواز کی ایک شکل یہ ہے کہ کمپنی یا فیکٹری جس ذریعہ اور واسطے سے مشتری کا مال دوسری جگہ بھیجتی ہے یہ مشتری اس ذریعہ اور واسطہ کو اپنا وکیل ہمیشہ کیلئے بنادے خواہ وہ ایک ہوں یا متعدد، مثلاً یہ کہہ دے کہ فلاں کمپنی سے میرا مال آیا کرے گا اس کو اپنے قبضہ میں لے کر حسب ہدایت پہنچایا کرنا اس صورت میں وہ واسطہ مشتری کا وکیل سمجھا جائے گا اور مبیع بائع کے ضمان سے خارج ہو کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی۔

(۴) جواز کی ایک شکل یہ ہے کہ ابھی بیع کا معاملہ نہ کرے بلکہ وعدہ بیع کرے، جب مال مشتری ثانی کے پاس پہونچ جائے تب بیع کا معاملہ کرے اور اگر پہلے کر بھی چکا ہے تو مال پہنچنے کے بعد پھر سے بیع کرے تاکہ یہ معاملہ درست ہو جائے، اخیر کی دونوں صورتوں کا تذکرہ مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی میں کیا ہے (احسن الفتاوی ششم)۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے فروختگی

مولانا جمیل احمد نذیری

۱۔ قبضہ سے پہلے بیع کا حکم:

قبضہ سے پہلے بیع کی دو صورتیں ہیں:

الف: ملکیت میں نہ ہونا، لہذا اگر شخص ایسی چیز کو فروخت کرے جو اس کی ملکیت میں نہ ہو، تو یہ بیع باطل ہے۔

بیع ما لیس فی ملکہ باطل (رد المحتار ۳/۱۱۹) اس چیز کی بیع جو بائع کی ملکیت میں نہ ہو باطل ہے۔

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

أن یبیع منہ متاعاً لا یملکہ ثم یشتریہ من مالکہ و یدفعہ إلیہ وھذا باطل لأنہ باع ما لیس فی ملکہ وقت البیع وھذا معنی قولہ قال (لا تبع ما لیس عندک) أی شیئاً لیس فی ملکک حال العقد (مرقاۃ المفاتیح ۳/۸۱)۔

خریدار کو ایسا سامان فروخت کیا جس کا مالک نہیں، پھر اسے مالک سے خریدے اور خریدار کو دے، یہ بیع باطل ہے، اس لئے کہ اس نے ایسی چیز فروخت کی ہے جو بیع کے وقت اس کی ملکیت نہیں، یہی مطلب ہے حضورؐ کے اس فرمان کا کہ جو تمہارے پاس نہ ہو اسے مت فروخت کرو یعنی جو چیز عقد کے وقت تمہاری ملکیت میں نہ ہو اسے مت بیچو۔

ب: ملکیت میں ہو لیکن قبضہ میں نہ ہو، ایسی چیز کو فروخت کرنا بیع فاسد ہے۔

و فی معنی ما لیس عندہ فی الفساد بیع العبد الآبق و بیع المبیع قبل القبض و فی معناہ بیع مال غیرہ بغیر إذنہ لأنہ لا یدری ھل یجیز مالکہ أم لا؟ (حوالہ سابق)۔

جو چیز بائع کے پاس نہیں اس کی بیع کے فاسد ہونے میں وہ صورت بھی داخل ہے جب بھاگا ہوا غلام فروخت کرے یا قبضہ سے پہلے مبیع فروخت کرے، اور اسی کے معنی میں وہ صورت بھی ہے جب غیر کے مال کو غیر کی اجازت کے بغیر فروخت کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا مالک اجازت دے گا یا نہیں۔

یہ آخری صورت امام شافعیؒ کے نزدیک بیع فاسد ہے، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مالک کی اجازت پر موقوف ہے (حوالہ سابق)۔

ومن البیع الفاسد أن یتصرف المشتری ما اشتراہ قبل قبضہ (الفقہ علی المذاہب

الاریب ۲/۲۳۳)۔

بیع فاسد میں سے یہ بھی ہے کہ مشتری مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت "تخلیہ" ہے، درمختار میں ہے:

ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل و شرط في الأجناس شرطاً ثالثاً وهو أن يقول خليت بينك و بين المبيع فلو لم يقله أو كان بعيداً لم يصر قابضاً (درمختار ۴/۴۷-۴۸)۔

حوالگی "تخلیہ" یعنی مشتری اور مبیع کے اکٹھا ہونے کی حالت میں اس طرح آزاد چھوڑ دینے سے ہوتی ہے کہ مشتری مبیع پر بغیر مانع و بغیر حائل کے قبضہ پر قادر ہو جائے، اجناس میں ایک اور شرط بھی لگائی گئی ہے وہ یہ کہ کہے کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کیا، پس اگر یہ نہ کہے، یا مبیع دور ہو تو قابض نہ ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

ترجمہ: (اس طرح آزاد چھوڑ دیا کہ قبضہ پر قادر ہو جائے گا) نتیجہ یہ ہے کہ اگر گندم خریدے کسی گھر میں اور بائع مشتری کو اس گھر کی کنجی دے کر کہے میں نے تمہارے اور گندم کے درمیان تخلیہ کیا تو یہ قبضہ مانا جائے گا، اور اگر کچھ نہیں کہا تو قبضہ نہیں مانا جائے گا، اور اگر ایسے گھر کو جو وہاں موجود نہیں ہے پس بائع نے کہا میں نے وہ گھر تمہارے سپرد کیا، مشتری نے کہا میں نے اس پر قبضہ کر لیا تو قبضہ نہیں مانا جائے گا، اور اگر قریب ہو تو قبضہ مانا جائے گا، قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مشتری اس پر تالا لگانے پر قادر ہو اور اگر تالا لگانے پر قادر نہ ہو تو دور مانا جائے گا، جمع النوازل میں ہے کہ گھر کی بیع میں کنجی دے دینا قبضہ وحوالگی ہے جب وہ اسے بلا کلفت ومشقت کھول دینے کیلئے مستعد ہو، اور اگر گائے کو گھر کے صحن میں خریدا، بائع نے کہا جاؤ قبضہ کر لو، پس اگر وہ اس طرح دکھائی دے کہ اس کی طرف اشارہ کرنا ممکن ہو تو قبضہ مانا جائے گا، اور اگر کپڑا خریدا، بائع نے کہا کہ اس پر قبضہ کر لو، مشتری نے قبضہ نہیں کیا، یہاں تک کہ اس کپڑے کو کسی دوسرے نے لے لیا، تو جب بائع نے قبضہ کرنے کا حکم دیا تھا، اگر مشتری کیلئے بغیر کھڑے قبضہ کرنا ممکن تھا تو حوالگی صحیح ہوگی (گویا دوسرے کے لے لینے سے نقصان مشتری کا ہوا، بائع کی ذمہ داری نہیں ہے) اور اگر بغیر کھڑے ہوئے قبضہ ممکن نہیں تھا تو حوالگی صحیح نہیں ہوگی (دوسرے کے لینے سے نقصان بائع کا ہوا) اور اگر کوئی چوپایا کوئی گھوڑا کسی گھر میں خریدا، بائع نے قبضہ کرنے کا حکم دیا، مشتری نے دروازہ کھولا، گھر میں گیا، تو اگر کسی مددگار کے بغیر پکڑنا ممکن ہو تو قبضہ مانا جائے گا، یہ ساری بحث البحر الرائق میں ہے، خلاصہ یہ کہ "تخلیہ" اس وقت حکما قبضہ ہے جب بغیر کلفت و پریشانی کے اس پر قدرت ہو، لیکن یہ چیز مبیع کے حال کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے، مثلاً گھر میں گندم فروخت کیا ہو تو کنجی کا دینا اس وقت قبضہ ہوگا جب گھر کو بلا کلفت کھولنا ممکن ہو، اور گھر کی بیع میں قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب تالا بند کرنا ممکن ہو، اس سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ گھر اسی شہر میں ہو، چراگاہ میں گائے کی فروختگی میں قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب وہ دکھائی دے اور اس کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہو، کپڑے میں "تخلیہ" کو قبضہ اس وقت قرار دیا

جائے گا کہ ہاتھ بڑھانے سے ہاتھ کپڑے تک پہونچ جائے، گھوڑے اور چڑیا میں "تخلیہ" قبضہ اس وقت ہے، جب اس گھر میں جا کر بلا معین و مددگار کے اس کو پکڑنا ممکن ہو (ردالمحتار ۴ر ۴۲)۔

صاحب درمختار کے قول بلا مانع ولا حائل کی شرح کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں:

(قوله بلا مانع) بأن يكون مفرزا غير مشغول بحق غيره فلو كان المبيع شاغلا كالحنطة في جوالق البائع لم يمنعه بحر وفي الملتقط ولو باع دارا أو سلمها إلى المشتري وله فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليما حتى يسلمها فارغة وكذا لو باع أرضا وفيها زرع........ (قوله ولا حائل) بأن يكون في حضرته الخ.

بلا مانع کا مطلب یہ ہے کہ وہ خالص و علیحدہ ہو، حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو، پس اگر مبیع شاغل ہو، مثلاً گندم بائع کے بوروں میں ہو تو قبضہ سے مانع نہ ہوگا (البحر الرائق)، اور ملتقط میں ہے کہ اگر کوئی گھر بیچا یا گھر مشتری کے حوالہ کیا اور اس میں بائع کا سامان ہے، کم ہو یا زیادہ تو یہ حوالگی نہیں مانی جائے گی یہاں تک کہ خالی کر کے دے، ایسے ہی اگر زمین بیچے اور اس میں پیداوار ہو تو جب تک خالی کر کے نہیں دے گا قبضہ اور حوالگی نہ ہوگی...... اور بغیر حائل کا مطلب یہ ہے کہ حوالگی اور تخلیہ مشتری کی موجودگی میں ہو۔

محض قبضہ و تسلیم کے اقرار سے شرعاً قبضہ نہیں مانا جائے گا، درمختار میں ہے:

فإنهم يشترون قرية ويقرون بالتسليم والقبض وهو لا يصح به القبض على الصحيح

لوگ گاؤں خریدتے ہیں، حوالگی اور قبضہ کا اقرار کرتے ہیں، لیکن صحیح مذہب کے مطابق اس سے قبضہ صحیح نہیں ہوتا۔

ردالمحتار میں عبارت بالا کی شرح میں ہے:

ترجمہ: اگر گھر دور ہو تو اگرچہ بائع کہے کہ میں نے تخلیہ کیا، قبضہ نہ ہوگا، دور سے مراد یہ ہے کہ بلا کلفت اس پر قبضہ کرنے پر قادر نہ ہو، اور یہ مبیع کے بدلنے سے بدلتا ہے جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں، یا اس سے مراد حقیقۃً دور ہونا ہے اور جو اس کے مشابہ ہو اس کو اسی پر قیاس کیا جائے گا، محض اقرار سے قبضہ صحیح نہ ہوگا اور قبضہ کے ساتھ مقید اس لئے کیا ہے کیونکہ بیع فی ذاتہ صحیح ہے، لیکن مشتری پر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے قیمت کی ادائیگی واجب نہ ہوگی، صاحب درمختار کے قول علی الصحیح کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر الروایہ یہی ہے، اس کے مقابلے میں وہ ہے جو محیط میں ہے، اور جامع شمس الائمہ میں ہے کہ محض "تخلیہ" سے قبضہ صحیح ہو جاتا ہے اگرچہ عقار (جائداد غیر منقول) دور ہو اور بائع اور مشتری سے غائب ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے، محیط وغیرہ کی یہ بات ضعیف ہے جیسا کہ البحر الرائق اور فتاوی قاضی خاں میں ہے، اور صحیح وہی ہے جو ظاہر الروایہ میں بیان کیا گیا ہے، کیونکہ جب جائداد غیر منقولہ قریب ہوگی تو فی الحال بھی اس پر قبضہ حقیقی متصور ہوگا، لہذا "تخلیہ" قبضہ کے قائم مقام ہو جائے گا، اور جب دور ہوگی تو فی الحال قبضہ متصور نہ ہوگا، لہذا "تخلیہ" قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا (ردالمحتار ۴ر ۴۸)۔

عبارات بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ ''تخلیہ'' جسے قبضہ قرار دیا گیا ہے اس میں دو باتیں پائی جانی ضروری ہیں:

۱۔ مبیع حق بائع یا حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو، یعنی مبیع سے کسی کا حق متعلق نہ ہو۔

۲۔ تسلیم و حوالگی مشتری کی موجودگی میں ہو یا اس کا وکیل موجود ہو۔

امام کاسانیؒ نے قبضہ، تسلیم و حوالہ اور تخلیہ کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

ترجمہ: حوالگی اور قبضہ ہمارے نزدیک تخلیہ اور تخلی ہے، وہ یوں کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان رکاوٹیں دور کر کے قبضہ کی آزادی دیدے اس طریقے سے کہ مشتری مبیع میں تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، لہذا بائع مبیع کو سپرد کرنے والا اور مشتری قبضہ کرنے والا قرار دیا جائے گا، اسی طرح مشتری کی طرف سے بائع کی جانب ثمن کی ادائیگی بھی ہونی چاہئے...... تسلیم (حوالگی) لغت میں نام ہے شئی کو سالم وخالص بنانے کا، کہا جاتا ہے کہ سلّم فلان لفلان یعنی فلاں نے فلاں کیلئے خالص کیا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے ''ورجلا سلما لرجل'' (اور ایک آدمی خالص ایک آدمی کیلئے ہے) اس میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ پس مبیع کی مشتری کی طرف تسلیم (حوالگی وسپردگی) یہ ہے کہ مبیع مشتری کیلئے اس طرح سالم وخالص بنادی جائے کہ اس کے بارے میں اس سے کوئی دوسرا نزاع نہ کرے، یہ معنی ''تخلیہ'' کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے لہذا ''تخلیہ'' بائع کی طرف سے سپردگی ہوئی اور ''تخلی'' مشتری کی طرف سے قبضہ ہوا۔

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال واختلفوا في أنها هل هي قبض تام فيها أم لا و جملة الكلام فيه أن المبيع لا يخلو إما أن يكون مما له مثل وإما أن يكون مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

ہمارے اصحاب (احناف) کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں ''تخلیہ'' کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے، البتہ اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ یہ قبضہ تام ہے یا نہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ مبیع یا تو ان چیزوں میں سے ہوگی جن کیلئے مثل ہوتا ہے یا ان چیزوں میں سے ہوگی جن کے لئے مثل نہیں ہوتا مثلاً مذروعات اور معدودات متفاوتہ وغیرہ، پس ''تخلیہ'' ان سب میں بغیر کسی اختلاف کے قبضہ تام ہے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً حقيقة (بدائع الصنائع ۵/۱۴۸)۔

اسلئے کہ قبضہ کا مطلب ہے کہ کسی چیز پر قادر کر دینا، تنہائی میں ہونا، اور عرفاً وعادۃً جو موانع ہوں ان کو حقیقۃً اٹھا دینا۔

ان عبارات کی روشنی میں احقر کے خیال میں ''قبضہ'' کو متعین کرنے میں عرف کو دخل ہے، لیکن عرف صحیح

جائز ہوگی جب اس پر قبضہ کر لے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہو، اور اسلئے بھی یہ بیع جائز نہیں کیونکہ اس میں مبیع کے ہلاک ہوجانے پر بیع کے فسخ کا خطرہ ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عقار (جائداد غیر منقولہ) کی بیع قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، حدیث کے مطلق ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے اور "منقول" کا اعتبار کرتے ہوئے جس طرح جائداد غیر منقولہ کا اجارہ قبل القبض جائز نہیں اسی طرح بیع بھی جائز نہیں۔ شیخین کہتے ہیں کہ بیع کا رکن اہل سے صادر ہوا ہے اور محل میں صادر ہوا ہے اس میں کسی قسم کا دھوکہ اور غرر نہیں اسلئے کہ عقار میں ہلاک ہوجانا نادر ہے، اور جس غرر سے منع کیا گیا ہے وہ عقد کے فسخ ہوجانے کا غرر ہے (اور یہاں موجود نہیں) اور دلائل جواز پر عمل کرتے ہوئے ماننا پڑے گا کہ یہ حدیث بھی "غرر فسخ" کے ساتھ معلول ہے۔ اور اجارہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔ اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ اس میں اختلاف نہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ معقود علیہ اجارہ میں منافع ہے اور ان کا ہلاک ہوجانا نادر نہیں ہے (ہدایہ ۳/۵۸)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی احادیث معلول ہیں اور علت بیع کے فسخ ہوجانے کا اندیشہ ہے، ظاہر ہے کہ یہ غرر و دھوکہ منقولات میں ہی ہوسکتا ہے کیونکہ ان کے ہلاک و ضائع ہونے کا بکثرت وقوع ہے، اس کے برخلاف زمین، جائداد و اشیاء غیر منقولہ، ان کا ہلاک و ضائع ہوجانا نادر ہے لہذا چونکہ اس میں علت موجود نہیں اسلئے وہ ممانعت سے مستثنیٰ ہوں گی، کیونکہ حکم علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے۔

امام کاسانیؒ فرماتے ہیں:

ترجمہ: شیخین (امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ) کی دلیل قرآن مجید کی آیت بیع کا بلا تخصیص عموم ہے، اور ہمارے نزدیک کتاب اللہ کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص جائز نہیں، یا پھر ہم اسے جائداد منقولہ پر محمول کریں گے تاکہ دلائل کے درمیان موافقت رہے، اگر شخص نے خریدا ہو، اور جائداد غیر منقولہ کی قبل القبض بیع اس لئے بھی جائز ہے کیونکہ اصل یہ ہے کہ رکن بیع (ایجاب و قبول) اہلیت رکھنے والے سے صادر ہو اور ایسی جگہ میں صادر ہو جو بیع کا محل بن سکے تو اس بیع کو صحیح ہونا چاہئے، عدم جواز غرر (دھوکہ) کے عارض کی وجہ سے ہے، اور یہ "غرر" معقود علیہ کے ہلاک ہوجانے کی صورت میں بیع کے فسخ ہوجانے کا ہے، کیونکہ جائداد غیر منقولہ کی ہلاکت کا اندیشہ نہیں لہذا "غرر" بھی ثابت نہ ہوگا لہذا بیع اصل کے حکم پر باقی رہے گی (بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ عقار کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اسی طرح جائز ہے جس طرح "منقول" کی بیع بعد القبض جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تصرف کی اجازت ملکیت کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ قبضہ کی وجہ سے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص اپنی ایسی میت کو فروخت کرے جو مودع یا غاصب کے قبضہ میں ہو اور وہ مودع یا غاصب اس شخص کی ملکیت کا اقرار بھی کرتے ہوں تو بیع جائز ہوگی (حالانکہ وہ اس شخص کے قبضہ میں نہیں

ہے) کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر تصرف کی اجازت دینے والی ملکیت میں ایسا غرر ہو جس سے بچنا ممکن ہو تو یہ تصرف کے جواز کے لئے مانع ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے "بیع غرر" سے منع فرمایا ہے، لہذا اجناس منقول میں قبل القبض بیع کرنے میں یہ غرر ہے کیونکہ اس کے ہلاک ہو جانے سے بیع ٹوٹ جائے گی اور مشتری کی ملکیت باطل ہو جائے گی، اور جب قبضہ کرلے گا تو یہ غرر منتفی ہو جائے گا اور صرف ایک غرر باقی رہے گا، وہ یہ کہ وہ چیز نہیں کسی اور کی نہ نکلے، لیکن اس غرر سے بچنا ممکن نہیں (کیونکہ یہ تو بیع کی ہر صورت میں پایا جا سکتا ہے)، عقار کی قبل القبض بیع میں مشتری کی ملکیت میں بھی "غرر استحقاق" ہے، کیونکہ عقار کی ہلاکت متصور نہیں اور اس کی وجہ سے بیع کا فسخ ہو جانا بھی متصور نہیں، اور غرر کا منتفی ہو جانا اس کے سبب کے بالکلیہ عدم تصور کی وجہ سے ابلغ ہے اس غرر کے منتفی ہونے سے جس کے سبب کا تصور کیا گیا لیکن اس نے عمل نہیں کیا، بیع میں "غرر استحقاق" کا تصور ہوتا ہے، لیکن اس سے احتراز ممکن نہیں یعنی غرر فسخ عقد کا سبب ہی منتفی ہے، اس کے برعکس غرر استحقاق کا سبب متصور ہے مگر عمل نہیں کرتا، لہذا سبب کا ہی منتفی ہو جانا سبب کے پائے جانے کے بعد احتراز ممکن نہ ہونے کی وجہ سے عمل نہ کرنے کے مقابلے میں ابلغ ہے (مبسوط ۱۳/۹)۔

امام ابن ہمام شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: جو چیز منع اور نہی کا باعث ہے وہ غرر "انفساخ" ہے بیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں، وہ یہاں منتفی ہے کیونکہ عقار کا ہلاک ہو جانا نادر ہے، اور جو نادر ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا، اور احکام فقہیہ اس پر مبنی نہیں ہوتے، لہذا مانع جواز نہ ہوگا، کیونکہ اس کا ہلاک ہو جانا متصور نہیں، الا یہ کہ وہ دریا وغیرہ بن جائے، یہاں تک کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مسئلہ اس جگہ کے متعلق ہے جس کے دریا ہو جانے یا اس پر ریت وغیرہ کے غالب آ جانے کا اندیشہ نہ ہو، لیکن جو جگہ اس سے مامون نہ ہو وہاں قبل القبض بیع اسی طرح جائز نہ ہوگی جس طرح منقول میں، اسے محبوبی نے ذکر کیا ہے، اور اختیار میں ہے کہ اگر زمین دریا کے کنارے پر ہو یا مبیع انتہائی بلندی پر تو اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے (فتح القدیر ۶/۱۳۷)۔

عبارات مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء غیر منقولہ (عقار) میں بھی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اسی وقت جائز ہے جب اندیشہ ضیاع وہلاکت نہ ہو، لیکن اگر اندیشہ ہلاکت ہو تو اس کا حکم اشیاء منقولہ کا ہی ہے، یعنی اس میں قبل القبض بیع جائز نہ ہوگی۔

اب تک کے مباحث سے سوال (۱، ۲، ۳، ۴، ۵) کے جوابات واضح ہو چکے ہیں، باقی ماندہ دو سوالات کے جوابات پیش درج کئے جاتے ہیں:

۶۔ یہ خرید وفروخت جائز ہے، اول وہلہ میں فیکٹری کی حیثیت بائع کی ہے، دانا یا مشتری اول کے وکیل کی ہے جسے سوال میں خریدار نمبر (۱) سے تعبیر کیا گیا ہے، دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

اصول الشاشی کی یہ عبارت اس کی صریح نظیر ہے:

وإذا قال أعتق عبدك عني بألف درهم فقال أعتقت يقع العتق عن الآمر فيجب عليه

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

مولانا حبیب الغفار اسعد

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض ناجائز ہے، اور اس کا شمار بیع فاسد میں ہے، جیسا کہ تصریحات ذیل سے واضح ہے۔ فتح القدیر میں ہے

ولأن فيه غرر انفساخ العقد الأول (على اعتبار هلاك المبيع) قبل القبض فيتبين حينئذ أنه باع ملك الغير بغير إذنه وذلك مفسد للعقد (۵/۲۶۵)۔

"بیع قبل القبض" اس لئے ناجائز ہے کہ اس کے اندر قبضہ سے پہلے مبیع کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں عقد اول کے فسخ ہونے کا خطرہ رہتا ہے، اگر ایسا ہوا تب تو کھل کر یہ بات سامنے آ جائے گی کہ بیع قبل القبض کرنے والے نے دوسرے کا مال بدون اس کی اجازت کے بیچ دیا، اور ظاہر ہے کہ یہ مفسد عقد ہے۔

عنایہ میں ہے:

فإن المقصود من البيع الربح، وربح ما لم يضمن منهي عنه شرعاً والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسداً قبل القبض لأنه لم يدخل في ضمانه كما في الإجارة (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۵/۲۶۵)۔

بیع سے مقصود نفع کمانا ہوتا ہے، اور جو چیز آدمی کے ضمان میں نہ آئی ہو اس سے نفع کمانا شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ اس سے نہی وارد ہوئی ہے، منع کی گئی ہے۔ اور نہی شرعی اس کے فساد کو مقتضی ہوا کرتی ہے، اس کے تحت بیع قبل القبض فاسد ہوگی، کیونکہ مبیع مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہے۔

۲۔ شرع اسلامی میں قبضہ کی حقیقت:

قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مختلف روایت مختلف الفاظ و تعبیرات کے ساتھ مروی ہیں، لیکن چونکہ قبضہ کی مختلف اور گوناگوں صورتیں تھیں جیسا کہ فقہ و فتاوی کی کتابوں سے واضح ہے، اس لئے اس کی کوئی خاص صورت آنحضرت ﷺ نے بطور تعیین و حصر کے نہیں فرمائی۔

احادیث میں قبضہ کی جو صورتیں مذکور بھی ہیں، مثلاً نقل و تحویل، "الی رحالہم" وغیرہ، وہ سب چونکہ غالب احوال پر محمول ہیں، قبضہ کیلئے لازمی اور ضروری شرطیں نہیں ہیں، کما قال الحافظ "إن الإيواء إلى الرحال خرج مخرج الغالب" (فتح الباری ۴/۲۹۷) اس لئے ان ساری صورتوں کے انضباط و استحکام کیلئے ایک ایسے

امر کلی کے بیان کی ضرورت تھی جس کے اندر قبضہ و دخل کی تمام صورتیں آ جائیں، سو آنحضرت ﷺ نے اسے بیان فرما دیا جس کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آدمی شرعاً اسی چیز کو بیچنے اور فروخت کرنے کا مجاز ہے جو اس کے حرز و ضمان میں داخل ہو چکی ہو، ورنہ اس کا بیچنا درست نہ ہوگا، اور اس بیع کا جو نفع ہوگا وہ "ربح مالم یضمن" کے تحت ناجائز ہوگا۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال: نہی النبی ﷺ عن ربح مالم یضمن (اخرجہ الترمذی) (فتح الباری ۴ر۲۹۲)۔

عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی چیز سے نفع کمانے سے منع فرمایا ہے جو آدمی کے حرز و ضمان میں نہ آئی ہو۔

اسی کے معنی میں حضرت حکیم بن حزامؓ کی وہ حدیث بھی ہے۔ جس کی اصحاب سنن نے تخریج کی ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قلت: یا رسول اللہ یاتینی الرجل فیسالنی البیع لیس عندی، ابیعہ منہ ثم ابتاعہ لہ من السوق فقال: لا تبع ما لیس عندک۔ (فتح الباری ۴ر۲۹۱)۔

حکیم بن حزام کہتے ہیں "میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ایسی چیز فروخت کرنے کی فرمائش کرتا ہے جو ابھی میری ملک اور ضمان میں نہیں ہے تو کیا میں اس وقت اس کے ہاتھ وہ شئی بیچ دوں اور پھر بازار سے وہی چیز خرید کر اس کے حوالے کر دوں؟ آپ نے فرمایا: جو چیز تمہارے پاس یعنی تمہاری ملک اور ضمان میں نہ ہو اسے فروخت نہ کیا کرو۔

ان احادیث کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے قبضہ کی شرعی حقیقت متعین فرما دی ہے، اسی بنا پر جسٹس مولانا محمد تقی مد ظلہم العالی نے قبضہ کی تعریف ضمان ہی سے کی ہے، اور اس میں شک نہیں کہ بہت ہی خوب اور جامع تعریف کی ہے، لکھتے ہیں

وأما القبض فهو أن یأتی الشیٔ فی حوزه و ضمانه کما یظهر من کلام الحافظ فی الفتح (تکملہ فتح الملہم ۱ر۳۵۰)

یعنی قبضہ کی حقیقت جیسا کہ "فتح الباری" کے اندر حافظؒ کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے، یہ ہے کہ "چیز آدمی کی ضمانت اور حفاظت میں آ جائے"۔

اس سے صاف واضح ہے کہ قبضہ اور ضمان کا مفہوم ایک ہے، لہذا جو شئی کسی آدمی کے ضمان میں ہو، یعنی جس کے نفع نقصان کا وہ ضامن ہو وہ اس پر شرعاً قابض مانا جائے گا اور اس کا اسے بیچنا از روئے شرع صحیح و درست ہوگا، گو نقل و حمل اور حسی قبضہ نہ ہو۔

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے:

حضرت علامہ فرماتے ہیں:

واضح ہو کہ شوافع کے یہاں نقل وتحویل کے بغیر قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا اور ہمارے یہاں مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ سے قبضہ پالیا جاتا ہے، لیکن تخلیہ سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ سو یہ ایسی چیز ہے جس کا انضباط ذرا مشکل ہے، ہاں جزئیات پر غائر نظر ڈالنے سے کسی قدر اس کے مفہوم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، میرے نزدیک تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع سے اپنی ملکیت کے علائق کو اٹھالے اور اسے قبضہ پر قادر کردے، اور یہ بات کبھی قول کے ذریعہ، کبھی فعل کے ذریعے، اور کبھی قرائن کے ذریعہ پائی جاتی ہے، اور تناطی کی اجناس میں جو یہ شرط لگائی ہے کہ بائع زبان سے کہہ دے کہ میں نے مبیع اور مشتری کے درمیان روک اٹھادی ہے یا اسی کے ہم معنی کوئی بات کہے، سو میرے نزدیک یہ کچھ ضروری نہیں ہے، اور میرے علم میں ناطفی کے علاوہ کسی اور نے یہ شرط نہیں لگائی ہے، اب میں آپ کے سامنے چند جزئیات رکھتا ہوں تاکہ بات مزید واضح ہوجائے، مسئلہ: فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر صحرا کے اندر کسی نے گھوڑا بیچا اب اگر مشتری اس پوزیشن میں ہے کہ بدون کسی تعاون کے قبضہ کرسکتا ہے تو قبضہ مان لیا جائے گا۔

دیکھئے فقہاء نے یہاں صرف مشتری کے تمکن کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے قبضہ کے حکم میں مان لیا۔ (فیض الباری ۳/۲۰۶)۔

فقہاء کا قول ہے کہ اگر کسی نے گھر یا صندوق بیچا اور اس کی کنجیاں مشتری کے حوالے کردیا تو یہ قبضہ ہوگیا، حاصل کلام یہ کہ بیع، ہبہ، رہن میں ہمارے نزدیک قبضہ تخلیہ اور قبضہ پر قدرت سے ہوجاتا ہے اس کیلئے نقل وحمل اور حسی قبضہ کچھ ضروری نہیں۔ (فیض الباری ۳/۲۰۶)۔

تخلیہ کے بارے میں ایک ضروری وضاحت:

علامہ شامی لکھتے ہیں:

وحاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، و نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى و يشار إليه قبض، و في نحو ثوب فكونه بحيث لو مديده تصل إليه قبض، و في نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض۔

(ردالمحتار ۴/۵۹)۔

حاصل یہ ہے کہ بدون کلفت ومشقت کے قبضہ پر قدرت اور تمکن کے باوجود بھی تخلیہ کو حکماً قبضہ قرار دیا جائے گا، لیکن تخلیہ کی نوعیت ہر جگہ یکساں نہیں ہوگی بلکہ مبیع کی حالت اور پوزیشن کے اعتبار سے اس کے اندر اختلاف ہوتا رہتا ہے، یعنی اس کی نوعیت بدلتی رہتی ہے، مثلاً ایک کوٹھری میں گیہوں ہے، بائع نے اسے بیچ دیا بعدہ اس کی کنجی مشتری کے حوالے کردی ایسی صورت میں اگر مشتری بآسانی تالا کھول سکتا ہے تو قبضہ مان لیا جائے گا، یا مثلاً گائے بیچی

گئی جو چراگاہ میں چر رہی ہے تو اگر وہ اتنی قریب ہے کہ نظر آئے اور اس کو اشارہ سے بلایا جا سکے تو یہ قبضہ ہو گیا، اسی طرح اگر کپڑا بیچا گیا اور اتنے فاصلہ پر ہے کہ مشتری اگر ہاتھ بڑھائے تو پا جائے تو یہ بھی قبضہ ہو گیا، اگر گھوڑا یا پرندہ کی بیع ہوئی جو کوٹھری میں بند ہیں ایسی صورت میں دیکھنا یہ ہے کہ مشتری اسے اگر بدون کسی کی مدد حاصل کئے ہوئے پکڑ سکتا ہے تو اسے قبضہ مان لیا جائے گا۔

حاصل بحث:

الحاصل قبضہ یہ ہے کہ چیز آدمی کی حفاظت اور ضمان میں آجائے، قبضہ کی یہ تعریف اشیاء منقول اور غیر منقول دونوں کو شامل ہے، فقہاء کے نزدیک قبضہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) قبضہ حقیقۃً جس کو قبضہ حسی بھی کہتے ہیں (۲) قبضہ حکماً، قبضہ حکمی اشیاء منقول اور غیر منقول دونوں کے اندر تخلیہ سے ہو جاتا ہے، اور تخلیہ میں ہاتھ کا قبضہ یعنی قبضہ حسی شرط نہیں بلکہ روک دور کر کے قابو دینا بھی قبضہ ہے، یعنی بائع مبیع اور مشتری کے درمیان اس طرح روک اٹھا دے کہ مشتری اس کے قبضہ کرنے پر قادر ہو جائے اور کوئی مانع نہ ہو، چنانچہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ موانع کا درمیان سے اٹھا دینا بیع جائز میں قبضہ ہو جاتا ہے مگر بیع فاسد میں دو روایتیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ اس میں بھی قبضہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ کے جواب میں عرض ہے کہ ہمارے نزدیک اشیاء منقول اور غیر منقول دونوں میں تخلیہ کے ذریعہ قبضہ کا تحقق ہو جاتا ہے، البتہ حضرت امام شافعی کے نزدیک اس میں تفصیل ہے، ان کے یہاں جو چیز ہاتھ میں لی جا سکتی ہے، جیسے دراہم، دنانیر، کپڑے وغیرہ ان کا قبضہ ہاتھ میں لینے ہی سے ہوگا، اور غیر منقول کے اندر قبضہ تخلیہ سے ہوگا اور جو چیزیں عادۃً ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاتی ہیں، جیسے لکڑیاں، اناج، حیوانات، تو ان پر قبضہ اس وقت ہوگا جبکہ انہیں ایسی جگہ منتقل کر دیا جائے جس کا بائع سے کوئی علاقہ نہ ہو، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان اشیاء میں بھی تخلیہ سے قبضہ ہو جائے گا، کما فی (فتح الباری ۴؍۲۹۲)۔

۴۔ کے جواب میں عرض ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت سے متعلق احادیث تعبدی نہیں، بلکہ معلول بالعلۃ ہیں اور نہی کی علتیں دو ہیں (۱) ربح مالم یضمن کا لزوم ہے جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

حديث عبد الله بن عمرو دل على أن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح مالم يضمن نصه ما يأتي: أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل سلف و بيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ما ليس عندك (أخرجه الترمذي في باب كراهية بيع ما ليس عنده وقال هذا حديث حسن صحيح)۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ بیع قبل القبض سے ممانعت کی علت "ربح مالم یضمن" ہے، یعنی اس چیز سے نفع اٹھانا لازم آتا ہے جو ابھی ضمان (قبضہ) میں نہیں آئی اور ایسا نفع ناجائز ہے اور جو عقد امر ناجائز کو مستلزم ہو وہ بھی ناجائز ہوتا ہے۔

(۲) غرر انفساخ العقد، یہ علت صاحب ہدایہ نے بیان فرمائی ہے، مطلب یہ ہے کہ بیع قبل القبض اسلئے

ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر قبضہ سے پہلے مبیع کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں عقد اول کے فسخ ہو جانے کا خطرہ اور دھوکا ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ اس کے تحت لکھتے ہیں:

والحدیث معلول به ای بغرر الانفساخ: یعنی حدیث میں ممانعت غرر انفساخ کی وجہ سے ہے اور اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جو تصرفات غرر انفساخ سے متاثر نہیں ہوتے وہ مبیع کے اندر قبل القبض صحیح ہیں، جیسے غلام کو قبل القبض آزاد کرنے کا تصرف، اور مبیع کو قبل القبض نکاح میں مہر مقرر کردینے کا تصرف، یہ سب صحیح اور نافذ ہیں، غلام آزاد ہو گیا تو مبیع غلام کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں یہ تصرف باطل نہیں ہوتا اسی طرح اگر مہر معین ہلاک ہو گیا تو خاوند پر اس کی قیمت لازم ہوگی لیکن اس کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جائے ایسا نہیں ہوتا۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳)۔

ف [illegible] کے جواب کی غرض سے کہ احادیث نہی تعمیم و تخصیص کے اعتبار سے فقہاء کے اجتہادات مختلف ہیں، اس سلسلہ میں چند مشہور اقوال مع دلائل کے ذکر کئے جاتے ہیں۔

قول اول:

یہ کہ بیع قبل القبض ہر چیز کے اندر جائز ہے، یہ قول عثمان البتیؒ کا ہے، یہ قول ناقابل التفات، شاذ، متروک اور مردود ہے۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: "یہ قول احادیث بالخصوص طعام کے اندر بیع قبل القبض کی ممانعت کے سلسلہ میں اجماعی حجت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے، شاید انہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث "**من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه**" کا علم نہیں ہوگا، اسلئے انہوں نے یہ بات کہہ دی، لیکن بہر صورت یہ قول ناقابل التفات ہے۔ (کذا فی المغنی لابن قدامہ ۴/۱۲۳)۔

قول ثانی:

اشیاء منقولہ، غیر منقولہ، طعام وغیرہ ہر چیز کی بیع قبل القبض بدون کسی استثناء اور تخصیص کے حرام ہے، یہ قول امام شافعیؒ، امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ظاہر بھی یہی ہے، اور ایک روایت میں بواسطہ ابن عقیل امام احمدؒ سے بھی یہی بات منقول ہے، کما فی المغنی۔

دلائل:

(۱) أخرج ابوداود (رقم ۳۴۹۹)۔

عن ابن عمر قال: "ابتعت زيتا في السوق، فلما استوجبته لقيني رجل فأعطاني به ربحا حسنا، فأردت أن أضرب على يده فأخذ رجل من خلفي بذراعي، فالتفت فإذا زيد بن ثابت، فقال: لا تبعه حيث ابتعته حتى تحوزه إلى رحلك فإن رسول الله ﷺ نهى أن تباع

السلع حيث تبتاع، حتى يحوزها التجار إلى رحالهم".

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت موجود ہے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے بازار میں روغن زیتون خریدا، جب بیع لازم ہوگئی تو ایک صاحب وہیں پر ملے اور اس کا اچھا نفع دے کر مجھ سے خریدنے کیلئے تیار ہوگئے، میں نے ابھی ارادہ ہی کیا تھا کہ اس آدمی سے ہاتھ ملاؤں اور بیع کی پکی بات کرلوں کہ اتنے میں پیچھے سے ایک شخص نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، میں نے جو مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، وہ کہنے لگے کہ بھائی ایسا نہ کرو، جس جگہ تم نے خریدا ہے وہیں بیچنا درست نہیں، جب تک کہ اسے گھر نہ پہنچالو، سامان جس جگہ خریدا جائے وہیں اسے بیچ دیا جائے رسول اللہ ﷺ نے تاجروں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، تا آنکہ وہ اسے اپنی تحویل میں لے کر اپنے گھر اور ٹھکانے پر نہ پہنچالیں"۔

(۲) عن حكيم بن حزام قال: "قلت: يا رسول الله! إني أبتاع هذه البيوع فما يحل لي منها وما يحرم علي؟ قال: يا ابن أخي، لا تبيعن شيئا حتى تقبضه" (ہذا اللفظ للبیہقی فی سننہ ۵/۳۱۳) وقال: هذا إسناد حسن متصل" وأخرجه أيضا ابن حبان في صحيحه، (واحمد فی مسندہ ۳/۴۰۲)۔

حکیم بن حزامؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میں خرید و فروخت کرتا رہتا ہوں، میرے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: اے بھتیجے قبضہ کرنے سے پہلے کسی چیز کو آگے فروخت مت کرنا۔

(۳) عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ماليس عندك، (أخرجه الترمذي في باب كراهية ما ليس عنده وقال: هذا حديث حسن صحيح)۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ قرض اور بیع کو جمع کرنا حلال نہیں اور نہ بیع میں دو شرطیں لگانا، اور نہ ایسی چیز کا نفع حاصل کرنا حلال ہے جو ابھی ضمان میں نہیں آئی، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مندرجہ بالا احادیث عام ہیں اور ہر قسم کی مبیع کو شامل ہیں، لہذا ان احادیث کے عموم پر نظر کرتے ہوئے قول ثانی کے اندر کسی طرح کا استثناء نہیں، بلکہ ہر ایک مبیع کی بیع قبل القبض حرام ہے۔

قول ثالث:

بیع کے صحیح ہونے کیلئے قبضہ کی شرط صرف طعام (غلہ) کی بیع کے ساتھ خاص ہے، طعام کے علاوہ دوسری اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے، یہ قول امام احمد بن حنبلؒ کا ہے" کما حققہ ابن قدامۃ"۔

دلائل:

(۱) عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه، قال ابن عباس: وأحسب كل شئ مثله (أخرجه البخاري في البیوع باب ما يذکر في بيع الطعام والحکرة)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے فرمایا کہ جو شخص غلہ بیچنے کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ قبضہ میں لانے سے پہلے فروخت نہ کرے" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ حکم غلہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام چیزوں میں عام ہے۔

(۲) عن ابن عمر قال: "كنت أبيع الإبل بالبقيع بالدنانير وآخذ مكانها الورق وأبيع بالورق وآخذ مكانها الدنانير فأتيت النبي ﷺ فسألته عن ذلك، فقال: لا بأس به بالقيمة.

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں بقیع کے علاقہ میں اونٹ بیچا کرتا تھا، جب دنانیر کے بدلے بیچتا تو ان کی جگہ دراہم لے لیتا، اور کبھی دراہم کے عوض فروخت کرتا تو ان کی جگہ دنانیر لے لیتا، میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں دریافت کیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: مالیت کا لحاظ کرتے ہوئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

أخرجه أصحاب السنن الأربعة وأحمد وابن حبان والحاكم من طريق سماك بن حرب عن سعيد بن جبير عن ابن عمر، ولم يرفعه إلا سماك بن حرب كما في التلخيص الحبير للحافظ (۲۶،۲۵/۳، باب القبض واحکامہ)۔

وجہ دلالت:

اس حدیث کی رو سے جب بیع کے ایک عوض (ثمن) کے اندر قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تو پھر دوسرے عوض (مبیع) کے اندر بھی قبضہ سے پہلے تصرف صحیح ہونا چاہئے، ہاں مبیع جب غلہ ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے، اسلئے کہ اس کو قبضہ سے پہلے بیچنا صراحت منع ہے۔

نوٹ: قول ثانی کے اندر جو حدیثیں مذکور ہیں چونکہ وہ عام ہیں اور ہر قسم کی مبیع کو شامل ہیں، اس لئے وہ حدیثیں ان کے خلاف حجت ہیں۔

قول رابع:

بیع کی صحت کے لئے مبیع پر قبضہ کی شرط صرف کیلی اور وزنی چیزوں کے ساتھ خاص ہے، ان چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں کی بیع میں قبضہ شرط نہیں، یہ قول امام مالک کا ہے۔

استدلال:

بحديث ابن عمر مرفوعاً "من اشترى طعاما بكيل أو وزن فلا يبعه حتى يقبضه (رواه

أحمد

حضرت ابن عمرؓ کی مرفوعاً حدیث کے اندر ارشاد ہوا ہے کہ جو شخص غلہ خریدے کیل یا وزن کے ذریعہ تو، اسے قبضہ سے پہلے نہیں بیچ سکتا۔

قول خامس:

زمین اور مکانات کے علاوہ باقی اشیاء میں آگے فروخت کرنے کیلئے بائع کا قبضہ ضروری ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے (کمافی فتح القدیر ۵/۲۶۶)۔

دلائل:

ان حضرات کی دلیلیں بعینہ وہی ہیں جو قول ثانی کے اندر مذکور ہو چکی ہیں اس فرق کے ساتھ کہ شیخین نے بربناء درایت بیع قبل القبض سے ممانعت کی حدیثوں کا مصداق اشیاء منقولہ ہی کو قرار دیا ہے (۱) اعلاء السنن میں عقار کی بیع قبل القبض کے جواز پر حدیث بھی موجود ہے، لکھتے ہیں:

ومما يدل بقول أبي حنيفة مارواه ابن أبي مليكة أن عثمانؓ ابتاع من طلحة أرضا بالمدينة ناقلة بأرض له بالكوفة فقال عثمان بعتك ما لم أره فقال طلحة إنما النظر لي لأني ابتعت مغيبا وأنت قد رأيت ما ابتعت فتحاكما إلى جبير بن مطعم فقضى على عثمان أن البيع جائز وأن النظر لطلحة لأنه ابتاع مغيبا رواه البيهقي بإسناد حسن، ويقتضي جواز بيع العقار قبل القبض فإن عثمانؓ باع أرضا له بالكوفة ولم يرها وهو ظاهر في أنه باعها ولم يقبضها فإن القبض يستلزم الرؤية حتما (۱۴/۱۷۵)۔

اور امام شافعی وغیرہم نے منقول و غیر منقول تمام مبیعات کو ان کا مصداق سمجھا ہے۔ شیخین کہتے ہیں کہ بیع کا دارومدار چونکہ مبیع ہی پر ہوتا ہے اور مبیعات منقولہ میں ہلاکت کثیر الوقوع ہے، اسلئے غالب احوال کو دیکھتے ہوئے آگے فروخت کرنے کیلئے یہاں بائع کا قبضہ ضروری ہے ورنہ ہو سکتا ہے کہ بصورت ہلاکت مبیع، عقد اول ہی فسخ ہو جائے اور پھر دوسرے کی ملک میں تصرف کرنا اور ایک ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا لازم آئے جو ابھی ضمان اور قبضہ ہی میں نہیں آئی ہے اور یہ دونوں باتیں شرعاً ممنوع ہیں، اور جو چیز امر ممنوع کو مستلزم ہوا کرتی ہے وہ ممنوع ہوا کرتی ہے، اسلئے یہاں بیع قبل القبض کو ممنوع قرار دیا گیا، اور چونکہ اشیاء غیر منقولہ (گھر اور زمین) میں مبیع کی ہلاکت شاذ و نادر ہے، اور نادر بمنزلہ معدوم کے ہوا کرتا ہے، اسلئے عام احوال میں بربناء عدم فساد مذکور آگے فروخت کرنے کیلئے یہاں مبیع پر قبضہ کی شرط نہیں رکھی گئی، لیکن اگر یہاں بھی وہی فساد لازم آئے جس کا ذکر اوپر ہوا مثلاً یہ کہ گھر و زمین دریا کے کنارے پر ہو اور سیلاب وغیرہ کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ غالب ہو تو ایسی صورت میں یہاں بھی فقہ حنفی کے اندر بیع قبل القبض جائز نہیں (کمافی فتح القدیر ۵/۲۶۶)۔

نوٹ:

سوال (۵) سے متعلق مذکورہ بالا تفصیلات "تکملہ فتح الملہم مولانا تقی عثمانی ۱/۳۵۰، ۳۵۱، مثل ۱۱۱" سے۔

قبضہ سے پہلے بیع وشراء کے مسائل

مولانا اظفر عالم ندوی، لکھنؤ

۱۔ بیع کے سلسلہ میں جو اصولی احکام ہیں ان پر غور کرنے اور بعض فقہی نصوص کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا شمار بیع فاسد میں ہوگا، کیونکہ جب بیع کے ارکان موجود ہوں اور عوضین موجود ہوں تو بیع کا وجود ہو جاتا ہے، البتہ اس مبیع کو قبضہ سے قبل فروخت کر دینے میں معاملہ علی الخطر ہو جاتا ہے کہ آیا اس کا حصول ہو یا نہ ہو، اس بنا پر اس میں فساد پیدا ہو جائے گا، پھر یہ کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلہ میں نصوص شرعیہ میں جو نہی وارد ہے، وہ فساد کو ثابت کرتی ہے، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے اپنی مشہور تصنیف الفقہ الاسلامی وادلتہ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو بیع فاسد کی فہرست میں شمار کرایا ہے، اور لکھا ہے:

لا یجوز التصرف فی المبیع المنقول قبل القبض لأن النبی ﷺ نهی عن بیع مالم یقبض والنهی یوجب فساد المنهی عنه (أبوداؤد، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۷۶)۔

ایسی مبیع جو منقول ہو قبضہ سے پہلے اس میں تصرف جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی چیز کی بیع سے روک دیا ہے جس پر قبضہ نہ ہوا ہو، اور نہی منہی عنہ کے فساد کو ثابت کرتا ہے۔

۲۔ قبضہ کی کوئی خاص حقیقت غالباً کتاب وسنت میں بیان نہیں کی گئی ہے، البتہ کتب فقہ کے مطالعہ سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے یہاں ایسا تخلیہ جو بلا مانع اور بلا حائل ہو قبضہ ہے، اس سلسلے میں ناچیز کا خیال ہے کہ قبضہ کا تعلق عرف ورواج ہی سے ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس طرح کا استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا۔ علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں ایک مسئلہ کے ضمن میں قبضہ کے مفہوم کو مختصراً ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف کے نزدیک قبضہ میں اصل معیار عرف ہی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

ولا یشترط بالبراجم لأن معنی القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً حقيقةً (بدائع الصنائع ۵/۱۴۸)۔

اور انگلیوں سے پکڑنے کی شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کا مطلب دراصل تمکین، تخلیہ اور موانع کو دور کرنا ہے اور یہ عرف وعادت اور حقیقت کے مطابق ہو۔

علامہ شامی نے تسلیم اور قبضہ کی تفصیلات ذکر کرنے کے بعد جو حاصل بحث لکھا ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شریعت اسلامی میں قبضے کی کوئی خاص شکل اور حقیقت متعین نہیں ہے بلکہ عرف میں جس چیز پر جس درجے کے عمل دخل حاصل ہونے کو قبضہ سمجھا جاتا ہو شرعاً بھی وہی قبضہ تصور کیا جائے گا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں:

حاصلہ: أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة، لكن ذلك بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فيما يظهر، وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض، وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض، وفي نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض (ردالمحتار ۴/۵۶۲)۔

خلاصہ یہ کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے اگر بلا تکلف اس پر قدرت حاصل ہو، البتہ یہ مبیع کے حسب حال ہوگا، یعنی گیہوں جیسی چیز اگر کسی مکان واسٹور میں ہو تو کنجی کا سپرد کرنا یا کسی دقت کے کھولنا ممکن ہو تو یہ قبضہ تصور کیا جائے گا، مکان جیسی چیزوں میں قبضہ یہ ہے کہ اس کے بند کرنے اور تالا لگانے پر قدرت حاصل ہو جائے تو یہ قبضہ ہے، گائے چراگاہ میں ہو اور اس کو دیکھا جائے یا اشارہ کر دیا گیا تو یہ قبضہ ہے، کپڑا اگر اس طرح چھپا دیا گیا کہ اس تک ہاتھ پہنچ جائے تو یہ قبضہ ہے، گھوڑے یا پرندے اگر گھر میں ہوں اور بلا کسی معین کے ان کی گرفت یا ان کو حاصل کرنا آسان اور ممکن ہو تو یہ قبضہ ہے۔

علامہ شامی کے بیان سے جو خاص بات معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ مبیع کے حسب حال قبضہ متصور ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں حنابلہ کا جو مسلک بیان کیا ہے اس میں صاف وضاحت ہے کہ قبضہ کے سلسلے میں عرف و رواج ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

وقبض كل شيء بحسبه فإن كان مكيلاً أو موزوناً فقبضه بكيله ووزنه أي أنه يجب الرجوع في قبضه إلى العرف (المغني ۴/۱۱۱)۔

ہر چیز کا قبضہ اس کے حسب حال ہوگا، اگر مکیلی ہے تو کیل کرے یا موزونی ہے تو وزن کرے اس پر قبضہ ہوگا، یعنی قبضہ کے سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اسی طرح مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں قبضہ کے سلسلہ میں صراحت موجود ہے کہ لوگوں کے درمیان قبضہ کا جو عرف جاری ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

وقبض المنقول كالأمتعة والأنعام والدواب بحسب العرف الجاري بين الناس (المجموع ۹/۳۰۱، المہذب ۱/۲۶۳)۔

اشیاء منقولہ مثلاً سامان، جانور اور چوپائے کا قبضہ اس عرف کے مطابق ہوگا جو لوگوں میں جاری ہے۔

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں کتاب وسنت میں قبضہ کی کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے، لہٰذا لوگوں کے عرف میں جس چیز پر جس درجہ کے تسلط اور عمل دخل کو قبضہ سمجھا جاتا ہے شریعت میں بھی وہی قبضہ مانا جائے گا۔

۳۔ علامہ شامی کی اوپر درج شدہ عبارت "ذلك بحسب حال المبيع" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کی نوعیت سے قبضہ کی صورتوں میں فرق ہوگا۔ مالکیہ اور شوافع نے اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کے قبضہ میں فرق بیان کیا ہے:

قبض العقار كالأرض والبناء ونحوهما يكون بالتخلية بين المبيع وبين المشترى و تمكينه من التصرف فيه بتسليم المفاتيح إن وجدت و قبض المنقول كالأمتعة و الأنعام والدواب بحسب العرف الجارى بين الناس (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۴۷)۔

زمین اور مکان جیسی چیزوں کا قبضہ دراصل مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ اور اس میں تصرف پر قدرت حاصل ہوتا ہے، اگر کنجیاں ہوں تو مکان کی کنجیاں سپرد کر دینا قبضہ ہے، اور منقول جیسے سامان، جانور اور چوپائے کا قبضہ اس عرف کے مطابق ہوگا جو لوگوں میں جاری ہو۔

اس سلسلے میں علامہ ظفر احمد عثمانی نے بہت ہی واضح طور پر لکھا ہے جس سے مسئلہ کی پوری توضیح سامنے آجاتی ہے، علامہ موصوف شرح الوجیز للرافعی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال العبد الضعيف : وفى "شرح الوجيز" للرافعي ما نصه في بيان أن القبض بم يحصل؟ فيظر إن كان المبيع مما لا ينقل كالدور والأرض فقبضه بالتخلية بينه وبين المشترى وتمكنه من اليد والتصرف، وإن كان المبيع من المنقولات فالمذهب المشهور وبه قال أحمد إنه لا يكفى فيه التخلية بل لابد من النقل والتحويل. وقال مالك وأبو حنيفة: إنه يكفى فيه التخلية كما في العقار، وعن رواية حرملة قول مثله، وفيه وجه آخر: أن التخلية كافية لنقل الضمان إلى المشترى غير كافية للتسلط على التصرف.

الحالة الثانية: أن يباع الشئ مع اعتبار تقدير فيه، كما إذا اشترى ثوبا أو أرضا مذارعة أو متاعا موازنة، أو صبرة حنطة مكايلة او معدودا بالعدد فلا يكفى للقبض ما مر في الحالة الأولى، بل لابد مع ذلك من الذرع او الوزن او الكيل او العدد (اعلاء السنن ۱۴/۲۳۱)۔

امام رافعی نے شرح الوجیز میں جو صراحت کی ہے کہ قبضہ کس طرح ہوا کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غور کیا جائے گا اگر مبیع اشیاء منقولہ میں سے نہ ہو مثلاً گھر اور زمین ہو تو ان پر قبضہ مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ کرنے اور تصرف پر قدرت حاصل کر دینے سے ہوتا ہے، اور اگر مبیع اشیاء منقولہ میں سے ہو تو مشہور قول اور مسلک یہ ہے کہ صرف تخلیہ کافی نہیں بلکہ نقل اور تحویل بھی ضروری ہے، یہی خیال امام احمدؒ کا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اشیاء منقولہ میں بھی تخلیہ کافی ہے جیسا کہ عقار میں ہے۔ اور حرملہ سے اسی طرح کا قول منقول ہے، اور اس میں ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ تخلیہ کافی ہے ضمان کے منتقل ہونے کی وجہ سے مشتری کی طرف، اور ناکافی ہے تصرف پر قادر ہونے کے اعتبار سے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ اشیاء فروخت کی جائیں اس میزان کے اعتبار سے جو ان میں معتبر ہیں، مثلاً کپڑے یا زمین کو پیمائش کے اعتبار سے، گیہوں کے ڈھیر کو کیل کے اعتبار سے یا معدودی اشیاء کو عدد کے اعتبار سے تو ان میں قبضہ کے لئے وہ چیز کافی نہیں جو پہلی صورت میں گذری، بلکہ یہاں پیمائش کرنا، وزن یا کیل کرنا یا گنتا ضروری ہے، جب ہی قبضہ کا تصور ہوگا۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق جو احادیث ہیں وہ معلول بالعلۃ ہیں، عام طور پر مجتہدین نے علت نہی غرر کو بتایا ہے۔ محقق علامہ ظفر احمد عثمانی نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

إن أبا حنيفة وأبا يوسف خصا النصوص المنقول بعلة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاك قبل القبض و محمد أجراها على عمومها والشافعي خصها بما لم يكن متميزا و هو اختلاف الاجتهاد (اعلاء السنن ۲۴۲/۱۴)۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے نصوص کو نہی کی علت کے ساتھ خاص کیا ہے اور یہ علت دراصل قبضہ سے قبل ہلاک ہونے کی وجہ سے عقد کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے، اور امام محمدؒ نے ان نصوص کو عموم پر چھوڑ دیا ہے، اور امام شافعی نے ایسی چیزوں کے ساتھ خاص کیا ہے جو ممیز و ممتاز نہ ہو اور یہ اختلاف اجتہادی ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے احناف کے مسلک پر روشنی ڈالتے ہوئے آخر میں لکھا ہے:

والخلاصة أن العلة عند الحنفية في عدم جواز بيع الشيء قبل قبضه هي الغرر (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۷۳/۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے عدم جواز میں حنفیہ کے نزدیک علت غرر ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی صورت میں تمام اشیاء کی بیع کو ممنوع قرار نہیں دیا، بلکہ جہاں علت نہی پائی جاتی ہے وہاں ممنوع ہے اور جہاں علت نہیں پائی جاتی ہے وہاں ممنوع نہیں۔ مثلاً احناف میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے عقار کی بیع کو قبل القبض جائز قرار دیا ہے، اور وجہ جواز یہی بیان فرمایا ہے کہ اس میں غرر نہیں ہے۔

أما العقار كالأراضي والدور فيجوز بيعه قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف استحسانا ... ولا غرر في العقار إذ لا يتوهم هلاك العقار ولا يخاف تغيره غالبا بعد وقوع البيع وقبل القبض أن تلف العقار غير محتمل فلا يتقرر الغرر (المبسوط ۱۳/۸، بدائع الصنائع ۲۳۴/۵، فتح القدیر ۲۶۴/۵)۔

عقار مثلاً زمین اور مکان ان کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے، اور عقار میں غرر نہیں ہے کیونکہ عقار کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہی نہیں اور نہ ہی بیع ہو چکنے بعد تبدیلی اور تغیر کا اندیشہ ہے، قبضہ سے قبل تلف ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اسلئے غرر ثابت نہیں ہے۔

البتہ مالکیہ کے نزدیک علت نہی ربا النسیہ ہے، ان کے نزدیک طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست نہیں ہے، اور طعام کے علاوہ اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔

وقال المالكية لا يجوز بيع الطعام قبل القبض ربويا كان أو غير ربوي لحديث ابن عباسؓ وابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه (مجمع الزوائد ۹۸/۴، نیل الاوطار ۱۵۸/۵)۔

مالکیہ نے کہا کہ طعام کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے، خواہ وہ طعام اموال ربویہ میں سے ہو یا نہ ہو، اور یہ عدم جواز ابن عباسؓ وابن عمرؓ کی روایت کی وجہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے طعام خریدا وہ اس کو نہ فروخت کرے تا آنکہ اس پر قبضہ نہ کرلے۔

وأما سوى ذلك أو بيع الطعام جزافا فيجوز بيعه قبل قبضه لغلبة تغير الطعام بخلاف ما سواه والعلة في منع بيع الطعام قبل قبضه عند المالكية هي أنه قد يتخذ البيع ذريعة للتوصل إلى ربا النسيئة فهو شبيه بيع الطعام بالطعام نساء فيحرم سدا للذرائع (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۷۶)۔

اور اس کے علاوہ میں یا طعام کی بیع اٹکل سے ہو تو قبضہ سے قبل جائز ہے تغیر طعام کے غلبہ کی وجہ سے، برخلاف اس کے علاوہ اشیاء میں۔ مالکیہ کے نزدیک علت نہی یہ ہے کہ یہ بیع ربا النسیئہ تک پہونچنے کا ذریعہ بن رہی ہے، اس لئے یہ بیع الطعام بالطعام نسیئہ کے ہم مشابہ ہے، جو سدا للذرائع حرام ہے۔

احناف ہی کی طرح حنابلہ نے بھی علت نہی غرر کو مانا ہے، البتہ مکیلی، موزونی اور معدودی اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے:

قال الحنابلة: لا يجوز بيع الطعام قبل قبضه إذا كان مكيلا أو موزونا أو معدودا وأما عدا المكيل والموزون والمعدود فيصح قبل قبضه فالعلة عنده الغرر (حوالہ سابق ۴/۴۷۷)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ مکیلی یا موزونی یا عددی ہو، اگر مکیلی، موزونی اور عددی کے علاوہ ہو تو اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے، علت نہی ان کے نزدیک غرر ہے۔

خلاصہ یہ کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق جو روایات ہیں وہ معلول بالعلۃ ہیں۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کے عموم و تخصیص کے سلسلے میں ائمہ کی رائیں مختلف ہیں، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی ممانعت عام ہے، مہذب میں ہے:

قال الشافعيؒ: لا يجوز بيع مالم يستقر ملكه عليه مطلقا قبل قبضه عقارا كان أو منقولا لعموم النهي عن بيع مالم يقبض (المہذب ۱/۲۶۳)۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جس چیز میں ملکیت ثابت نہ ہو جائے اس کی بیع جائز نہیں ہے قبضہ سے قبل، خواہ عقار ہو یا منقول ہو، روایت میں نہی کے عموم کی وجہ سے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے اس ممانعت سے عقار کی بیع کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اسے جائز قرار دیا ہے، ان کے نزدیک ممانعت عام نہیں ہے (بدائع الصنائع ۵/۲۳۴)۔ اسی طرح امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ممنوع عام نہیں ہے، بلکہ بعض اشیاء کو تفصیل سے فرمایا ہے جس سے مسئلہ کی پوری نوعیت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے، میں یہاں امام نوویؒ ہی کی بحث کو نقل کرنا زیادہ مفید سمجھتا ہوں، علامہ موصوف لکھتے ہیں:

ترجمہ: ہم نے بیان کیا ہے کہ ہمارا مسلک دلیل کے بطلان کا ہے خواہ طعام ہو یا غیر طعام، یہی بات ابن حبان سے بھی ثابت ہے، اور امام محمد بھی یہی کہتے ہیں، ابن المنذر نے کہا ہے کہ علما کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص نے طعام خریدا تو اسے بیچنا درست نہیں ہے۔ جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کر لے، اور غیر طعام کے مسئلہ میں فقہاء کے چار مذاہب ہیں: ایک یہ کہ کسی چیز کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں، خواہ کسی قبیل سے ہو، جس طرح طعام میں جائز نہیں، یہ قول امام شافعی اور امام محمد کا ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ سوائے مکیلی و موزونی کے تمام اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے، یہ قول عثمان بن عفان، سعید بن مسیب اور دیگر حضرات کا ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ سوائے گھر اور زمین کے دیگر تمام چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، یہ قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے۔ چوتھا مذہب یہ ہے کہ سوائے ماکولات و مشروبات کے تمام چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے، یہ قول امام مالک و ابو ثور کا ہے۔ ابن المنذر کا خیال یہ ہے کہ یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے، اس حدیث کی بنا پر کہ حضور ﷺ نے طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے، امام مالک اور ان کے موافقین نے ابن عمر کی روایت سے استدلال کیا ہے: من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یقبضہ، اور ابن عباس کی روایت کو بھی مستدل بنایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس چیز کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے منع فرمایا، وہ طعام ہے۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ ان روایات میں طعام کی صراحت ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر طعام کا حکم اس کے برعکس ہے۔ ہمارے اصحاب شوافع نے حکیم بن حزام کی روایت سے استدلال کیا ہے: "لا تبع ما لم تقبضہ" نیز زید بن ثابت کی روایت ہے کہ سامان وہاں نہ خریدا جائے جہاں فروخت ہوا ہے تا آنکہ تجار اپنے گھروں میں منتقل نہ کر لیں، امام ابو داؤد نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ نے نصوص کے اطلاق سے استدلال کیا ہے اور اس سے کہ عقار کے تلف ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، بخلاف غیر عقار کے۔ یہ پوری بحث امام نووی کی کتاب شرح المہذب سے تلخیص کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ (شرح مہذب ۹/۲۷۰، ۲۷۱)۔

۲۔ اس صورت میں ضمان کو قبضہ حسی کے قائم مقام قرار دیا جائے گا اور اس طرح کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا، کیونکہ عرف میں بھی اسے قبضہ ہی تصور کیا جاتا ہے، اور یہ ایسا عرف ہے جو نص شارع سے متصادم بھی نہیں ہے، لہذا اس کے جواز میں کوئی تردد نہیں ہے۔

۳۔ جہاز پر لدا ہوا مال جو ابھی سمندر ہی میں ہو اور مشتری اول نے ابھی اسے وصول بھی نہ کیا ہو، اس مال کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دینا یا تیسرے شخص کا اس مال کو خریدنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ معاملہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممنوع صورت میں داخل ہے اور فقہاء نے یہ صراحت کر دی ہے کہ اشیاء منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا حکم

محمد ارشد فاروقی قاسمی

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے۔ اور کبھی باطل ہوتی ہے تو کبھی فاسد۔

بیع باطل:

اگر مبیع ملکیت میں نہ ہو اور بیع کی جائے تو بیع باطل ہوگی۔ بیع مالیس فی ملکہ باطل (رد المحتار ۱۱۹/۳) قول رسول ہے: "لاتبع مالیس عندک" (مرقاۃ المفاتیح ۸۱/۳)۔

بیع فاسد:

اگر مبیع ملکیت میں ہو، لیکن قبضہ میں نہ ہو تو بیع فاسد ہوگی۔ وفی معنی مالیس عندہ فی الفساد بیع العبد الآبق وبیع المبیع قبل القبض (حوالہ سابق)۔

۲۔ فقہاء کی عبارتوں کو بہ نظر غائر پڑھنے سے حاصل مطالعہ یہ ہے کہ "قبضہ" جو "عرف" میں تسلیم کیا جائے وہی معتبر ہے۔ امام کاسانی کی ایک جامع عبارت بطور نمونہ رقم ہے:

فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع والمشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضا له وكذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع ... ایک دوسری عبارت ہے: لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً حقيقةً (بدائع الصنائع ۲۳۳/۵، ۲۳۸)۔

۳۔ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ وہی معتبر ہوگا جو "عرف" میں قبضہ تسلیم کیا جائے۔ علامہ کاسانی کی عبارت بالا سے یہی واضح ہوتا ہے (ایضا)۔ اشیاء غیر منقولہ قبضہ سے پہلے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے یہاں جائز ہے۔ امام محمدؒ کے یہاں ناجائز ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں۔ "علت نہی" غرر ودھوکہ ہے۔ والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به (ہدایہ ۵۸/۳)۔ قبضہ سے قبل مبیع کا ضائع ہونا ممکن ہے، یہی ہے "غرر انفساخ" یہی علت نہی ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت امام محمدؒ کے نزدیک عام ہے۔ اور حضرات شیخینؒ (امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف) کے یہاں اشیاء غیر منقولہ کا استثناء ہے۔

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وعند أبي يوسف، وقال محمد لا يجوز رجوعا إلى إطلاق الحديث واعتبارا بالمنقول۔

امام محمد فرماتے ہیں اس سلسلہ میں احادیث مطلق ہیں اس لئے اطلاق کو باقی رکھتے ہوئے عمل ہوگا۔

ولهما أن ركن البيع صدر من أهله ولا غرر فيه لأن الهلاك في العقار نادر (حوالہ سابق)۔

شیخین فرماتے ہیں کہ بیع کا رکن، بیع کا اہل موجود ہے، اس لئے عقار میں بیع ہو جائے گی قبضہ سے پہلے، اور "غرر" جو حدیث میں علت ہے۔ اور شیخین فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ سے ثابت شدہ بیع کو خبر واحد سے خاص نہیں کیا جاتا۔ ولهما عموم البياعات من الكتاب العزيز ولا يجوز تخصيص بيع الكتاب بخبر واحد عندنا (بدائع الصنائع ۱۸۱/۳)۔

لیکن اگر اشیاء غیر منقول میں "غرر انفساخ" پایا جائے تو شیخین کے یہاں بھی قبضہ سے پہلے بیع ناجائز ہوگی، مثلاً عقار سمندر کے کنارے ہو، یا ریتیلی زمین ہو۔ قال بعض المشائخ أن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحرا أو يغلب عليه الرمال (فتح القدير ۱۳۷/۹)۔

۹۔ بیع کی صورت مسئولہ جائز ہوگی، البتہ بائع اول کی دو حیثیت تسلیم کی جائیگی۔ پہلی حیثیت بائع کی اور دوسری حیثیت خریدار نمبر ایک کے وکیل کی، اب خریدار نمبر ۲ کے بدست بیع بحیثیت وکیل کے بائع نمبر ا کرے گا، اس لئے بیع جائز ہوگی۔ اور یہ بیع اقتضاءً جائز ہوگی، اصول فقہ کی کتابوں میں اس صورت کی نظیر موجود ہے:

وإذا قال أعتق عبدك عني بألف درهم فقال أعتقت، يقع العتق عن الآمر، لأن قوله أعتقه عني بألف درهم يقتضي معنى قوله بعه بألف ثم كن وكيلي بالإعتاق فأعتقه عني فيثبت البيع بطريق الاقتضاء ويثبت القبول كذلك (اصول الشاشی ص ۳۲، نور الانوار، حسامی وغیرہ)۔

۷۔ بیع کی یہ صورت ناجائز ہوگی اور یہ بیع فاسد ہوگی۔ حدیث ہے "ولا ربح ما لا يضمن" حدیث بالا کی تشریح ان الفاظ کی گئی ہے "يريد به الربح الحاصل من بيع ما اشتراه قبل أن يقبضه وينتقل من ضمان البائع إلى ضمانه فإن بيعه فاسد" (مرقاۃ المفاتیح)۔

صورت مسئولہ میں مشتری کے قبضہ سے پہلے بائع کا نفع ہو جاتا ہے اس لئے یہ صورت ناجائز ہوگی۔ اور اس طریقہ تجارت میں بے حد نقصانات ہیں، مثلاً ایک چیز جو بندرگاہ سے ایک کروڑ میں چلی اور وہ پہنچنے سے پہلے دسیوں بیسیوں ہاتھوں فروخت ہوتی رہی، ہندوستان آتے آتے وہ چیز دو کروڑ کی ہو جائے گی اور یہ سارا بار عوام پر پڑے گا، یہ دولت اور نفع چند سرمایہ داروں کو حاصل ہوگا اور لاکھوں عوام پر بوجھ پڑے گا۔

رسول اکرم ﷺ کے فرامین میں کس قدر حکم ہیں سبحان اللہ اس لئے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے۔

محترم مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم نے "تکملہ فتح الملہم" شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر بہت تفصیل سے لکھا ہے (دیکھئے تکملہ فتح الملہم)۔

والله أعلم وعلمه أحكم

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے شرعی احکام

مفتی شبیر احمد، مرادآباد

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے احکام اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتے جب تک کہ قبضہ کی حقیقت واضح نہ ہو جائے، اسلئے سب سے پہلے قبضہ کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے۔

قبضہ کی حقیقت :

کسی شی پر قبضہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے قبضہ کر کے لا یا جائے یا بائع کے یہاں سے حقیقی طور پر منتقل کر لیا جائے، بلکہ مفہوم قبضہ کے دائرے میں داخل ہونے کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ بائع شی مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر کے رکھ دے کہ خریدار جب چاہے اپنی چیز اپنی مرضی سے اٹھا کر لے جا سکے اور اختیار سے اٹھا کر لے جانے میں اس پر کوئی پابندی یا رکاوٹ پیش نہ آئے، لہذا اگر بائع نے شی مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر دیا ہے کہ خریدار جب چاہے لے جا سکتا ہے اور اس درمیان شی مبیع بائع کی طرف سے تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے یا ضائع ہو جائے تو بائع پر کوئی تاوان نہ ہوگا، بلکہ خریدار کی ملکیت میں سے اس کے گھر میں ہلاک ہو جانے کے حکم میں ہوگا۔ اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے ہم چند فقہی جزئیات نقل کرتے ہیں:

ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة الخ (بدائع ۵/۲۴۸)۔

قبضہ حاصل ہونے کیلئے ہاتھ سے قبضہ کر کے لانا شرط نہیں ہے اسلئے کہ قبضہ کے معنی صرف قبضہ کرنے پر قادر ہونے اور بائع کا خریدار کے سامنے سامان کو چھوڑ دینے کے ہیں اور لوگوں کے عرف میں صحیح معنی میں قبضہ کرنے میں رکاوٹ دور ہو جانے کے ہیں۔

صاحب بدائع نے آگے چل کر مزید وضاحت فرمائی ہے۔

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال الخ (بدائع ۴/۲۴۴)۔

حضرات فقہاء احناف کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں بائع کی طرف سے محض اختیار دینے اور سامنے رکھ دینے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

اور صاحب بدائع نے ایک جزئیہ اس سے بھی واضح نقل فرمایا ہے:

تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي

من المذروعات والمعدودات المتقاربة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

اور اگر کیلی چیز کو کیل کرکے اور وزنی چیز کو وزن کرکے الگ کر دیا ہے تو اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ شی بائع کے ذمہ سے نکل کر خریدار کے ذمہ میں داخل ہو جاتی ہے، اگر اشیاء مثلی نہ ہوں بلکہ پیمائش اور گنتی کی اشیاء ہوں تو ان میں الگ کرکے اختیار دینے سے بالاتفاق مکمل قبضہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اب مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عددی اور پیمائشی اشیاء جیسے، گاڑی، جہاز، لوہے، پیتل، کاغذ، تانبہ، لکڑی، کپڑے، کتاب، جانور وغیرہ کا سودا مکمل ہو جانے کے بعد جب بائع مشتری کو قبضہ کا اختیار دیدیتا ہے تو بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے یا مشتری کے حکم سے مبیع کو اپنی اشیاء سے الگ کر دے گا تو بائع کے ضمان سے منتقل ہو کر مشتری کے قبضہ اور اس کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے، جیسا کہ کتب فقہ کی مذکورہ عبارات سے واضح ہو جاتا ہے، لہذا مشتری کو اپنے یہاں منتقل کرنے سے قبل ان اشیاء میں تصرف کرنے اور دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا پوری طرح حق حاصل ہو جائے گا۔

غیر منقول اشیاء کی بیع قبضہ سے پہلے:

غیر منقول اشیاء ایسی اشیاء کو کہا جاتا ہے جن کو اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن نہ ہو، جیسا کہ زمین، مکان، دوکان، تجارتی پلاٹ وغیرہ، تو ایسی اشیاء اور جائیداد کی خرید و فروخت میں صرف سودا اور معاملہ طے ہو جانے سے قبضہ کا ثبوت ہو جاتا ہے، لہذا ایسی اشیاء میں معاملہ طے ہو جانے کے بعد خریدار کیلئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا جائز ہوگا، باقاعدہ وہاں جا کر اپنا سامان ڈالدینا یا چہار دیواری وغیرہ بنا دینا لازم نہیں ہے اور اشیاء غیر منقولہ کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کے جواز کو صاحب ہدایہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفة وأبی یوسف (ہدایہ ۵۸/۳)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک غیر منقول اشیاء کی فروختگی قبضہ سے پہلے جائز ہے:

أما بیع الأعیان غیر المنقولة قبل قبضها کبیع الأرض والضیاع والنخیل والدور ونحو ذلک من الأشیاء الثابتة التی لا یخشی هلاکها فإنه یصح الخ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲۴۴/۲)۔

بہر حال اشیاء غیر منقولہ کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا، مثلاً زمین، جائیداد، باغات، مکانات اور ان جیسی اشیاء جو قائم و ثابت ہیں جن کی ہلاکت کا کوئی خطرہ نہیں، صحیح ہے:

قبضہ کا مدار عرف پر ہے نصوص پر نہیں:

اسلامی شریعت نے کسی چیز میں تصرف سے پہلے اس پر مالکانہ قبضہ کا حکم فرمایا ہے اور مالکانہ قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے، اور ممانعت سے متعلق کتب حدیث میں مختلف قسم کی روایات موجود ہیں، اور ان میں سے حضرت حکیم بن حزام کی روایت زیادہ صریح اور واضح معلوم ہوتی ہے، مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت حکیم بن حزام کی

روایت کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن حكيم بن حزام أخبره قال. قلت يا رسول الله إني اشتريت بيوعا فما يحل لي منها وما يحرم علي قال، فاذا اشتريت شيئا فلا تبعه حتى تقبضه، الحديث (مسند امام احمد بن حنبل ۳/۴۰۲)۔

حضرت حکیم ابن حزام فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے سوال کیا کہ میں بہت سی اشیاء کو خریدتا ہوں ان میں سے کون سی میرے لئے حلال ہے اور کون سی میرے اوپر حرام ہے، تو حضورؐ نے فرمایا کہ جب تم کسی چیز کو خریدو تو اس وقت تک نہ بیچو جب تک اس پر قبضہ نہ کرلو۔

شریعت نے قبضہ سے پہلے شئی کو فروخت کرنے اور اس کو اپنے تصرف میں لانے سے اس قسم کی روایات سے منع فرمایا ہے، مگر شریعت نے قبضہ کی حقیقت کو متعین کر کے محدود نہیں کیا ہے، بلکہ ہر علاقہ اور ہر زمانہ کے عرف و عادت پر سونپ دیا ہے، لہٰذا قبضہ کے بارے میں جہاں جیسا رواج ہے ویسا ہی قبضہ تسلیم کرلیا جائے گا (بدائع الصنائع ۵/۱۴۸)۔

بیع قبل القبض فاسد ہی میں داخل ہے:

قبضہ سے پہلے کسی شئی کا فروخت کرنا من جانب شریعت ممنوع اور ناجائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو فروخت کرنے کیلئے سب سے پہلے شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ چیز مشتری کے حوالہ کرنے میں بائع کو کسی قسم کی رکاوٹ لازم نہ آتی ہو اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب مبیع بائع کے اختیار و ضمان میں داخل ہوتا کہ مبیع کو مقتضاء عقد کے مطابق اپنے اختیار سے مشتری کے حوالہ کرسکے اور قبضہ سے پہلے فروخت کرنے میں مشتری اپنے اختیار سے ملکیت کو منتقل کرنے پر قادر نہیں ہوتا ہے، اسلئے شریعت نے قبضہ سے پہلے کسی شئی کو فروخت کرنے سے ممانعت فرمائی ہے اور اس ممانعت کی وجہ سے عقد باطل تو نہیں ہوتا ہے لیکن فاسد ہو جاتا ہے، لہٰذا ناجائز عقود کے اقسام ثلاثہ (یعنی عقد باطل، عقد فاسد اور عقد مکروہ) میں سے قبضہ سے پہلے جو عقد ہوتا ہے وہ عقد فاسد کے دائرہ میں ہوتا ہے، باطل یا مکروہ کے دائرہ میں نہیں، اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

النهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسدا قبل القبض لانه لم يدخل في ضمانه (مجمع الانہر ۶/۵۱۲)۔

حدیث نہی عقد کے فساد کا تقاضہ کرتی ہے لہٰذا قبضہ سے پہلے جو عقد ہوتا ہے وہ عقد فاسد کے دائرہ ہی میں ہوتا ہے، اسلئے کہ اس عقد سے مبیع مشتری کے ضمان میں منتقل نہیں ہوتی۔

احادیث نہی معلول بالعلۃ ہیں:

بیع قبل القبض کی ممانعت سے متعلق مختلف قسم کی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں اور ان میں حضرت حکیم ابن حزام کی روایت زیادہ صریح اور واضح معلوم ہوتی ہے (مسند احمد بن حنبل ۳/۴۰۲)۔

شریعت نے قبضہ سے پہلے شئی کو فروخت کرنے اور اس کو اپنے تصرف میں لانے سے اس قسم کی روایات سے منع فرمایا ہے، اور اس کی علت یہ ہے کہ اگر معاملہ طے ہو جانے کے بعد اس پر مالکانہ قبضہ نہیں کیا گیا تو قبضہ سے پہلے خدانخواستہ اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو عقد کے فسخ ہو جانے کا خطرہ ہے یا مبیع میں کمی بیشی ہو جانے کا خطرہ ہے، اس لئے شریعت نے مالکانہ قبضہ اور اپنے اختیار وضمان میں آنے سے پہلے تصرف سے منع فرمایا ہے۔

اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

لأن فيه غرر انفساخ العقد الأول على اعتبار هلاك المبيع قبل القبض (فتح القدير ۵۱۲/۶)۔

اس لئے کہ قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں مبیع کے درمیان میں ہلاک ہو جانے کی وجہ سے عقد اول کے فسخ ہو جانے کا خطرہ ہے۔

خریدنے سے پہلے فروخت کرنا:

آج کل کے زمانہ میں اس طرح کا معاملہ کثرت کے ساتھ تاجروں کے درمیان رائج ہے کہ مشتری دوکاندار کے پاس مال خریدنے کیلئے جاتا ہے اور اس وقت اس کے پاس مال نہیں ہوتا ہے، بلکہ جہاں سے وہ مال منگایا کرتا ہے مشتری کو وہاں سے جا کر لینے کے لئے خود بل بنا کر دیتا ہے اور مشتری کمپنی کے پاس یہ بل لے کر جاتا ہے یا اس تاجر کے پاس جاتا ہے جس کے پاس مال بنا کر بھیجا ہے اور اس بل کو دیکھ کر بل بنانے والے پر اعتماد کرتے ہوئے مشتری کو اس بھاؤ سے زیادہ قیمت پر دیا جاتا ہے، اب درمیان میں جو منافع ہوتا ہے وہ دوکاندار اور تاجر کو مل جاتا ہے، تو ایسی صورت میں دو عقد ہو جاتے ہیں۔

(۱) مشتری اور دوکاندار کے درمیان جس میں بلا اجازت ملک غیر کو فروخت کرنا لازم آتا ہے۔

(۲) دوکاندار اور کمپنی کے درمیان، جس میں ملک غیر کو فروخت کرنے کے بعد خریدنا لازم آتا ہے، اور ان دونوں عقدوں میں غور طلب بات یہ ہے کہ دوکاندار اور مشتری کے درمیان جو عقد ہوا ہے اس میں دوکاندار کے مذکورہ مبیع کو خریدنے سے پہلے فروخت کرنا لازم آتا ہے اور کسی چیز کو خریدنے اور معاملہ طے کرنے سے پہلے فروخت کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے اور اسی طرح خریدنے کے بعد قبضہ کے اقسام میں سے اگر قبضہ معنوی بھی نہیں پایا جاتا ہے تب بھی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ معاملہ شرعی طور پر جائز نہیں ہوگا اور دوکاندار کیلئے درمیان کا نفع بھی جائز نہ ہوگا اور عدم جواز کی بات حضرات فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتی ہے۔

يوكل المشتري البائع بأن يبيع سلعة من نفسه لا تصح هذه الوكالة ولا هذا البيع أو [illegible] حلاً مثلاً بشراء شيء بعينه ووكل صاحب العين ذلك الرجل أيضا بأن يبيعه من زيد [illegible] الواحد بعينه مملكا ومتملكا (عینی شرح ہدایہ ۱۳۲/۳)۔

اور مشتری نے بائع کو اس بات کا وکیل بنایا کہ بائع اس سامان کو مشتری کی طرف سے فروخت کرے

(۲) کے یہاں پہنچنے سے پہلے وہ تیسرے کے ہاتھ فروخت کردے اس لئے کہ مال ابھی اس کے ضمان میں داخل نہیں ہوا (بدائع الصنائع ۵/۱۳۸، عنایہ مع الفتح ۶/۵۱۲)۔

شکل (۲) دوکاندار بل بنا کر مشتری کو نہیں دیتا، بلکہ کمپنی کے پاس اپنے آدمی کے ذریعہ بھیج دیتا ہے یا کمپنی سے فون یا فیکس کے ذریعے بات چیت کر کے معاملہ طے کر لیتا ہے اور کمپنی سے کہتا ہے کہ میرا مال فلاں آدمی (یعنی مشتری) دوکاندار اور کمپنی کے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے، اب مشتری یا مشتری کا آدمی جا کر اس پر قبضہ کر لیتا ہے یا کمپنی پیکنگ کر کے مشتری کے یہاں بھیج دیتی ہے تو یہ معاملہ اسلئے جائز ہے کہ کمپنی کے یہاں سے دوکاندار یا دوکاندار کا آدمی جو بھی جا کر اس مال پر قبضہ کرنا چاہے تو کمپنی کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اور قبضہ پر رکاوٹ نہ ہونے کا نام ہی قبضہ معنوی ہے اور قبضہ معنوی معتبر ہوتا ہے، جیسا کہ قبضہ کی حقیقت کے بیان میں گذر چکا ہے، اسلئے یہ معاملہ جائز اور درست ہو جائے گا۔

جہاز سے مال اترنے سے پہلے دوسرے کو فروخت کرنا:

آج کل کے زمانہ میں بین الاقوامی تجارت میں جب ایکسپورٹر مال جہاز پر چڑھا دیتا ہے اور اس کی اطلاع مشتری کو ہو جاتی ہے، مال ابھی سمندر میں ہو یا ہوائی جہاز پر امپورٹر کی دو حالتیں ہوتی ہیں (۱) وہ مال کو اس وقت تک دوسروں کے ہاتھ فروخت نہیں کرتا ہے، جب تک مال جہاز سے اتر کر اس کے قبضہ میں نہ آ جائے تو ایسی صورت میں اس کے معاملات میں کسی قسم کی شرعی قباحت لازم نہیں آتی (۲) امپورٹر اس کا انتظار نہیں کرتا کہ مال جہاز سے اتر کر اس کے قبضہ میں آ جائے بلکہ مال ابھی سمندر میں یا ہوائی جہاز پر ہی ہوتا ہے، یہ دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوسرا تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔

سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مال جہاز پر چڑھ جانے کے بعد اصل بائع کے ضمان سے خارج ہو جاتا ہے اور مشتری کے ضمان میں منتقل ہو جاتا ہے، واقعۃً عملی طور پر صرف ایسا نہیں ہے جو سوالنامہ میں ہے بلکہ مال جہاز پر چڑھ جانے کے بعد اس کی پوری طرح ذمہ داری بیمہ کمپنی پر ہوتی ہے، اب بیمہ کمپنی پر ذمہ داری کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔

شکل (۱) جہاز یا راستہ میں مال کا مشتری کے ضمان میں ہونا:

بائع اور مشتری کے درمیان معاملہ اس طرح طے ہوتا ہے کہ بائع اپنے ملک کی بندرگاہ سے جہاز پر چڑھا دینے کا ذمہ دار ہے اور جہاز پر چڑھا چکنے کے کاغذات جب اس کو حاصل ہو جائیں گے تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی، اور وہاں سے مشتری کے یہاں مال پہونچنے تک کیلئے مشتری بیمہ کراتا ہے، اور وہاں سے مشتری کے پاس مال پہونچنے تک پوری ذمہ داری بیمہ کمپنی کے توسط سے مشتری کے اوپر ہوتی ہے، ایسے معاملہ کو تاجروں کی اصطلاح میں (C & F) کہا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں اگر راستہ میں مال ہلاک ہو جائے تو اس مال کے نقصان کی تلافی کیلئے مشتری دوڑ دھوپ کرے گا اور بیمہ کمپنی کے توسط سے جو کچھ بھی ہرجانہ وصول ہو سکتا ہے مشتری ہی وصول کرے گا، اور

لأن فيه غرر انفساخ العقد الأول على اعتبار هلاك المبيع قبل القبض فتبين حينئذ أنه باع ملك الغير بغير إذنه وذلک مفسد للعقد (فتح القدیر ۶/۵۱۲)۔

اس لئے کہ قبضہ سے پہلے فروخت کرنے میں عقد اول کے فسخ ہوجانے کا خطرہ ہے، قبضہ سے پہلے مبیع کے ہلاک ہوجانے کے اندیشے سے اس وقت یہ بات ثابت ہوسکتی ہے کہ اس میں غیر کی ملک کو بغیر اجازت فروخت کردیا ہے اور یہ مفسد عقد ہے۔

ٹرانسپورٹ پر رکھے رکھے عقد در عقد:

ملکی بیع یا ایک شہر سے دوسرے شہر جو مال منتقل کیا جاتا ہے اس کا حال بھی ایسا ہوتا ہے کہ مال ابھی بذریعہ ریل یا ٹرک وغیرہ راستہ میں ہے اور ادھر مشتری مال کا نمونہ اور نوعیت پیش کرکے دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے اور بھی ٹرانسپورٹ پر رکھے رکھے دوسرا تیسرے اور تیسرا چوتھے کے ہاتھ فروخت کرتا جاتا ہے اور اس میں مال کا ضمان منتقل ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا، بلکہ صرف بل کی تبدیلی ہوتی جاتی ہے تو اس طرح محض تبدیل بل کی وجہ سے ملکیت منتقل نہیں ہوسکتی جب تک کہ ضمان منتقل نہ ہوجائے، واسطے کہ راستہ میں جو مال پڑا ہوا ہے یا ریل یا ٹرک وغیرہ کے ذریعے آرہا ہے وہ اگر ہلاک ہوجاتا ہے تو مشتری اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا، بلکہ ذمہ دار بائع ہی ہوتا ہے اور اس قسم کے عقود میں ماکولات اور غیر ماکولات سب کا حکم برابر ہے جیسا کہ "فتح الملہم" کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

فنهى فيه رسول الله ﷺ عن الربح مالم يضمن والبيع قبل القبض يتضمنه لأن المبيع لا يأتي في ضمان المشتري حتى يقبضه فإن باعه قبل ذلك بالربح كان ذلك ربحاً بما لم يضمنه وهذه العلة تعم الطعام وغيره (تكملة فتح الملهم ۱/۳۵۳)۔

اس میں رسول اللہ ﷺ نے کسی ایسی چیز سے نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے جو ضمان کے دائرہ میں داخل نہ ہوتی ہو اور قبضہ سے بیچنا اس کو اپنے ضمان میں لے لینا ہے، حالانکہ مبیع مشتری کے ضمان میں قبضہ سے پہلے داخل نہیں ہوتی ہے، لہذا اگر قبضہ سے پہلے بیچ کر نفع حاصل کرے گا تو اس چیز سے نفع حاصل کرنا لازم آتا ہے جو اس کے ضمان کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی ہے اور ممانعت کی یہ علت ماکولات وغیر ماکولات سب کو شامل ہے۔

جواز کی متبادل شکل:

اگر بین الاقوامی بیع میں قبضہ سے پہلے دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے کا معمول لوگوں کے درمیان عام ہوجائے اور اس سے بچاؤ کی کوئی شکل نہ بن سکے اور تمام لوگ اس میں مبتلا ہوجائیں تو ایسی صورت میں "عدول عن المذہب" کی گنجائش ہوجاتی ہے اور قبضہ سے پہلے حضرت امام مالک اور امام بخاری کے نزدیک ثمن مبیع کو فروخت کردینا جائز اور درست ہے، البتہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اشیاء خوردنی کے علاوہ دیگر منقول اشیاء کا ہونا لازم ہے اور امام بخاریؒ کے نزدیک یہ قید بھی نہیں ہے، بلکہ صرف ایجاب وقبول کے بعد مشتری کیلئے ثمن مبیع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردینا جائز ودرست ہے، حضرت امام مالکؒ کا مسلک "کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" میں ان الفاظ

سے نقل فرمایا ہے:

المالکیة قالوا یصح للمشتری أن یتصرف فی المبیع قبل قبضه بالبیع سواء کان المبیع منقولا أو عینا ثابتة کالأرض والنخیل ونحوهما إلا الطعام (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ۲/۲۲۵)۔

حضرات مالکیہ فرماتے ہیں کہ مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے چاہے مبیع اموال منقولہ ہوں یا غیر منقولہ اور غیر منقولہ جیسا کہ زمین، باغات وغیرہ مگر ماکول اشیاء مثلاً کھانے پینے والی کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

اور امام مالک کا مسلک "اوجز المسالک" اور "تعلیق مجد" میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

قال مالک یجوز جمیع التصرفات فی غیر الطعام قبل القبض لورود التخصیص فی الأحادیث بالطعام

اور حضرت امام بخاری کے نزدیک محض ایجاب و قبول کی وجہ سے قبضہ کا ثبوت ہو جاتا ہے بیع پر قبضہ لازم نہیں ہے، تو قبضہ معنوی لازم ہے نہ قبضہ حسی۔

اور امام بخاری کا مسلک حضرت شاہ صاحب نے "فیض الباری" میں اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

أما عند البخاری فلا یشترط عنده (إلی قوله) وکان القبض یحصل عنده بمجرد الإیجاب والقبول ولا یحتاج بعد ذلک إلی أمر آخر یسمی قبضا (فیض الباری ۳/۲۰۲)۔

بہر حال امام بخاری کے نزدیک قبضہ کی شرط نہیں ہے، بلکہ ان کے یہاں محض ایجاب و قبول کی وجہ سے قبضہ کا ثبوت ہو جاتا ہے، اس کے بعد کسی ایسے دوسرے امر کی ضرورت نہیں رہتی ہے جس کا نام قبضہ رکھا جائے۔

امام بخاری نے حضرت جابرؓ کی حدیث جمل کے تحت ترجمۃ الباب میں اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے جو بخاری شریف ۱/۲۸۳ پر موجود ہے اور اسی میں حضرت ابن عمرؓ کا وہ واقعہ بھی نقل فرمایا ہے جس میں حضرت عمرؓ کے خریدے ہوئے اونٹ کو حضور ﷺ کے ہاتھ فروخت کرنے کا ذکر ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کے نزدیک غیر ماکول اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، لہٰذا علماء کی جماعت حنفی مسلک کے لوگ اس مسئلہ میں اپنے مسلک سے عدول کر کے حضرت امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں غور کرنا چاہئے۔

ماکول اشیاء میں حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے:

حدیث پاک میں یہ صراحت آئی ہے کہ ماکول اشیاء کو دوبارہ کسی اور کو فروخت کرنے سے پہلے کھانا ان میں تصرف کرنا ممنوع ہے، یہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ خریدار کو بائع کے ناپ تول پر اعتماد ہو لہٰذا اگر مشتری کو بائع

کے ناپ تول پر پوری طرح اعتماد ہو تو پھر دوبارہ کیل یا وزن کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور بائع نے جو کیل یا وزن کیا ہے وہ مشتری کے سامنے ہونا لازم نہیں بلکہ مشتری کی عدم موجودگی میں کیل یا وزن کر کے رکھدیا ہے اور مشتری کو اعتماد ہے تو کافی ہے۔

اس کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے:

فالذي يتبين أن المشتري إن اعتمد على كيل البائع جاز له أكله بدون إعادة الكيل سواء كان بحضرته أو بغيبته (فیض الباری ۲۲۰/۳)۔

پس جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ مشتری اگر بائع کے کیل پر اعتماد کرتا ہے تو کیل کے اعادہ کے بغیر اس کو کھانا جائز ہے، چاہے بائع کا کیل مشتری کی موجودگی میں ہو یا اس کی غیوبت میں ہو۔

ایک آدمی کا اپنے ملک میں رہ کر دوسرے ملک کے آدمی کا وکیل بن کر خرید وفروخت کرنا:

ایک شخص ہندوستان میں رہتا ہے دوسرا شخص، مثلاً امریکہ میں رہتا ہے، اب دونوں کے درمیان فون یا فیکس سے بات چیت ہوتی ہے، انڈیا میں رہنے والا شخص امریکہ میں رہنے والے شخص کو فون یا فیکس کے ذریعہ اس بات کا وکیل بناتا ہے کہ آج کی تاریخ میں سونا جس بھاؤ کا ہو خرید لے اور خرید کر اپنے ہی پاس رکھ لے تو امریکہ میں رہنے والے نے مثلاً فی تولہ سو ڈالر کے حساب سے خرید لیا ہے، پھر کچھ عرصہ کے بعد سونے کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے، مثلاً فی تولہ سوا سو ڈالر ہو جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان گفتگو اور رابطہ رہتا ہے تو اب ہندوستان والے نے اجازت دیدی کہ میرے نام سے خریدا ہوا سونا سوا سو ڈالر کے حساب سے فروخت کر دیا جائے اور وکیل طے شدہ معاہدہ کے مطابق فروخت کر دیتا ہے اور فی تولہ پچیس ڈالر کا منافع ہندوستان میں رہنے والے کو بیٹھے بیٹھے مل جاتا ہے تو کیا اس طرح کا معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ شرعی طور پر ایسا معاملہ جائز اور درست ہے، عدم جواز کی کوئی علت نہیں ہے، اسلئے کہ ایک آدمی وکیل بالبیع اور وکیل بالشراء دونوں ہو سکتا ہے، جیسا کہ حضرات فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وإذا وكل رجلا غائبا وأخبره رجل بالوكالة يصير وكيلا سواء كان المخبر عدلا أو فاسقا أخبره من تلقاء نفسه أو على سبيل الرسالة صدقه الوكيل في ذلك أو كذبه (عالمگیری ۵۶۱/۳)۔

اور جب کسی دور دراز رہنے والے غائب آدمی کو وکیل بنایا جائے اور اس کو وکالت کی خبر پہونچ جائے تو وہ وکیل ہو جائے گا چاہے خبر دینے والا عادل ہو یا فاسق، اس نے اپنی طرف سے خبر دی ہو یا بطور پیغام بات پہونچادی اور وکیل نے اس کی تصدیق کی ہو یا تکذیب، بہر حال وہ وکیل بن جائے گا۔

والأصل فيه أن الجهالة اليسيرة تتحمل في الوكالة (ہدایہ ۱۹۵/۳)۔

معمولی جہالت مسئلہ وکالت میں متحمل کر لی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

عن جابر في الرجل يبتاع المبيع فيبيعه قبل ان يقبضه قال اكره (معانی الآثار ۲۰۳/۲)۔

مذکورہ دونوں صحابی بیع قبل القبض کی ممانعت سے متعلق حدیث مقید بالطعام کے مشہور راویوں میں سے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ حضرات بیع قبل القبض کی ممانعت کے حکم کو عام قرار دیتے ہیں، لہذا ان صحابہ کرام کے فتاوی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم عام ہے، لان الصحابة اعرف بمقاصد الرسول (نقل از دراسات ص ۱۹۰، بحوالہ المجموع ۱۳۲/۹)۔

رہی وہ روایتیں جن میں طعام کی قید مذکور ہے تو اس کا جواب حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ وہ قید احترازی نہیں ہے، بلکہ اتفاقی اور تمثیلی ہے۔ قال محمد وابن عباس ان قيد الطعام اتفاقي (العرف الشذی ۲۲۳/۱) چنانچہ علامہ طحاوی علیہ الرحمہ نے معانی الآثار میں مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس طرح قرآن پاک میں حرم کے شکار کو قتل کرنے کی صورت میں جزا کا حکم عمد کی قید کے ساتھ مذکور ہے لیکن وہ حکم عمد اور غیر عمد والی صورت کو بھی شامل ہے، چنانچہ جیسے وہی جزا قتل عمد کی صورت میں بھی واجب ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی بیع قبل القبض کی ممانعت والی حدیث میں طعام کی قید کے سلسلہ میں بھی یہی سمجھنا چاہیے۔ (شرح معانی الآثار ۲۰۲/۲)۔

مذکورہ نقلی دلائل کے علاوہ بیع قبل القبض کی عام ممانعت کے سلسلہ میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی جانب سے کچھ اور عقلی و نقلی دلیلیں پیش کی گئی ہیں، مثلاً ان کا کہنا ہے کہ قبضہ سے پہلے سامان کو فروخت کرنے سے جو نفع حاصل ہوگا وہ ربح مالم یضمن ہے، یعنی مال غیر مضمون سے نفع حاصل کرنا لازم آتا ہے، جو شرعاً ناجائز و معیوب بھی ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ربح مالم یضمن سے منع کیا گیا ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال نهى رسول الله ﷺ ... عن ربح مالم يضمن (رواہ النسائی ۲۲۶/۲)۔

اب ظاہر ہے کہ قبضہ سے پہلے سامان کو فروخت کرنے کی صورت میں جس طرح کھانے کی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے ربح مالم یضمن لازم آتا ہے اسی طرح غیر طعام کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے ربح مالم یضمن لازم آتا ہے، لہذا اس دلیل کا بھی تقاضا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت عام ہو۔ (دیکھئے: معانی الآثار ۲۰۳/۲)۔

اسی طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیع قبل القبض کی ممانعت کے سلسلہ میں ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں شرعاً ربا (سود) کا شبہ پایا جاتا ہے، کیونکہ قبضہ سے پہلے جب مبیع میں تصرف کیا جائے گا اور اس کو فروخت کیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ مبیع تو غائب ہے، ہاں ثمن موجود ہے، لہذا اس صورت میں تو مبیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کیا گیا تو درحقیقت کی نقدی کے ساتھ ثمن کا ثمن سے تبادلہ کیا گیا، جو شرعاً درست نہیں ہے، اب ظاہر ہے کہ یہ شبہ ربا تمام مبیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے میں پایا گیا، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے

کھانے کی اشیاء کے قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت والی مرفوع حدیث کو ذکر فرمایا تو حضرت طاؤس نے حضرت ابن عباس سے بیع الطعام قبل القبض کی ممانعت کی وجہ پوچھی تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا: ذاک دراھم بدراھم والطعام مرجا (رواہ البخاری ۱/۲۸۶) الا تراھم یتبایعون بالذھب والطعام مرجاً (مسلم شریف ۲/۵)۔

اب یہاں یہ سوچ کر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت والی بیشتر احادیث میں طعام کی قید کیوں مذکور ہوئی ہے اس سلسلہ میں بھی کچھ عرض کیا جائے، تو جیسا کہ ماقبل میں درج کیا گیا وہ قید تمثیلا ہے، دوسرے طعام کی قید کے ذکر کرنے کی مصلحت پر امام طحاوی علیہ الرحمہ نے معانی الآثار میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ طعام کی بیع کے اندر شریعت نے کچھ توسع سے کام لیا ہے، چنانچہ اس کے اندر بیع سلم کو جائز رکھا ہے، دوسری چیزوں کے اندر نہیں، جبکہ بیع سلم معدوم وغیر موجود کی بیع ہے، لہذا جب شریعت نے صراحت کے ساتھ طعام کے اندر بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کا اعلان کیا تو اس سے ثابت ہوا کہ بدرجہ اولی غیر طعام میں بیع قبل القبض ناجائز ہے، یہی وہ خاص مصلحت ہے جس کے سبب طعام کا ذکر ہوا، اب ظاہر ہے کہ اگر اس کے برعکس معاملہ ہوتا کہ طعام کو چھوڑ کر غیر طعام کو ذکر کر کے بیع قبل القبض کا اعلان کیا جاتا، تو پھر ایسی صورت میں طعام کے اندر بیع قبل القبض کی ممانعت ثابت نہ ہو پاتی، اور سامع کو یہ نہ معلوم ہو پاتا کہ طعام کے اندر بیع قبل القبض کا کیا حکم ہے۔
(دیکھئے شرح معانی الآثار ۲/۲۰۲)۔

اور حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف نے بیع قبل القبض کی ممانعت کے حکم کو طعام کے علاوہ دیگر منقول اشیاء کی بیع کے عدم جواز تک جو عام رکھا ہے، تو اس سلسلہ میں ان حضرات کی دلیل بھی تقریبا وہی حدیثیں اور فتاوی صحابہ اور عقلی دلائل ہیں جن سے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے بیع قبل القبض کی ممانعت کے حکم کے عموم پر استدلال کیا ہے، البتہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے قبضہ سے پہلے غیر منقول اشیاء کی بیع کے جواز کو جو حکم عام سے خاص کیا ہے، اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) قرآن پاک میں بغیر قبضہ کی قید کے مطلق بیع کو حلال قرار دیا گیا ہے، چنانچہ باری تعالی کا ارشاد ہے: احل اللہ البیع (سورۃ البقرۃ ۲۷۵) اس آیت کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر قبضہ کے بھی خرید وفروخت کا معاملہ شرعا جائز ودرست ہو، لیکن دوسری طرف احادیث میں بیع قبل القبض کی مطلق ممانعت وارد ہے، جس کا تقاضا ہے کہ بغیر قبضہ کئے ہوئے کسی سامان کو بیچنا اور فروخت کرنا جائز نہ ہو، لہذا دونوں قسم کے دلائل کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا کہ آیت کے عموم کی وجہ سے قبضہ سے پہلے غیر منقول اشیاء کی بیع کو جائز قرار دیا جائے (جہاں قبضہ حسی متعذر ہے) اور احادیث نبویہ کے پیش نظر قبضہ سے قبل منقول اشیاء کی بیع کو ناجائز کہا جائے، اور اس تخصیص کا قرینہ وہ حدیثیں ہیں جن میں مبیع کو محل بیع سے منتقل کرنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ متفقہ طور سے تمام فقہاء نے قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کرنے کی اجازت

خریداری ادا کرتا ہے تو اس صورت میں خریدار کا قبضہ مانا جائے گا اور کمپنی کی تحویل میں مال کے آجانے کے بعد خریدار کیلئے اس مال کو فروخت کرنا جائز ہے (احسن الفتاوی ۶/۵۲۶)۔

(۳) اور اگر سامان کو خریدنے سے پہلے خرید وفروخت کا معاملہ کیا جائے تو اسے محض وعدۂ بیع یا بیع سلم یا بیع استصناع کے دائرہ میں رکھ کر جائز قرار دیا جائے گا۔

مذکورہ گذارشات کے بعد فقہ اکیڈمی دہلی کے مرسلہ سوالوں کا جواب ملاحظہ ہو:

بیع قبل القبض فاسد ہے یا باطل؟

جیسا کہ اوپر مفصل عرض کیا گیا کہ بیع قبل القبض شریعت اسلامی کے اعتبار سے ناجائز ہے اور اس کے ناجائز ہونے پر جمہور فقہاء فی الجملہ متفق ہیں، اب رہی یہ بات کہ بیع قبل القبض کا شمار مندرجہ بالا بیع فاسد میں ہے یا بیع باطل میں یا بیع مکروہ میں، تو اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنے سے پہلے بیع فاسد، مکروہ اور بیع باطل کی حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، فقہاء کرام نے بیع فاسد، مکروہ اور بیع باطل کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ:

اگر خرید وفروخت کا معاملہ اصل اور وصف دونوں اعتبار سے صحیح نہ ہو تو بیع باطل ہے، اور اگر بیع کا معاملہ اصل کے اعتبار سے تو درست ہو لیکن وصف متصل کی وجہ سے اس میں کوئی خرابی ہو تو یہ بیع فاسد ہے، اور اگر بیع کا معاملہ اصل ووصف کے اعتبار سے تو درست ہو لیکن کسی امر مجاور کی وجہ سے اس میں کوئی قبح وخرابی پائی جائے تو یہ بیع مکروہ ہے، چنانچہ مشکوۃ کی شرح تنظیم الاشتات میں مرقوم ہے

والبيع الباطل ما لا يكون صحيحاً باعتبار الأصل والوصف والبيع الفاسد هو ما لا يصح أي إن كان القبح لوصف متصل والبيع المكروه إن كان القبح لأمر مجاور (تنظیم الاشتات ۲/۱۱۵)۔

حضرت علامہ عبدالحی فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے ہدایہ کے حاشیہ میں باب البیع الفاسد کے تحت بیع فاسد، مکروہ اور بیع باطل کی حقیقت پر اس سے زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے (دیکھئے حاشیہ ہدایہ ۳/۳۳)۔

بیع باطل وفاسد کی حقیقت سامنے آجانے کے بعد بیع قبل القبض کے سلسلہ میں غور کرنا چاہئے کہ اس سے بیع فاسد ہوتی ہے یا بیع باطل ہوتی ہے، تو اگرچہ اس سلسلہ میں فقہاء کرام کا کلام مختلف ہے، چنانچہ جوہرہ نیرہ باب المرابحہ میں لکھا ہے کہ:

قال الخجندي إذا اشترى منقولا لا يجوز بيعه قبل القبض لا من بائعه ولا من غيره فإن باعه فالبيع الثاني باطل والبيع الأول على حاله جائز ولو باعه من البائع قبله لا يصح البيع (الجوهرة النيرة)۔

اسی طرح صاحب درمختار نے بیع قبل القبض کے سلسلہ میں ایک قول یہ نقل کیا ہے **بخلاف بيعه قبله** (

ای قبل القبض) فإنه باطل مطلقاً (الدر المختار مع رد المحتار ۱۸۴/۴) یعنی قبل القبض باطل ہے، لیکن مذکورہ قول کے بعد بیع قبل القبض کے متعلق دوسرا قول بیع فاسد ہونے کا لکھا ہے: وفی المواهب وفسد بیع المنقول قبل قبضه ، انتهى (الدر المختار ۱۸۴/۴)۔

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں بیع قبل القبض کو بیع فاسد ہی لکھا ہے: ومنها القبض فی بیع المشتری المنقول وفی الدین قبل قبضه فاسد کالمسلم فیه (فتاویٰ عالمگیری کتاب البیوع الباب الاول ۳/۳)۔

بیع باطل وفاسد کے مذکورہ بالا اصول کے پیش نظر بیع قبل القبض کو بیع فاسد ہی ہونا چاہئے، رہا بیع فاسد پر بیع باطل کا اطلاق تو یہ فقہاء کرام کے کلام میں بکثرت ہے، اسی طرح بیع باطل پر بھی فقہاء کرام کے اقوال میں بیع فاسد کا اطلاق ہوا ہے، چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے:

قد یذکر الفاسد ویراد به الباطل کما أن فی أول کتاب القدوری جعل البیع بالمیتة فاسداً وهو باطل (شرح وقایہ ۵۰/۳)۔

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

وبیع أم الولد والمدبر والمکاتب فاسد ومعناه باطل (ہدایہ ۴۴/۳)۔

قبضہ کی حقیقت تصریحات فقہاء کی روشنی میں:

اسلامی شریعت نے قبضہ سے پہلے کسی مبیع میں تصرف کرنے سے منع کیا ہے، لیکن قبضہ کی حقیقت کیا ہے؟ اور کیا کتاب وسنت نے قبضہ کی کسی خاص حقیقت کی کوئی تحدید وتعیین کی ہے؟ یا لوگوں کے عرف میں جس درجہ کے عمل وفعل کو قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً قبضہ مانا جائے گا، تو اس سلسلہ میں فقہاء کرام اور شارحین حدیث کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اسلامی شریعت نے قبضہ کی کوئی خاص تحدید نہیں کی ہے، البتہ نصوص شرعیہ کی روشنی میں بطور خود حضرات فقہاء کرام نے قبضہ کی تحدید کی کوشش کی ہے، لیکن تصریحات فقہاء کو درج کرنے سے پہلے قبضہ کے لغوی مفہوم کو یہاں تحریر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ تصریحات فقہاء کو سمجھنے میں سہولت ہو، تو اس سلسلہ میں ارباب لغت نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قبض باب ضرب کا مصدر ہے، اور قبضہ اسی کا اسم مرۃ ہے، قبض کے لغوی معنی ہیں، لینا، پکڑنا، جمع کرنا، اکٹھا کرنا، گرفتار کرنا، ضبط کرنا، قابو پانا، وصول پانا، روکنا، باز رہنا، ہٹنا، دور کرنا، سمیٹنا، وفات دینا، تنگی ڈالنا، کہا جاتا ہے: "صار المال فی قبضة" مال اس کی ملکیت میں ہوگیا (ملاحظہ ہو: القاموس الجدید ۴۱۵/۱، مصباح اللغات ۶۵۳، المنجد ۹۳، المعجم الوسیط ۷۱۱) اور قواعد الفقہ میں قبض کی تشریح کرتے ہوئے اس کے مصنف نے لکھا ہے: القبض خلاف البسط یقال قبض علیه إذا ضم علیه أصابعه وقبض الشئ أخذه، وهذا الشئ فی قبضة فلان ای فی ملکه وتصرفه، والقبضة من الشئ ملأ الکف منه (قواعد الفقہ ۴۲۲)۔

قبضہ کے لغوی معنی کو جان لینے کے بعد تصریحات فقہاء کی روشنی میں قبضہ کی حقیقت ملاحظہ ہو:

اس سلسلہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ) کا نظریہ ہے کہ ہر چیز میں قبضہ اس شئی کی حیثیت کے اعتبار سے مانا جائے گا۔

مذهب المالكية والشافعية والحنابلة أن قبض كل شيء بحسبه (الموسوعة الفقهية ۹/۳۲۶، نص ابن قدامہ فی المغنی ۴/۲۲۰)۔

اگر کوئی چیز وزن، کیل، عدد یا ذراع سے فروخت ہوئی تو اس میں قبضہ وزن، کیل، تعداد، ذراع (گز لینے) سے تسلیم کیا جائے گا۔

فإن كان مكيلا أو موزونا أو معدودا أو مذروعا فقبضه بالكيل أو الوزن أو العدد أو الذرع وذلك لحديث عثمان... يا عثمان إذا ابتعت فاكتل وإذا بعت فكل (علقہ البخاری ۴/۲۸۹، وصلہ احمد ۱/۶۲، وحسن البیہقی ۲/۴۸۹، البیہقی ۵/۳۱۵، الموسوعہ ۹/۳۲۶)۔

البتہ امام مالک کے نزدیک مثلی چیزوں میں قبضہ کا تحقق خریدار کو مبیع اس کے برتن میں رکھ کر حوالہ کر دینے سے مانا جائے گا، اور اگر منقولی سامان یا چوپائے کو خریدا تو اس میں قبضہ کا اعتبار لوگوں کے درمیان رائج عرف کے مطابق ہوگا۔

والمالكية شرطوا في قبض تسليمه للمشتري وتفريغه في أوعيته (الشرح الكبير للدردير: حاشية الدسوقي عليه ۳/۱۴۴) وإن كان جزافا فقبضه نقله وذلك لحديث ابن عمر قال كانوا يتبايعون الطعام جزافا بأعلى السوق فنهاهم رسول الله ﷺ أن يبيعوه حتى ينقلوه وفي رواية حتى يحولوه، وإن كان منقولا من عروض وأنعام فقبضه بالعرف الجاري بين الناس كما يقوله المالكية كاحتياز الثوب وتسليم مقود الدابة (الموسوعة الفقهية ۹/۳۲۶، الشرح الكبير ۵/۱۴۵)۔

اور حضرات حنابلہ کے نزدیک اگر شئی دراہم و دنانیر کے قبیل سے ہو تو اس میں قبضہ کا تحقق ہاتھ میں لینے سے ہوگا، اور اگر کپڑا ہو تو اس کو منتقل کر لینے سے ہوگا، اور اگر جانور ہو تو اس کو اس کی جگہ سے چلا دینے سے قبضہ ہو جائے گا، اور اگر زمین ہو تو اس میں قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری کیلئے زمین کا تخلیہ کرے۔

وفصل الحنابلة في المنقول من العروض والأنعام فقالوا إن كان المبيع دراهم أو دنانير فقبضها باليد وإن كان ثيابا فقبضها نقلها وإن كان حيوانا فقبضه تمشيته من مكانه وإن كان عقارا فقبضه بالتخلية بينه وبين المشتري بلا حائل دونه (الموسوعة الفقهية ۹/۳۲۶، المغنی ۴/۲۲۰، کشاف القناع ۳/۲۲۷)۔

اور حضرات شوافع کے نزدیک بھی شئی کی مختلف قسموں کے اعتبار سے قبضہ [illegible]

ہے، اگر شئی ایسی ہے کہ جو ہاتھ سے پکڑی جا سکتی ہے تو اس میں قبضہ ہاتھ میں لے لینے سے [illegible]

[illegible]

منقولی اشیاء میں سے ہے تو قبضہ تخلیہ کر دینے سے ہو جائے گا، البتہ مکان میں قبضہ کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ بائع خریدار کو مکان کی کنجی حوالہ کر کے تصرف کرنے کی اجازت دیدے، اور اگر اس میں کسی اور کا سامان ہو تو اس کو نکال کر مکان کو خالی کر دے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۲۲۲، فتح الباری ۲/۳۰۱)۔

اور ائمہ احناف کے نزدیک قبضہ کے سلسلہ میں اتنی تفصیل نہیں ہے، بلکہ ان حضرات نے قبضہ کیلئے تخلیہ کو معتبر مانا ہے، لیکن تخلیہ کی تعریف بقول علامہ انور شاہ کشمیری محدود ہے، البتہ ظاہر روایت کے مطابق اس کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ خریدار کیلئے مبیع کو لے کر تصرف کرنے میں جو رکاوٹ پیش آسکتی ہے، بائع اس کو دور کر دے (العرف الشذی ۱/۲۲۳)۔

اور حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک منقولی چیزوں میں قبضہ کا تحقق سامان کو منتقل کر لینے سے مانا جائے گا، لیکن بظاہر یہ حضرت امام ابو یوسف کی ایک روایت ہے، ورنہ ان کا مذہب یہی ہے کہ تمام چیزوں میں قبضہ کا تحقق صرف تخلیہ سے ہو جاتا ہے۔

قال في الموسوعة لأنها (أي التخلية) تسليم فمن ضرورته الحكم بالقبض فيترتب عليه ما يترتب على القبض الحقيقي وهذا هو الأصح و مقابل الأصح المروي عن أبي يوسف وهو أنه لا يثبت في المنقول إلا بالنقل (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۲۲۲) ولكن قال صاحب البدائع لا خلاف بين أصحابنا في أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال (البدائع ۵/۲۴۴) مندرجہ بالا تفصیل سے قبضہ کی حقیقت کے سلسلہ میں فقہاء احناف کا جو نظریہ متعین ہو کر سامنے آتا ہے اس سلسلہ میں صاحب بدائع نے متعدد جگہ کلام کیا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھا ہے، ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكن و التخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة وحقيقة (بدائع الصنائع ۵/۱۴۸) نیز ایک اور جگہ صاحب بدائع نے قبضہ کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: تفسير التسليم و القبض فالتسليم و القبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع و المشتري قابضا له (بدائع ۵/۲۴۴)۔

مذکورہ تفصیل سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ فقہائے احناف نے قبضہ کے تحقق کیلئے تخلیہ کو معتبر مانا ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کے نزدیک مبیع پر قبضہ بالید کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ حکما قبضہ کو بھی ان حضرات نے معتبر تسلیم کیا ہے، چنانچہ علامہ شامی نے لکھا ہے وقد يكون القبض حكما، کبھی قبضہ حکمی ہوتا ہے، آگے چل کر علامہ شامی نے قبضہ حکمی کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں اور اسی ذیل میں لکھا ہے کہ ومنه (أي من القبض) ما لو اشترى دهنا و دفع قارورة يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشتري فهو قبض وكذا بغيبته في الأصح وكذا كل مكيل أو موزون إذا دفع له الوعاء فكاله أو وزنه فيه بأمره ومنه ما لو غصب شيئا ثم اشتراه صار قابضا بخلاف الوديعة و العارية إلا إذا وصل إليه بعد التخلية (رد المحتار ۴/۴۲)۔

مبیع کا تخلیہ کردینا کافی ہے، اور تخلیہ کا واضح مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو اپنے دیگر سامانوں سے اس طرح الگ اور جدا کردے کہ خریدار جب چاہے، بلا روک ٹوک کے مبیع میں تصرف کرسکے، اور مبیع کے ساتھ خریدار کے علاوہ کسی اور کا کوئی حق وابستہ نہ ہو، اور ہر چیز میں قبضہ اسی شئی کے مناسب حال معتبر ہوگا۔

منقولی وغیر منقولی اشیاء میں قبضہ کی صورتیں:

غیر منقولی اشیاء میں قبضہ کے تحقق کیلئے تقریباً تمام فقہاء نے تخلیہ کو کافی قرار دیا ہے، جیسا کہ اوپر مفصل گذرا، البتہ دور حاضر میں زمین وجائداد کے قبیل کی غیر منقولی اشیاء میں عرف عام کے اندر رجسٹری کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے کہ بغیر اس کے لوگ قبضہ کا کوئی اعتبار نہیں کرتے، اس لئے دور حاضر کے بدلتے ہوئے حالات میں زمین وجائداد میں قبضہ کے تحقق وثبوت کیلئے قضاءً زمین کی رجسٹری کو لازم قرار دینا چاہئے، اگرچہ دیانۃً بغیر رجسٹری کے صرف تخلیہ اور رفع موانع کی وجہ سے قبضہ تسلیم کیا جائے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔

اور منقولی اشیاء میں قبضہ کے تحقق کیلئے اگرچہ فقہاء احناف نے مبیع کے قریب ہونے کی صورت میں تخلیہ کو کافی قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مشتری کیلئے مبیع کو قبضہ کرنے میں جو رکاوٹ پیش آسکتی ہے، بائع اس رکاوٹ کو دور کردے، لیکن دیگر فقہاء نے اس کے ساتھ مکیلی وموزونی اور معدودی ومذروعی چیزوں میں کیل ووزن، پیمائش اور مبیع کو گن کر الگ کردینے کو لازم قرار دیا ہے، بلکہ حضرت امام مالک نے مکیلی چیزوں میں قبضہ کے تحقق کیلئے مبیع کو خریدار کے برتن میں رکھ دینے کو مشروط قرار دیا ہے، اور دیگر منقولی سامانوں اور جانوروں میں قبضہ کے لئے لوگوں کے درمیان رائج عرف کا اعتبار کیا ہے، اور حضرات شوافع وحنابلہ نے ہاتھ سے پکڑی جانے والی چیزوں میں قبضہ کے ثبوت کیلئے مبیع کو ہاتھ میں لینے اور دیگر منقولی چیزوں میں سامان بائع کے پاس سے منتقل کرلینے کو لازم کہا ہے، اسی طرح طعام کے قبیل کی چیزوں کو اگر خریدار نے اندازے سے خریدا ہو تو اس میں قبضہ کا اعتبار مبیع کو منتقل کرلینے سے ہوگا اور جانور وغیرہ میں اس کی جگہ سے چلا دینے سے۔ قال فی البدائع وقال الشافعیؒ القبض فی الدار والعقار والشجر بالتخلیة وأما فی الدراهم والدنانیر فتناولهما بالبراجم وفی الثیاب بالنقل وکذا فی الطعام إذا اشتراه مجازفة فإذا اشتراه مکایلة فالکیل وفی العبد والبهیمة بالسیر من مکانه (بدائع ۵/۲۳۶)

اور فقہاء احناف کا جو یہ قول نقل کیا گیا کہ ان کے نزدیک صرف تخلیہ سے خریدار کا قبضہ مکمل ہوجاتا ہے، وہ فقہاء احناف کا ایک قول ہے، ورنہ دوسرے قول کے مطابق مکیلی وموزونی اشیاء میں قبضہ کی تمامیت کیلئے مبیع کا کیل ووزن ہوجانا ضروری ہے، قال فی البدائع: والدلیل علی أن الکیل والوزن فی المکیل والموزون الذی بیع مکایلة وموازنة من تمام القبض أن القدر فی المکیل والموزون معقود علیه ألا ترى أنه لو کیل فازداد لا تطیب له الزیادة بل ترد أو یفرض لها ثمن ولو نقص یطرح بحصته شیء من الثمن ولا یعرف القدر فیهما إلا بالکیل والوزن (بدائع ۵/۲۳۵)۔

کیا بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں؟

عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ "فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ" حکیم کا کوئی کام حکمت ومصلحت سے خالی نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اللہ رب العزت جو احکم الحاکمین ہے، کیا اس کے کسی حکم کا حکمت سے خالی ہونا ممکن ہے؟ ظاہر ہے کہ ہرگز ایسا ممکن نہیں ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ مؤمنون میں تخلیق انسانی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

أفحسبتم أنما خلقناكم عبثاً وأنكم إلينا لا ترجعون (سورۃ المؤمنون/١١٥)۔

اے لوگو! کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تم لوگوں کو بیکار پیدا کردیا ہے؟ اور تم لوگ ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے؟

باری تعالیٰ کے اس ارشاد سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اس ذات وحدہ لاشریک لہ نے انسانوں کو بیکار نہیں پیدا کیا ہے بلکہ ہر انسان کو اس نے ایک مقصد کے تحت پیدا کیا ہے، وہیں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ باری تعالیٰ سبحانہ کا ہر کام حکمت ومصلحت پر مبنی ہوتا ہے، البتہ اگر کسی امر خداوندی کی حکمت ہم کو معلوم ہوگئی تو اسے ہم امر معقول کہتے ہیں ورنہ اس حکم کو امر تعبدی کا عنوان دیا جاتا ہے، فما شرعه إن ظهرت حكمته لنا قلنا إنه معقول وإلا قلنا إنه تعبدي (رد المحتار، کتاب الصلوۃ ١/٣٣٠)۔

مذکورہ تفصیل کا تقاضا ہے کہ نصوص شرعیہ میں تعلیل کو اصل کہا جائے، کیونکہ جب اللہ رب العزت کا ہر کام حکمت ومصلحت پر مبنی ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ نصوص شرعیہ اور احکام فرعیہ کی بنیاد بھی علتوں پر ہو ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے احکام کو بغیر کسی علت کے بیکار مشروع کیا ہے، جو سراسر باطل ہے، لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ فقہاء واصولیین نے جو یہ قاعدہ تحریر فرمایا ہے کہ:

إن الأحكام الشرعية العملية جميعها إنما شرعت لمصالح الناس والعلل بنيت عليها وما شرع حكم منها عبثا بغير علة (اصول الفقہ للخلاف/٩٢)۔ نیز اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ مرقوم ہے:

إن الله سبحانه ما شرع حكما إلا لمصلحة وإن مصالح العباد هي الغاية المقصودة من تشريع الأحكام (اصول الفقہ للخلاف/٥٨)۔

مذکورہ تصریحات سے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ احکام شرعیہ کی بنیاد علتوں پر ہوتی ہے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن احادیث نبویہ اور اکابر صحابہ کے فتاویٰ میں بیع قبل القبض سے منع کیا گیا ہے تو ان میں ممانعت کی علت ضعف ملک ہے، چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں لکھا ہے کہ:

لا يصح بيع المبيع قبل قبضه (إلى قوله) لضعف الملك قبل القبض لانفساخ العقد بتلفه وهذا المعنى الذي علل به الشافعي النهي عن البيع قبل القبض (الموسوعۃ الفقہیہ ٩/١٣٣) ومثله في الفقه على المذاهب الأربعة: لا يصح للمشتري أن يتصرف في المبيع قبل قبضه (إلى

قولہ) لضعف الملک قبل القبض فلا یصح التصرف فی المبیع بالبیع (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۳/۱۹۱)۔

اور حضرات حنابلہ کے نزدیک بیع قبل القبض کے عدم جواز کی علت مبیع پر مشتری کی ملکیت کا تام نہ ہونا ہے، وعلل الحنابلۃ عدم الجواز علی ہذہ الروایۃ التی اختارہا ابن عقیل من ائمتہم بانہ لم یتم الملک علیہ فلم یجز بیعہ کما لو کان عین متعین (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۱۲۲)۔

اور حضرات مالکیہ کے نزدیک بیع قبل القبض سے ممانعت کی علت کے سلسلہ میں الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں دو قول منقول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ مبیع پر قبضہ کرکے بیچنے کے ساتھ بہت سے لوگوں کا نفع وابستہ ہے، مثلاً جو لوگ سامان تولتے ہیں یا وزن کرتے ہیں، یا اس کو اٹھاتے ہیں ان کو نفع ہوتا ہے، لیکن اگر مبیع پر قبضہ کے بغیر ہی اس کو فروخت کردیا جائے تو مذکورہ حضرات کا نقصان اور گھاٹا ہوتا ہے اور ان کا نفع ضائع ہوجاتا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ممانعت کا حکم تعبدی ہے، یعنی ممانعت کی علت ومصلحت ہم کو معلوم نہیں ہے، وقد قیل فی علۃ النہی ان فی قبضہ منفعۃ للعمال اذ ینتفعون بکیلہ وحملہ ووزنہ وغیر ذلک بخلاف ما اذا بیع وہو عند صاحبہ فان ذلک یضیع تلک المنفعۃ وقیل انہ تعبدی (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۳/۱۹۲)۔

اور علمائے احناف کے نزدیک بیع قبل القبض کی علت غرر ہے، کیونکہ قبضہ سے پہلے اگر مبیع بائع ہی کے پاس ہلاک ہوجائے تو عقد بیع فسخ ہوجاتا ہے، پس اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مشتری نے جو قبضہ سے پہلے مبیع کو فروخت کیا ہے، تو گویا اس نے غیر مملوک شی کو فروخت کرکے مشتری ثانی کو دھوکہ دیا ہے، جو شرعاً ممنوع وحرام ہے، چنانچہ ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ وابن عباسؓ سے مروی ہے: نہی رسول اللہ عن بیع الغرر (ابن ماجہ ۱/۱۵۸، ترمذی ۱/۲۳۳، ابوداؤد ۲/۴۷۵، مسلم ۲/۲)۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی نے بیع قبل القبض کی ممانعت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کا مدار دو وجوں پر ہے:

(۱) قبضہ سے پہلے مبیع متعذر التسلیم نہیں ہوتی، البتہ یہ بات یقینی نہیں ہے کہ وہ مشتری کو ضرور قبضہ کرادے گا، یہ غرر ہے جس کی بنا پر بیع جائز نہیں ہے۔

(۲) بیع قبل القبض کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی، اور ربح مالم یضمن جائز نہیں (اسلام اور جدید معیشت ۹۱)۔

اور علامہ طحاوی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی بیع قبل القبض کی علت ربح مالم یضمن ہے (معانی الآثار ۲/ ۲۰۲) لیکن زیادہ تر علمائے احناف نے بیع قبل القبض کی علت غرر (دھوکہ) کو قرار دیا ہے۔

(۵) بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم عام مخصوص منہ البعض ہے:

بیع قبل القبض کی ممانعت باتفاق ائمہ عام مخصوص منہ البعض ہے، کیونکہ جب بیع قبل القبض کی نہی سے

فروخت کرنا جائز ہے، البتہ جن چیزوں کو کیل و وزن سے یا ناپ کر یا گن کر خریدا ہو ان چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں قبضہ سے پہلے وصیت کرنا یا مال غیر مقبوض کو بدل خلع اور مہر ٹھہرانا درست ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱۹۳/۲)۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک اگر مبیع غیر منقولی اشیاء کے قبیل سے ہے جیسے زمین، تو اس کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے، اسی طرح قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف بھی جائز ہے (دیکھئے المبسوط ۱۰/۱۳، بدائع ۲۳۴/۵)۔

اور حضرت امام محمد کے نزدیک قبضہ سے پہلے مبیع میں تصرف کا ضابطہ یہ ہے کہ جن تصرفات کی تمامیت کیلئے قبضہ شرط ہے، ان میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے، جیسے قبضہ، صدقہ، رہن، قرض، اعارہ وغیرہ، اور جو تصرفات قبضہ سے پہلے ہی تام ہو جاتے ہیں جیسے بیع، اجارہ، بدل صلح جو اعیان کے قبیل سے ہوں، ان میں قبل القبض تصرف جائز نہیں۔ وضع محمد بن الحسن من الحنفية (لمنع التصرف قبل القبض) هذا الضابط.

(۱) إن كل تصرف لا يتم إلا بالقبض كالهبة والصدقة والرهن والقرض والإعارة ونحوها يجوز قبل القبض.

(۲) وكل تصرف يتم قبل القبض كالبيع والإجارة وبدل الصلح عن الدين إذا كان عينا ونحوها لا يجوز قبل القبض (الموسوعة ۱۲۹/۹)۔

اور قاضی شوکانی کے نزدیک جو تصرفات عوض لے کر کئے جاتے ہیں وہ بیع کے مثل ہیں، لہذا قبضہ سے پہلے ایسے تصرفات کو انجام دینا جائز نہیں ہے، اور جو تصرفات بغیر عوض لئے کئے جاتے ہیں وہ ہبہ کے مانند ہیں، یعنی قبضہ سے پہلے ان کا کرنا جائز ہے، اور اس سلسلہ میں علامہ شوکانی کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ قبضہ سے پہلے وقف کرنا اور غلام کو آزاد کرنا شرعاً جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو تصرف بغیر عوض لئے کیا جاتا ہے، وہ قبضہ سے پہلے انجام دینا جائز ہے، کیونکہ وقف اور غلام کی آزادی کا تصرف بغیر عوض لئے ہوئے ہی کیا جاتا ہے، اور بیع قبل القبض کی ممانعت کی علت شبہ ربوا ہے، اور ربوا کا لین دین بھی معاوضات ہی کے اندر ہوتا ہے، لہذا جو معاملہ عوض لے کر کیا جائے اس میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہونا چاہئے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۳۱/۹)۔

مندرجہ تصریحات علماء وفقہاء سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم عام مخصوص منہ البعض ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ جن حضرات ائمہ نے بعض صورتوں میں بیع قبل القبض کے جواز کا فتویٰ دیا ہے ان کے دلائل کیا ہیں۔

(۶۔۷) بیع قبل القبض کی بعض مروجہ شکلیں:

اگر کوئی شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ اس مال کو فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خرید کر مال کو دوسرے خریدار کے پاس

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلے میں ائمہ کی آراء

مولانا عبداللہ مظاہری، بانست

بیع قبل القبض کے مسئلہ میں علماء کے اختلاف کو تحریر کرتے ہوئے صاحب تکملہ فتح الملہم مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کل پانچ مذہب ہیں۔

(۱) حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ تمام اشیاء خواہ منقولات کے قبیل کی ہوں یا غیر منقولات کی یا مکیلات و موزونات کے قبیل کی ہوں، ہر صورت قبل القبض ان تمام اشیاء کی بیع جائز و درست ہے۔ علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ قول مردود ہے اس لئے کہ طعام کی بیع قبل القبض کے عدم جواز پر علماء کا اجماع ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰)۔

نیز صاحب المغنی نے بھی ابن المنذر کے حوالے سے طعام کی بیع قبل القبض پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ فقال: قال ابن المنذر اجمع العلماء علی أن من اشتری طعاما فلیس له بیعه حتی یقبضه (المغنی ۴/۲۲۰)۔

چنانچہ عثمان کی بات قابل اعتبار نہیں اور ابن المنذر کے دلائل وغیرہ کے بیان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ اور حنفیہ میں سے امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تمام چیزوں کی بیع قبل القبض حرام و ناجائز ہے خواہ وہ قبیل طعام ہوں یا غیر طعام، منقول ہوں یا غیر منقول، سب سے متعلق یہی حکم ہے، یہی مسلک حضرت امام زفر کا ہے اور امام احمد اور امام ابو حنیفہ کا بھی ایک قول ہے (بنایہ ۷/۲۲۳) اور صاحب بدایۃ المجتہد نے بھی قول امام ثوری کا یہی مذہب بیان فرمایا ہے اور فرماتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ اور ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے (بدایۃ المجتہد ۲/۱۵۰)۔

(۳) امام احمد بن حنبل کی اصح روایت یہ ہے کہ قبل القبض فروختگی کی ممانعت صرف مکیلات اور موزونات کے ساتھ خاص ہے یعنی کیلی و وزنی چیزوں کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، ان کے علاوہ تمام چیزوں کی فروختگی قبل القبض جائز و درست ہے البتہ صاحب بدایۃ المجتہد نے مطعومات کے ساتھ کیلی و وزنی کی شرط قرار دی ہے یعنی ایسے طعام جو کیلی یا وزنی ہوں ان کی فروختگی قبل القبض جائز و درست نہیں اور یہی مسلک امام اوزاعیؒ کا بھی بیان فرمایا ہے (بدایۃ ۲/۱۰۸)۔

(۴) حضرت امام مالک خاص طور سے مطعومات میں سے کیلی یا وزنی کی بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دیتے ہیں یہ مسلک حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب نے بدایۃ المجتہد سے بیان فرمایا ہے۔ لیکن صاحب بدایۃ (۲/۱۰۸)، صاحب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ (۲/۲۳۵)، صاحب المغنی (۴/۲۲۰)، صاحب بنایہ (۷/۲۲۲) نے کیلی وزنی کی شرط بیان نہیں فرمائی ہے بلکہ مطلق طور سے صرف طعام کی بیع قبل القبض کے عدم جواز کا قول نقل فرمایا ہے، خواہ کیلی و وزنی ہو یا نہ ہو۔

البتہ امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ اور آپ کے جمیع اصحاب کے نزدیک باتفریق منقول وغیر منقول میں حقیقت قبضہ تخلیہ اور مشتری کے لئے آزادانہ طور پر تصرف کرنے کی قدرت دینا ہے، چنانچہ صاحب بدائع فرماتے ہیں: لا خلاف بین اصحابنا فی أصل القبض یحصل بالتخلیة فی سائر الأموال.

دوسری جگہ حقیقت قبضہ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب بدائع نہایت اچھوتے انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ قبضہ کا یہ بالکل مطلب نہیں کہ ہاتھ میں لے لینے کی شرط ہو بلکہ عرف وعادت کے مطابق صرف مشتری کو تصرف کی قدرت دینے اور اس کے لئے موانع کو ختم کردینے کا نام قبضہ ہے لا یشترط بالبراجم لأن معنی القبض هو التمكين والتخلی وارتفاع الموانع عرفا وعادة اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تسلیم نام ہے کسی کے لئے کسی چیز کو خالص اور خاص کردینے کا کہا جاتا ہے یسلم فلان لفلان ای خلص له تو مبیع کو مشتری کے سپرد کردینے کا مطلب یہ ہو گیا کہ مبیع کو مشتری کے لئے اس طرح خاص کردیا کہ غیر کو اس میں تنازع کا حق نہ ہو اور یہ چیز تخلیہ سے حاصل ہے لہذا قبضہ و تقسیم کی تعریف تخلیہ سے کرنا درست ہے۔ صاحب تکملہ فتح الملہم قبضہ کی تعریف میں فرماتے ہیں: أما القبض فهو أن یاتی الشیء فی احرازه وضمانه، قبضہ صرف حفاظت وذمہ داری میں آنے کا نام ہے۔ اس تعریف اور صاحب بدائع کی بیان کردہ تعریف میں بظاہر کوئی فرق نہیں اس لئے کہ جب بائع اشیائے مبیعہ کا تخلیہ کرکے مشتری کے لئے خالص کردے اور اس کو آزادانہ تصرف کرنے کی قدرت دیدے تو یقیناً وہ چیز مشتری کے ضمان واحراز میں آجائے گی اور بائع کے ضمان واحراز سے نکل جائے گی اور اس پر نقد کا جز بھی موجود ہے خود صاحب بدائع فرماتے ہیں ان باع مکایلة او موازنة فی المکیل والموزون وخلی فلا خلاف فی ان المبیع یخرج بعن ضمان البائع ویدخل فی ضمان المشتری.

حاصل کلام یہ ہے کہ عرف وعادت کے مطابق جس طرح بھی اشیائے مبیعہ بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائیں اور اس طرح خاص ہو جائیں کہ غیر کا تنازع نہ ہو سکے از روئے شرع قبضہ کہلائے گا۔ البتہ خلاف اشیاء کے صرف پر غور کرتے ہوئے قبضہ کی دو قسمیں ہیں (۱) قبضہ کامل (۲) قبضہ ناقص۔

قبضہ کی دونوں قسموں میں مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے لیکن قبضہ تام کی صورت میں تصرف بیع وغیرہ کی اجازت ہوتی ہے اور قبضہ ناقص کی صورت میں تصرف بیع کی اجازت نہیں ہوتی حسب اختلاف اشیاء کی صورت میں کامل اور ناقص کے مابین فرق کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اشیاء غیر مثلی جیسے تمام مذروعات کے قبیل کی چیزیں مثلاً کپڑا وغیرہ یا معدودات متفاوتہ جیسے جانور وغیرہ یا اشیاء مثلی جو کیل ووزن سے فروخت نہ کی گئی ہوں بلکہ اندازے سے فروخت کی گئی ہوں، ان تمام چیزوں میں صرف تخلیہ اور مشتری کے ضمان میں داخل ہو جانے سے بالاتفاق قبضہ تام کا حصول ہو جاتا ہے، اور مشتری کو دوبارہ شمار یا وزن وکیل کے بغیر رقم کے تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے جیسا کہ صاحب بدائع بڑی وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں: فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف

حتی لو اشتری مذروعا مذارعة او معدودا معاددة و وجدت التخلیة یخرج عن ضمان البائع ویجوز له بیعه والانتفاع به قبل الذرع والعدد (بدائع ۲۴۴/۵) اور اشیائے مثلی یعنی مکیلی اور موزونی چیزیں جو وزن وکیل کے ذریعہ فروخت ہوتی ہوں تو کسی کے صرف تخلیہ سے بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان وحفاظت میں داخل تو ہو جائیں گی لیکن صرف حفاظت وضمان میں آنے سے قبضہ تام حاصل نہ ہوگا بلکہ قبضہ تام کے لئے مشتری کا دوبارہ کیل یا وزن کرنا ضروری ہوگا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو مکیلی اور موزونی چیزیں کیل اور وزن کے اعتبار سے خریدی گئی ہوں ان میں مقدار معقود علیہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مقدار سے زائد ہو جائیں تو ان کا لینا حلال نہیں بلکہ واپس کرنا یا اس کا ثمن دینا ضروری ہے اور اگر کم ہو جائیں تو ثمن کی اتنی مقدار کم کر دی جاتی ہے۔

اور مقدار کی معرفت کیل و وزن کے ذریعہ ہی مقصود ہے اب اگر کیل و وزن نہ کیا جائے تو مقدار سے کم یا زائد ہونے کے احتمال کی وجہ سے معقود علیہ کی مقدار پر کامل قبضہ متحقق نہیں ہوگا لیکن دوبارہ کیل و وزن کر لیا جائے تو کامل قبضہ متحقق ہو جائے گا اس لئے کامل قبضہ کے لئے مثلی اشیاء کو جو کیل و وزن کے ذریعہ فروخت کی جائیں دوبارہ کیل وزن کرنا ضروری قرار دیا کیونکہ جس طرح اشیائے منقولہ کی بیع بالکل قبضہ نہ ہونے کی صورت میں ناجائز ہے اسی طرح ناقص قبضہ کی صورت میں بھی ناجائز ہے اس لئے کہ حدیث نبوی ﷺ نهی عن بیع ما لم یقبض میں مطلق قبضہ نہ ہونے کی صورت میں ممانعت آئی ہے اور مطلق قبضہ سے قبضہ کامل ہی مراد ہے (بدائع ۲۴۴/۵)۔

البتہ وہ چیزیں جو غیر مثلی ہوں مثلاً مذروعات وغیرہ کے قبیل کی چیزیں تو یہاں مقدار معقود علیہ نہیں ہے بلکہ وصف کے قائم مقام ہے اور اوصاف معقود علیہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، یہی وجہ ہے کہ اگر متعینہ مقدار سے زائد ہو جائے تو وہ مشتری کا ہوتا ہے اور اگر کم ہو جائے تو ثمن میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوتا اس لئے وہاں صرف مشتری کے ضمان میں آنے سے قبضہ تام کا حصول ہو جاتا ہے دوبارہ شمار و پیمائش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی (بدائع الصنائع ۲۴۵/۵) یہ سارے مسائل ایسے ہیں جن میں ہمارے اصحاب احناف کا کوئی اختلاف نہیں تاہم اشیاء مثلی میں سے معدودات متقاربہ جو عدد کے اعتبار سے خریدی جائیں ان پر قبضہ تام کی کیفیت کے حصول میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین علیہم الرحمہ کا اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہ ان کو بھی اشیاء مکیلی وموزونی کے تحت داخل فرما کر قبضہ تام کے لئے دوبارہ عد و شمار کی شرط متعلق فرماتے ہیں اس کے برخلاف حضرات صاحبین علیہما الرحمان کو اشیائے غیر مثلی کے تحت رکھ کر قبضہ تام کے لئے صرف بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں آجانا کافی سمجھتے ہیں دوبارہ ثمن شمار کرنے کی شرط متعین نہیں کرتے اور دلیل قیاس کے ذریعہ پیش فرماتے ہیں کہ معدودات متقاربہ کی قبیل کی چیزیں ربوی نہیں ہیں جس طرح از قبیل مذروعات اشیائے ربوی نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اس میں جواز عقد کے لئے مساوات کی شرط نہیں رکھی جاتی جس طرح سے مذروعاتی چیزوں میں مساوات کی شرط نہیں رکھی جاتی تو جو حکم از قبیل مذروعات اشیاء کا ہوگا وہی حکم معدودات متقاربہ کا بھی ہوگا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معدودات کی چیزوں میں بھی قدر معقود علیہ ہے اور اس کی معرفت دوبارہ شمار کرنے سے ہی ہوگی اگر دوبارہ شمار نہ کیا جائے تو قبضہ کامل نہ ہوگا

بلکہ ناقص ہوگا، جس طرح مکیلات اور موزونات کی چیزوں میں قدر معقود علیہ ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عدد متعینہ سے زائد ہو جائے تو اس کو بلا ثمن دیئے ہوئے مشتری اپنے استعمال میں نہیں لا سکتا اور کم ہونے کی صورت میں اتنی مقدار ثمن سے کم کرنے کا حق رکھتا ہے، معلوم ہوا کہ قبضہ تام کے لئے دوبارہ شمار کرنا ضروری ہے (حوالہ سابق)۔

صاحب بدائع نے امام ابوحنیفہ کے قول و دلیل کو اخیر میں ذکر فرما کر اس کی راجحیت کی طرف اشارہ فرمایا جیسا کہ اصول سے معلوم ہوا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے حسب ذیل باتیں سامنے آئیں:

(۱) اشیائے غیر مثلی میں صرف تخلیہ سے قبضہ تام ہو جاتا ہے لہذا دوبارہ پیمائش و شمار کے بغیر مشتری رقم کا تصرف کر سکتا ہے اور یہی حکم اشیائے مثلی کا ہے جب بغیر کیل اندازہ سے بیچی جائے۔

(۲) اشیائے مثلی یعنی مکیلی و موزونی سے اگر وزن و کیل کر کے بیچی جائے اور اندازہ سے نہ بیچی جائے تو صرف تخلیہ سے مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی مگر قبضہ تام حاصل نہ ہوگا اس لئے دوبارہ کیل و وزن کرنا ضروری ہوگا اس کے بعد ہی تصرف بیع وغیرہ کی اجازت ہوگی۔

(۳) معدودات متقاربہ جو شمار کر کے بیچی جائیں اندازے سے نہیں مثلاً انڈے وغیرہ تو ایسی چیزیں مختلف فیہ ہیں، امام ابوحنیفہ کے نزدیک قبضہ تام کے لئے دوبارہ شمار کرنا ضروری ہوگا تب ہی تصرف کی اجازت ہوگی، تاہم صاحبین کے نزدیک صرف تخلیہ سے قبضہ تام ہو جائے گا اور تصرف بیع وغیرہ کرنے کی اجازت ہوگی، دوبارہ شمار کرنا ضروری نہیں۔

اب اسی اصول کو سامنے رکھ کر موجودہ زمانہ کی تمام تجارتوں کو دیکھنا ہوگا کہ آیا مروجہ تجارت میں بالکل قبضہ نہیں پایا جاتا یا پایا جاتا ہے، اور قبضہ تام ہے یا ناقص، تو بندہ نے اس سلسلے میں باضابطہ کمپنی والوں سے مل کر مروجہ تجارت کی حقیقت سمجھی اور انہوں نے مال فروخت کرنے کے دو طریقے بیان فرمائے (۱) فور ڈسٹینیشن (For - Destenation) (۲) ایکس فیکٹری (Ex- Factory) سوال میں ذکر کردہ صورت تجارت کا تعلق اسی "ایکس فیکٹری" سے ہے جس کے احکام بعد میں درج ہوں گے، پہلے فور ڈسٹینیشن (For - Destination) کی حقیقت اور احکام درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) فور ڈسٹینیشن (For- Destination):

کی صورت یہ ہے کہ جب دکاندار کمپنی کو فور ڈسٹینیشن کے ذریعہ اپنے خریدار کے پاس مال بھیجنے کو کہتا ہے تو کمپنی خریدار نمبر (۲) کو دکاندار کے توسط سے روانہ کر دیتی ہے لیکن یہ مال دکاندار نمبر (۲) کے پاس پہنچنے تک کمپنی ہی کے قبضہ اور ضمان میں رہتا ہے کسی وقت بھی دکاندار کے قبضہ میں نہیں جاتا لہذا درمیان میں مال ہلاک ہو جائے یا سیز (Seize) کر دیا جائے بہر صورت کمپنی کی ملکیت میں ہلاک ہوگا دکاندار پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

اب اس طریقہ تجارت پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فور ڈسٹینیشن (For-Destination)

کے ذریعے مال خریدار نمبر (۲) کے پاس بھجوانے میں دکاندار کا نہ تو حسی قبضہ ہوا ہے اور نہ معنوی، بلکہ قبضہ اور ضمان میں آنے سے قبل ہی مال سے منفعت حاصل کر لیتا ہے جو از روئے شرع ناجائز و حرام ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے عن حکیم بن حزام قال کنت اشتری طعاما فاربح فیہ قبل ان اقبضہ فسألت النبی ﷺ فقال لا تبعہ حتی تقبضہ [بخاری شریف ۲/۲۸۶] لہذا دکاندار کا فون یا ٹیلیفون کے ذریعے خریدار نمبر (۲) کے پاس مال بھجوا کر منفعت حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ البتہ بیع کی اس قسم کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے کہ دکاندار کمپنی خریدار نمبر (۲) کو صرف وہ مال جو ساتھ ہی اٹھایا جائے وہ کمپنی کی فیکٹری میں متعین شدہ رقم سے زائد وہ مال کی اجرت وصول کی جائے تو اس صورت میں اصل خریدار نمبر (۲) ہی ہوگا اور دکاندار صرف ایک وسیلہ ہوگا اور قبل القبض بیع کا تعلق نہیں ہوگا۔

(۴) ایکس فیکٹری (Ex-Factory):

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب دکاندار کمپنی یا فیکٹری سے ٹیلیفون کے ذریعے خرید و فروخت کرتا ہے اور ایکس فیکٹری کے ذریعے خریدار کے پاس مال بھیجنے کا حکم کرتا ہے تو کمپنی دکاندار کی وساطت سے اس کے خریدار کے پاس مال بھیج دیتی ہے لیکن کمپنی اور فیکٹری کا اس خریدار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ سارا تعلق دکاندار سے ہوتا ہے۔ لہذا جب تک مال کمپنی کے پاس ہے کمپنی کا شمار ہوتا ہے اور جیسے ہی کمپنی نے ٹرانسپورٹ کے گودام (Godown) میں پہنچا دیا تو دکاندار کے گودام میں پہنچ گیا اب مال بک ہو جائے یا بلٹی (Street) کر دیا جائے سب دکاندار کی ضمانت و ملکیت میں ہوگا اور اس کا مال ہلاک ہوگا۔ اگر دکاندار بلٹی کے بعد عدم تعلق کا اظہار کر کے ہاتھ ہونے والے نقصان سے بری ہونا چاہے تو نہیں ہو سکتا کیونکہ جب سے مال ایکس فیکٹری (Ex- Factory) کے ذریعے بھجوایا ہے تو تجاری عرف میں اس بات کا ثبوت ہے کہ مال کمپنی کی ضمانت و حفاظت سے نکل کر دکاندار کی ضمانت و حفاظت میں چلا گیا ہے لہذا نقصانات اسے ہی اٹھانا پڑیں گے۔ اب یہ صورت مروجہ سوال نامہ کا ایک جزو ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلٹی مال کی صورت میں (قبضہ سے پہلے نفع کمانا) جو کہ قبل القبض کے ممنوع ہونے کی علت ہے مفقود ہے۔ نیز قبل القبض بیع کی علت کہ حضرت امام محمد کی حدیث لا یحل ربح مالا یضمن [مبیع کا ضمان میں آنے سے قبل نفع حاصل کر لینا حلال نہیں ہے] یہ بھی موجود نہیں اس لئے کہ معنوی طور پر عرف و عادت میں موجود ہے کیونکہ مبیع دکاندار کی ضمانت میں آ چکی ہے اگرچہ حسی طور پر موجود نہیں ہے۔ لیکن شریعت مطہرہ نے حسی قبضہ کو شرط قرار نہیں دیا بلکہ عرف و عادت میں جس کو قبضہ کہا جاتا ہے اس کا ہی اعتبار کیا ہے جیسا کہ قبضہ کی تعریف میں علامہ کاسانی سے نقل کیا گیا ہے:

لان معنی القبض هو التمکین والتخلی وارتفاع الموانع عرفا وعادة اور یہاں عرفاً عادتاً ایکس فیکٹری کے ذریعے مال بھیجنا تجار کی اصطلاح میں قبضہ شمار ہوتا ہے تو گویا مال دکاندار کے قبضہ میں پہنچنے کے بعد پھر اس کے خریدار کے پاس جا رہا ہے لہذا دکاندار کے ضمان میں آ کر اس کے خریدار کے پاس جانا "ایجاب" اور خریدار نمبر (۲) کا اس کو خرید لینا "قبول" ہوا ہے اس لئے ٹیلیفون کے ذریعے بیع جائز ہے اور جس وقت خریدار نمبر (۲) نے دکاندار سے بات چیت کی تھی اس کو ایجاب تسلیم نہ کیا جائے اس لئے کہ اس وقت دکاندار کے پاس مبیع موجود نہیں تھی اور اسکی

صورت میں ایجاب وقبول یعنی (بیع درست نہیں) حاصل یہ ہے کہ اس طریقہ تجارت کو اس طریقہ سے جائز کیا جائے گا۔

لیکن مذکورہ بالا تینوں اصولوں کو سامنے رکھنا ہوگا کہ ایکس فیکٹری (Ex-Factory) کے ذریعہ قبضہ کا حصول کن چیزوں میں قبضہ تام ہو کر بیع کی اجازت دیتا اور کن چیزوں میں قبضہ ناقص ہونے کی وجہ سے بیع کے ناجائز ہونے کا باعث ہے۔

لہذا مذکورہ اصول نمبر (۱) کے مطابق اشیائے غیر مثلی یعنی معدودات متفاوتہ مزروعات میں صرف اور صرف مبیع ضمان میں آجانے سے قبضہ تام حاصل ہو جاتا ہے اور ہر قسم کے تصرفات کی اجازت ہو جاتی ہے چنانچہ دکاندار کے لئے اشیائے غیر مثلی، اوار، بیبی، کپڑے جیسی مزروعی اور معدودات متفاوتہ کی بیع ایکس فیکٹری کے ذریعہ جائز و درست ہوگی کیونکہ اس طریقہ سے اشیاء دکاندار کے ضمان میں آجاتی ہیں اور ان چیزوں میں صرف ضمان میں آجانے سے قبضہ تام ہو جاتا ہے۔

لہذا بیع جائز ہوگی اور منفعت بھی درست ہوگی اور یہی حکم اشیائے مثلی میں سے ان چیزوں کا ہوگا جو بلا ناپ تول صرف اندازہ سے بیچی جائیں۔

البتہ اشیائے مثلی میں وہ چیزیں جو ناپ تول کے ذریعہ بیچی جائیں اس طریقہ تجارت سے جائز نہیں ہوں گی اور منفعت حاصل کرنا بھی درست نہیں ہوگا۔ ان چیزوں کا دکاندار کے صرف ضمان میں آجانا قبضہ تام اور تصرف کے لئے کافی نہیں، بلکہ ضمان میں آنے کے بعد مشتری کا دوبارہ کیل و وزن کر لینا قبضہ تام اور تصرف بیع کے لئے ضروری ہے اور یہاں دکاندار کے ضمان و قبضہ میں اگرچہ ایکس فیکٹری کے ذریعہ مال آچکا ہے مگر دوبارہ وزن یا کیل کے بغیر خریدار نمبر (۲) کے پاس جا رہا ہے لہذا جائز نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

اور بات رہی عدد متقارب، اخروٹ، انڈے جیسی چیزوں کی جو عدد کے ذریعہ بیچی جائیں تو ایکس فیکٹری کے ذریعہ امام صاحبین کے نزدیک جائز ہوں گی، کیونکہ قبضہ تام صرف ضمان میں آجانے سے ہو جاتا ہے اور وہ یہاں موجود ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں، اس لئے کہ دوبارہ شمار کرنا ضروری ہے اور اس صورت میں تجارت موجود نہیں۔

بندہ کا خیال ہے کہ لوگوں کو مشقت سے بچانے اور اس پر تعامل الناس ہونے کی وجہ سے اس صورت میں حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جانا چاہئے۔

اسی وضاحتی تفصیل سے بین الاقوامی تجارت کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ شپنگ کے بعد اگر خریدار نمبر (۱) کے ضمان و قبضہ میں آنے والی ایسی چیزیں ہیں، جن پر قبضہ تام صرف ضمان میں آجانے سے حاصل ہو جاتا ہے تو بیع جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

بیع قبل القبض

مولانا عبد الله جولم

معنى القبض في اللغة:

القبض في اللغة بمعنى الأخذ، قال الجوهري: قبضت الشئ قبضا أخذته، وقال ابن منظور: والقبض التناول للشئ بيدك ملامسة.

وبمعنى الجمع: ومنه قبض الطائر جناحه، جمعه، وقال ابن منظور: والقبض تحويلک المتاع إلى حيزک، وبمعنى التملک. قال الجوهري: يقال صار الشئ في قبضتک أي في ملكک، وقال ابن الأعرابي: القبض قبولک المتاع وإن لم تحوله.

والقبض خلاف البسط ومنه قوله تعالى: (والله يقبض ويبسط) (سورة البقرة/ ۲۳۵)

(الصحاح، لسان العرب).

معنى القبض في الاصطلاح:

اتفق العلماء على أن القبض في الأشياء غير المنقولة يكون بالتخلية بينها وبين من ينتقل إليه الملک بحيث يتمكن من الانتفاع به (بدائع الصنائع ۵/ ۲۴۴، المجموع ۹/ ۲۸۳).

أما في المنقولة فاختلفوا فيه إلى قولين:

۱. ذهب الحنفية إلى أن القبض في كل شئ يكون بالتخلية، ثم فرقوا بين القبض التام والقبض الناقص، قال الكاساني: لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال واختلفوا في أنها هل هي قبض تام فيها أم لا؟ وجملة الكلام فيه أن المبيع لا يخلو إما أن يكون مما له مثل، وإما أن يكون مما لا مثل له، فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف، وإن كان مما له مثل حتى لو اشترى مذروعات مذارعة أو معدودا معاددة ووجدت التخلية يخرج عن ضمان البائع ويجوز له بيعه والانتفاع به قبل الذرع والعد بلا خلاف، وإن كان مما له مثل فإن باعه مجازفة فكذلک لأنه لا يعتبر معرفة القدر في بيع المجازفة، وإن باع مكايلة أو موازنة في المكيل والموزون وخلى فلا

خلاف في أن المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري ، حتى لو هلك بعد التخلية قبل الكيل والوزن يهلك على المشتري ، وكذا لا خلاف في أنه لا يجوز للمشتري بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن (بدائع الصنائع ٥/ ٢٤٣).

والخلاصة أن المشتري يملك جميع أنواع التصرف في القبض التام ، بخلاف القبض الناقص فإنه يصير ضامنا فيه ولكن لا يصح له التصرف فيه .

والقول بأن القبض في جميع الأشياء التخلية، نقله النووي عن الإمام مالك (المجموع ٩/ ٢٨٣) وهو رواية عن الإمام أحمد ، قال ابن قدامة: " وقد روى أبو الخطاب عن أحمد رواية أخرى أن القبض في كل شئ بالتخلية مع التمييز" (المغني ٣/ ١٢٥).

٢ . وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن التخلية في المنقول لا تكون قبضا ، وإنما القبض في المنقول بالنقل ، وفي المتناول باليد بالتناول ، وفي المكيل والموزون بالكيل والوزن ، قال الإمام الشافعي :" ومن ابتاع طعاما كيلا فقبضه أن يكتاله، ومن ابتاع جزافا فقبضه أن ينقله من مواضعه إذا كان مثله ينقل " (الأم ٣/ ٧٠).

وقال النووي: " قال أصحابنا الرجوع في القبض إلى العرف ، وهو ثلاثة أقسام ، أحدها : العقار والثمر على الشجرة فقبضه بالتخلية ، والثاني : ما ينقل في العادة كالأخشاب والحبوب والحيتان ونحوها فقبضه بالنقل إلى مكان لا اختصاص للبائع به، والثالث : ما يتناول باليد كالدراهم والدنانير ...... فقبضه بالتناول بلا خلاف (المجموع ٩/ ٢٧٥) وقال ابن قدامة : " وقبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله ووزنه "(المغني ٣/ ١٢٥) وقال البهوتي : " ويحصل القبض فيما بيع بكيل أو وزن أو عد أو ذرع بذلك ، أي بالكيل أو الوزن أو العد أو الذرع .... ويحصل القبض في صبرة بنقلها ، ويحصل القبض فيما ينقل كالثياب والحيوان بنقله كالصبرة ...... ويحصل فيما يتناول كالأثمان والجواهر بتناوله ، إذا العرف فيه ذلك (كشاف القناع ٣/ ٢٤٦).

الأدلة :

الذين قالوا: إن القبض في جميع الأشياء بالتخلية استدلوا بما يأتي :

١ . عن ابن عمر قال كنا مع النبي ﷺ في سفر فكنت على بكر صعب لعمر فكان يغلبني فيتقدم أمام القوم ، فيزجره عمر ويرده ، ثم يتقدم فيزجره عمر ويرده فقال النبي ﷺ لعمر بعنيه ، قال هو لك يا رسول الله ، قال رسول الله ﷺ بعنيه ، فباعه من رسول الله ﷺ ، فقال النبي ﷺ هو لك يا عبد الله بن عمر تصنع به ما شئت (البخاري ٤/ ٣٣٤ مع الفتح).

قال ابن حجر : وقد احتجت به المالكية والحنفية في أن القبض في جميع الأشياء بالتخلية ، وإليه مال البخاري كما يقدم له في " باب شراء الدواب والحمير إذا اشترى دابة وهو عليها هل يكون ذلك قبضا ؟ "

وأجاب عنه ابن حجر بأنه " يحتمل أن يكون ابن عمر كان وكيلا في القبض قبل الهبة ، وهو اختيار البغوي " قال : إذا أذن المشترى للموهوب له في قبض المبيع كفى وتم البيع وحصلت الهبة بعده (فتح الباري ٣/٣٣٥) ويمكن أن يقال بأن ما ثبت فيه عن النبي ﷺ هو التصرف بالهبة وهذا لايدل على وجود القبض ، بل يدل على أن الهبة يصح قبل القبض.

٢ - " أن التسليم في اللغة عبارة عن جعله سالما خالصا، يقال سلم فلان لفلان أي خلص له ، وقال الله تعالى: ﴿ورجلا سلما لرجل﴾ أي سالما خالصا لا يشركه فيه أحد ، فتسليم المبيع إلى المشترى هو جعل المبيع سالما للمشترى أي خالصا له بحيث لا ينازعه فيه غيره ، وهذا يحصل بالتخلية، وكانت التخلية تسليما من البائع ، والتخلي قبضا من المشترى ، وكذا هذا في تسليم الثمن إلى البائع . لأن التسليم واجب ، ومن عليه الواجب لا بد أن يكون له سبيل الخروج عن عهدة ما وجب عليه ، والذي في وسعه هو التخلية ورفع الموانع ، فأما الإقباض فليس في وسعه، لأن القبض بالبراجم فعل اختياري للقابض ، فلو تعلق وجوب التسليم به لتعذر عليه الوفاء بالواجب ، وهذا لايجوز " (بدائع الصنائع ٥/٢٤٣)

ويمكن أن يقال: إن التسليم والقبض أمران مختلفان ، فتسليم المبيع يكون من البائع ، وقبضه يكون من المشترى ، فالبائع يعتبر مسلما بالتخلية ، فلا يكون ضامنا بهلاك المبيع بعد التخلية ، وإن لم يقبضه المشترى فعلا، لأن البائع قد أدى ما وجب عليه وهو التسليم بالتخلية .

٣ - القياس على العقار ، قالوا كما أن القبض يحصل بالتخلية في العقار كذلك يحصل في غيره (أخرجه أبو داود، انظر المغني ٣/١٢٥) وأجيب بأن في العقار لا يمكن القبض بالحمل والنقل ، فاعتبر التخلية قبضا له ، بخلاف غيره من المنقول .

دليل القول الثاني :

أما الذين فرقوا في القبض بين المنقول وبين غيره فاستدلوا بما يأتي :

١ - عن زيد بن ثابت أن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تباع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (أبو داود كتاب البيوع ٣/٤٩٥؛ فتح الباري ٣/٣٥٠).

استدل به الشيرازي ، وقال النووي: " رواه أبو داود بإسناد صحيح إلا أنه من رواية محمد ابن إسحاق بن يسار عن أبي الزناد ، وابن إسحاق مختلف في الاحتجاج به وهو مدلس،

۱۔ عن حکیم بن حزام قال: قلت یا رسول اللہ إنی أشتری بیوعا فما یحل لی منها وما یحرم علی، قال ماذا اشتریت شیئا فلا تبعه حتی تقبضه (مسند الإمام أحمد ۳/ ۴۰۲، نیل الأوطار ۵/ ۱۷۸، المجموع ۹/ ۲۸۱).

۲۔ عن زید بن ثابت أن النبی ﷺ نهی أن تباع السلع حیث تبتاع حتی یحوزها التجار إلی رحالهم (أبوداؤد فی البیوع ۳/ ۷۶۵، الدار قطنی ۳/ ۱۳).

وجه الاستدلال أن لفظ "شیٔ" و "السلع" عام فیحمل علی العموم، أما ذکر الطعام فی بعض الأحادیث فلا یخصص به، لأنه من قبیل التنبیه من الأعلی إلی الأدنی، فإنه إذا نهی عن بیع الطعام قبل القبض مع کثرة الحاجة إلیه فغیره أولی (المجموع ۹/ ۲۷۱).

وهذا الذی فهمه ابن عباس، فإنه روی عن طاؤس أنه قال سمعت ابن عباس أنه یقول، أما الذی نهی عن النبی ﷺ فهو الطعام أن یباع حتی یقبض، قال ابن عباس: ولا أحسب کل شیٔ إلا مثله (البخاری، البیوع ۴/ ۳۴۹).

دلیل القول الثانی :

۱۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من اشتری طعاما بکیل أو وزن فلا یبعه حتی یقبضه (أخرجه أحمد فی مسنده ۱/ ۱۱۱).

۲۔ وعنه أن رسول اللہ ﷺ نهی أن یبیع أحد طعاما إشتراه بکیل حتی یستوفیه (أبو داؤد کتاب البیوع رقم الحدیث ۳۴۹۵، النسائی ۷/ ۲۸۶).

۳۔ وعن عثمان أن النبی ﷺ قال: له إذا بعت فکل وإذا إبتعت فاکتل (الدار قطنی فی البیوع ۳/ ۸، أحمد ۱/ ۶۲، البخاری ۴/ ۳۴۳ مع الفتح).

دلیل القول الثالث :

دلیل منع المنقول هی الأحادیث السابقة، أما دلیل استثناء الدور فاستدلوا بعموم الکتاب وهو قوله تعالی: (وأحل اللہ البیع) (البقرة/ ۲۷۵).

" ولأن الأصل فی رکن البیع إذا صدر من الأهل فی المحل هو الصحة، والامتناع لعارض الغرر، وهو غرر إنفساخ العقد بهلاک المعقود علیه، ولا یتوهم هلاک العقار فلا یتقرر الغرر فبقی بیعه علی حکم الأصل " (بدائع الصنائع ۵/ ۱۸۱).

دلیل القول الرابع :

عن ابن عمر أن النبی ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یقبضه (البخاری ۴/ ۳۴۴، مسلم ۱/ ۳۲۵) وعنه قال لقد رأیت الناس فی عهد رسول اللہ ﷺ یتبایعون جزافا

الفسخ. وبه قال ابن تيمية (الاختيارات الفقهية ص ١٢٩)

ومنهم من يرى أن علته الربا، وإليه ذهب ابن عباس فعن طاوس عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ نهى أن يبيع الرجل طعاما حتى يستوفيه، قلت لابن عباس: كيف ذاك؟ قال: أراه دراهم بدراهم والطعام مرجأ (صحيح البخاري كتاب البيوع ج ٤ ص ٣٤٩ مع الفتح)

الترجيح :

بالنظر إلى الأدلة والعلل التي ساقها العلماء يبدو لي أن القول الأول وهو منع بيع أي شيء اشتراه قبل قبضه هو الراجح، والمنع خاص بالبيع، أما ما سواه من التصرف مثل العتق والهبة فيجوز كما يدل عليه هبة النبي ﷺ لابن عمر البكر الصعب قبل القبض

٭ ٭ ٭

قبضه ويجوز فيما سواه كما حققه ابن قدامة.

الرابع: قال مالك رحمه الله: إنما يمتنع البيع قبل القبض في المكيل والموزون من الطعام خاصة وقال سحنون وابن حبيب من المالكية: إنه يمتنع في كل مكيل أو موزون أو معدود ثم هل يختص بالطعام أو بالربويات؟ فيه قولان حكاهما الأبي

الخامس: قال أبو حنيفةؒ وأبو يوسفؒ: يمتنع البيع قبل القبض في سائر المنقولات ويجوز في العقار الذي لا يخشى هلاكه، كما في فتح القدير ۲۶۶/۵ (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰)۔

بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور وہ علت عقد فسخ کے باطل ہونے کے احتمال کی وجہ سے اعتماد ... کے بیع کا غرر ہے جیسا کہ "الفقہ الاسلامی" میں یہ صراحت مذکور ہے جس میں حنفیہ کا مسلک ذکر کیا گیا ہے اور وہاں علت کو صاحب ہدایہ کی مندرجہ ذیل عبارت میں ذکر کیا ہے:

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ وقال محمدؒ: لا يجوز رجوعا إلى إطلاق الحديث واعتبارا بالمنقول وصار كالإجارة ولهما أن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز (ہدایہ ثالث ص ۷۴)۔

یہاں پر قبل القبض بیع کی نہی کی حکمتوں کا ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے، لہٰذا ان حکمتوں کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) بیع کے قبل القبض بیچنے کی صورت میں اگر عقد ثانی مشتری کے حق میں زیادہ نفع بخش ثابت ہو تو بائع اول عقد اول کو فسخ کرنے کی طمع کرنے لگے اور بیع کو سپرد کرنے میں ٹال مٹول کرے۔

(۲) اگر اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے تو عام بازار میں بہت سی اشیاء کی قیمتیں حد سے بڑھ جائیں گی۔ لہٰذا جو چیزیں ایک ملک سے دوسرے ملک میں بین الاقوامی تجارت کی صورت میں برآمد درآمد ہوتی ہیں وہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچنے سے پہلے اس پر مختلف اور متعدد تاجروں کے سودے واقع ہوتے ہیں اور ہر تاجر دوسرے تاجر کو اپنا نفع چڑھا کر بیچتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی چند روپوں میں بکی ہوئی چیز عام بازار میں سیکڑوں کی ہو کر بیچی جاتی ہے۔ اگر حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان چیزوں کے بیچنے میں بائع کا قبضہ شرط قرار پا جائے گا تو عام بازار میں اشیاء کی قیمتیں سستی اور معتدل رہیں گی (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۴)۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ نے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو بیع صرف کے مشابہ قرار دے کر اسے ربا کا حیلہ قرار دیا ہے۔

عن ابن طاؤس عن أبيه عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ نهى أن يبيع الرجل طعاما حتى يستوفيه قلت لابن عباس كيف ذاك قال ذاك دراهم بدراهم والطعام مرجأ (بخاری

شریف ۱/۲۹۶)۔

مبیع پر قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع مبیع سے اپنے مالکانہ تعلقات ختم کردے اور مشتری کو اس میں ہر طرح کے تصرف کرنے کی قدرت دیدے، ہر قسم کی مبیع کے مذکورہ حالت میں ہونے کو قبضہ کہتے ہیں، قبضۂ مبیع کی مختلف جزئیات جو فقہاء کرام نے کتب فقہ میں ذکر فرمائی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیہ مبیع کی کوئی ایک شکل اور نوعیت متعین نہیں ہے اور اس کا مدار عرف وعادت پر ہے۔

وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضا له وكذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع وقال الشافعيؒ القبض في الدار والعقار والشجر بالتخلية، وأما في الدراهم والدنانير فتناولهما بالبراجم وفي الثياب بالنقل وكذا في الطعام إذا اشتراه مجازفة فإذا اشتراه مكايلة فالكيل وفي العبد والبهيمة بالسير من مكانه (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

۶۔ خریدار اول کے لئے مبیع منقول کو دوسرے کے ہاتھ بیع کے جواز کے لئے بائع کی جانب سے خریدار اول کے سامنے یا اسکے نائب کے سامنے مبیع کا ایسا تخلیہ کہ وہ اس میں اصالۃً یا نیابۃً ہر قسم کے تصرف پر قادر ہو یہ ضروری ہے، لہذا صورت مسئولہ میں خریدار اول کا مال فیکٹری سے لے کر خریدار ثانی تک پہونچانے والا اگر خریدار اول کا اجیر و وکیل ہے تو خریدار اول کی جانب سے مال مذکور کی فروختگی کو بعد القبض ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا جائیگا، اور اگر خریدار ثانی تک مال پہونچانے والا شخص فیکٹری کا ملازم واجیر ہے تو اس صورت میں خریدار اول کے محض ضمان قبول کرلینے کو اس کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، اور یہ عقد ثانی قبل القبض ہونے کی وجہ سے ناجائز شمار ہوگا اور خریدار اول کے قبضہ سے پہلے مبیع کے نقصان کی ذمہ داری خریدار اول پر ڈالنے کی شرط طے کرنا بھی جائز نہ ہوگا، بلکہ فیکٹری کے خریدار تک مال پہونچنے سے پہلے ہونے والے نقصان کا ذمہ دار فیکٹری کے مال کا بائع شمار ہوگا، جیسا کہ مشتری کے قبضہ سے پہلے مبیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں بائع کے ذمہ ضمان عائد ہونے کے جزئیات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے (فتاوی ہندیہ جلد ۳)۔

۷۔ اگر خریدار اول نے اصل بائع کو مال بردار کمپنی کے ذریعہ خرید کردہ مال بھیجنے کے لئے کہا اور مال برداری کا کرایہ خریدار اول کے ذمہ طے ہوا تو خریدار اول کا مال مذکور کو خریدار ثانی کے ہاتھ فروخت کرنا تو جائز ہے، مگر مال کے ضائع ہونیکی صورت میں خریدار ثانی کو ضامن بنانا شرعاً جائز نہیں ہے، اور خریدار ثانی تک مال پہونچنے سے پہلے مال کے ضائع ہونے کی صورت میں خریدار اول ہی ضامن رہے گا، کیونکہ مال اس کے وکیل کے ضمان میں ضائع ہوا ہے، ابھی اس مال پر خریدار ثانی کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ضمان میں داخل نہیں ہوا لہذا اس کو ضامن بنانا جائز نہیں ہے (عالمگیری ۳/۱۹، احسن الفتاوی ۶/۵۲۶)۔

☆☆☆☆☆

آگے ابن قدامہ نے امام احمد کے حوالے سے یہ جزئیہ نقل کیا ہے: رجل اشترى طعاماً فطلب من يحمله فرجع وقد احترق الطعام فهو من مال المشتري. ایک شخص نے غلہ خریدا اور حمال کو ڈھونڈنے نکلا اور جب واپس ہوا تو غلہ جل کر خاک ہو چکا تھا تو یہ احتراق مشتری کے ضمان میں ہوا۔ ومن اشترى ما في السفينة صبرة ولم يسم كيلاً فلا بأس أن يشرك فيها ويبيع ما شاء. جس نے پوری کشتی کا اناج خرید لیا اور ناپ اور تول کا کوئی ذکر نہیں آیا تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ بغیر قبضہ کے دوسرے کو فروخت کردے (مغنی ابن قدامہ ۴/۱۲۱)۔

امام احمد کی ترجمانی کرتے ہوئے ابن قدامہ نے کہا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت ان اشیاء خوردنی کے ساتھ خاص ہے جو کیلاً ووزناً فروخت کی گئی ہوں، کیونکہ اس ممانعت کا پس منظر یہ ہے کہ لوگ اندازہ اور تخمینہ کر کے شہر سے غلہ اٹھا کر اس کی بیع کردیتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے اس سے منع فرمایا اور حکم فرمایا کہ اس کو ناپ تول کر اور منتقل کر کے دوسرے سے اس کی بیع کرو۔ لہذا دیگر اشیاء کی بیع بغیر قبضہ کے ہو سکتی ہے، بلکہ اشیاء خوردنی بھی اگر کیل ووزن کے عنوان سے نہیں خریدی گئی ہیں تو قبل القبض ان کی بیع بھی درست ہے۔ ابن قدامہ کی تحقیق کے مطابق یہی مسلک حضرت عثمان بن عفانؓ، حسن بصری، سعید بن مسیب، حماد بن ابی سلیمان کا بھی ہے۔

قبضہ کے معنی:

وقبض كل شيء بحسبه فإن كان مكيلاً أو موزوناً فقبضه بكيله ووزنه وبهذا قال الشافعي، وقال أبو حنيفة التخلية في ذلك قبض وروي عن أحمد أن القبض في كل شيء بالتخلية مع التمييز لأنه خلى بينه وبين المبيع من غير حائل فكان قبضاً له كالعقار (المغنی ۳/۱۲۵)

۔ ہر چیز کا قبضہ اس کے حسب حال ہوتا ہے، مکیل وموزون کا قبضہ امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ اس کا کیل اور وزن کر لیا جائے، اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک تخلیہ اور تمیز ہے، یعنی مبیع کو الگ ممتاز کر کے رکھ لینا اور بائع کے تصرف سے اس کو علیحدہ کر لینا۔

اگر قبضہ کے ان معانی پر نظر رکھی جائے تو فیکٹری سے حاصل کئے ہوئے مال اور بحری جہاز کے مال پر اس طرح کا قبضہ متحقق ہو جاتا ہے۔ الغرض اس ملک میں جہاں اقتدار اور وسائل معاش پر غیر مسلموں کا قبضہ ہے، اگر ان تینوں امور کے مسئلہ پر غور وخوض کرکے مسلمانوں کیلئے کوئی راہ نکال لی جائے تو امید ہے کہ منشاء شریعت کے خلاف نہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عمومی یا خصوصی؟

ائمہ کرام کے اقوال و آراء اور ادلہ

مولانا اشتیاق احمد اعظمی

بیع قبل القبض کی ممانعت مختلف احادیث میں وارد ہے، کہیں یہ نہی بالکل عام ہے، اور کہیں خاص، جس کے باعث فقہاء امت کے درمیان بیع قبل القبض کے بارے میں اقوال و آراء کا اختلاف ایک فطری امر ہے، ذیل میں ہم فقہاء کرام کے آراء و اقوال بیان کرتے ہیں، پھر ہر ایک کے دلائل پیش کریں گے۔

پہلا قول احناف کا ہے:

احناف نے بیع قبل القبض کے تعلق سے اشیاء منقول و غیر منقول کے درمیان فرق کیا ہے۔

جمہور حنفیہ کے نزدیک مشتری کیلئے اشیاء منقولہ پر قبضہ سے پہلے اس کی بیع کرنا درست ہے، رہا غیر منقولہ اشیاء کا معاملہ، جیسے عقار، دار اور شجر وغیرہ تو اس میں قبضہ سے پہلے بھی مشتری کیلئے بیع جائز ہوگی، ائمہ احناف میں سے حضرات شیخین (امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ) کا یہ مسلک ہے، لیکن احناف ہی میں سے امام محمد و زفر، نیز امام شافعی "غیر منقول اشیاء" کے اندر بھی بیع قبل القبض کے عدم جواز ہی کے قائل ہیں (بدائع الصنائع ۹/۱۸۱-۱۸۰، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ۲/۸۰)۔

دوسرا قول مالکیہ اور ابن حزم ظاہری کا ہے:

ان حضرات کے یہاں ہر قسم کی چیزوں کی بیع، خواہ وہ منقول ہو یا غیر منقول، جائز ہے، اس عموم سے ان کے یہاں صرف طعام مستثنیٰ ہے، لیکن مالکیہ کے نزدیک طعام سے مراد صرف گندم ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے ضمن میں دیگر مطعومات مثلاً فاکہہ وغیرہ بھی آتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک گندم اور فاکہہ کی بھی بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی، مگر علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک، طعام سے مراد صرف گندم ہے، اس لئے گندم کی بیع ان کے نزدیک قبضہ سے پہلے بالکل درست نہ ہوگی (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵، المحلی لابن حزم ۸/۵۱۸)۔

تیسرا قول شافعیہ کا ہے:

شوافع کے نزدیک بیع قبل القبض کی نہی بالکل عام ہے، ان کے یہاں اشیاء منقولہ و غیر منقولہ دونوں ہی کی بیع درست نہیں ہے، یہی امام احمد کی بھی ایک روایت ہے، اور ابن عقیل نے اسی کو اختیار کیا ہے، مغنی میں ہے: وعن احمد رواية أخرى: لا يجوز بيع شيء قبل قبضه، اختارها ابن عقيل (المغنی ۴/۱۲۱)۔

چوتھا قول حنابلہ کا ہے:

ان حضرات کے نزدیک قبضہ سے پہلے مبیع کے اندر تصرف جائز ہے، بشرطیکہ مبیع کیلی، وزنی یا عددی نہ ہو، لیکن اگر مبیع انواع مذکورہ میں سے کسی بھی نوع کی ہوگی تو اس میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہوگا (المغنی ۴/۱۲۱، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۶)۔

پانچواں قول عثمان البتی کا ہے:

ان کے نزدیک ہر طرح کی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے، انہ قال: لا بأس ببیع کل شئ قبل قبضہ (المغنی لابن قدامہ ۴/۱۲۰)۔

احناف اور شوافع کے دلائل:

احناف اشیاء منقولہ اور شوافع اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کے اندر قبضہ سے پہلے تصرف کے عدم جواز کے قائل ہیں، اس لئے اس سلسلہ میں ان دونوں جماعتوں کے دلائل ایک ہی ہیں، اور ذیل کی وہ روایتیں ہیں جن میں عمومی طور سے قبضہ سے پہلے کسی بھی شی کی بیع سے روکا گیا ہے:

۱۔ ما رواہ أبو داؤد عن زید بن ثابت أن النبی ﷺ نہی أن تباع السلع حیث تبتاع حتی یحوزھا التجار إلی رحالھم (سنن أبی داؤد مع البذل ۴/۲۸۵، ونیل الاوطار ۵/۱۵۷)۔

۲۔ عن حکیم بن حزام قال: سألت رسول اللہ ﷺ فقلت: یأتینی الرجل فیسألنی أن أبیع ما لیس عندی أبتاع لہ من السوق ثم أبیعہ، قال: لا تبع ما لیس عندک (ترمذی ۱/۲۳۸)۔

۳۔ عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا یحل سلف وبیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح ما لم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک (رواہ الخمسۃ نقلاً من سبل السلام ۳/۱۰۶)۔

احناف نے اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کے درمیان جو فرق کیا ہے، اس کی بنیادی وجہ مذکورہ بالا احادیث کے اندر موجود علت ہی ہے، اور وہ علت "غرر انفساخ العقد علی اعتبار الہلاک" ہے، اور یہ علت منقول اشیاء کے اندر قبضہ سے پہلے موجود ہوا کرتی ہے، اس لئے منقول اشیاء کے اندر بیع قبل القبض کو احناف نے ناجائز کہا، اور غیر منقول اشیاء کے اندر ہلاکت چونکہ نادر الوقوع ہے، اس لئے عدم تحقق علت کے باعث حنفیہ نے ان کی بیع قبضہ سے پہلے بھی جائز قرار دی، لیکن مکان وجائداد وغیرہ اگر ایسی ہوں جن کے اندر ہلاکت کا اندیشہ موجود ہو، مثلاً زمین جو دریا کے بہاؤ پر واقع ہو تو فقہاء احناف نے اس طرح کی چیزوں کو قبضہ سے پہلے بیچنے سے منع کیا ہے، چنانچہ عینی میں ہے:

فاما فی موضع لا یؤمن ذلک فلا یجوز (عینی شرح ہدایہ ۳/۱۳۷)۔

احناف کی دوسری دلیل وہ قاعدہ اور اصول ہے، جسے علامہ عینی نے "ایضاح" کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

"كل عرض ملك بعقد ينفسخ العقد فيه بهلاكه قبل القبض ولم يجز التصرف فيه كالمبيع و الأجرة إذا كانت عيناً و ما لاينفسخ العقد بهلاكه فالتصرف فيه جائز قبل القبض كالمهر وبدل الخلع . (عینی ۱۳۷/۳)۔

اس قاعدہ کا ماحصل یہ ہے کہ ہر عوض جس کا کسی عقد سے مالک بنا جاتا ہو اور اس عوض کی ہلاکت کے باعث اس میں منعقدہ عقد فسخ ہو جاتا ہو تو ایسے عوض میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہوگا، جیسے مبیع اور اجرت جب کہ متعین شئی ہو اور جہاں اس عوض کی ہلاکت کے باوجود عقد منفسخ نہ ہوتا ہو تو اس میں قبضہ سے پہلے بھی تصرف جائز ہوا کرے گا۔

اس ضابطہ کی رو سے اشیاء منقول وغیر منقول، دونوں ہی کے اندر قبضہ سے پہلے تصرف ناجائز ہونا چاہئے، لیکن غیر منقول اشیاء کے اندر ہلاکت کے نادر ہونے کے باعث اس میں قبضہ سے پہلے بھی جمہور احناف نے تصرف کو جائز قرار دیا۔

احناف میں سے حضرت امام محمد وزفرؒ نے غیر منقول کی بیع کو بھی قبضہ سے پہلے ناجائز قرار دیا ہے، ان حضرات کی دلیل مذکورہ بالا دو روایتیں ہیں جن کے اندر کلمہ "ما" وارد ہوا ہے (لا تبع ما ليس عندك " اور " ولا بيع ما ليس عندك ") اور کلمہ "ما" عموم پر دلالت کرتا ہے، اس لئے اس میں منقول وغیر منقول) کوئی تخصیص نہ ہوگی۔

دوسری دلیل یہ کہ امام محمدؒ وغیرہ نے بیع کو اجارہ پر قیاس کیا ہے، چونکہ عقار وغیرہ کا اجارہ قبل القبض درست نہیں، اس لئے عقار کی بیع بھی قبل القبض درست نہ ہوگی، عینی میں مذکور ہے: "وصار كالإجارة فإنها في العقار لا يجوز قبل القبض " (عینی شرح ہدایہ ۱۳۷/۳)۔

مالکیہ اور ابن حزم کے دلائل:

ان حضرات کے دلائل وہ روایتیں ہیں جن میں طعام کا لفظ وارد ہوا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱. عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: إذا ابتعت طعاماً فلا تبعه حتى تستوفيه (رواہ احمد ومسلم بحوالہ نیل الاوطار ۱۵۷/۵)

۲. عن أبي هريرة قال: نهى رسول الله ﷺ أن يشترى الطعام ثم يباع حتى يستوفى (رواہ احمد ومسلم بحوالہ نیل الاوطار ۱۵۷/۵)۔

۳. عن ابن عباس أن النبي ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه (نیل الاوطار ۱۵۸/۵)۔

ان جیسی حدیثوں میں چونکہ خاص طور سے طعام کی قبل القبض بیع سے روکا گیا ہے، اس لئے طعام کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہ ہوگی، لیکن اس کے ماسوا ہر چیز کی بیع، قبضہ سے پہلے جائز ہوگی، فإن تخصيصه الطعام بالنهي

و بين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً له (بدائع ۵/۲۴۴)۔

صاحب بدائع کی اس عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ احناف کے نزدیک اصل حوالگی مبیع، بائع کی طرف سے تخلیہ اور مشتری کی طرف سے تخلی ہے، اور تخلیہ کی نوعیت میں اختلاف ہوسکتا ہے، جیسا کہ مبیع کے انواع میں اختلاف ہوا اور تخلیہ کی نوعیت میں تبدیلی کا دار و مدار عرف و عادت پر موقوف ہوگا، چنانچہ جس مقام پر جس طریقے کے استیفاء کو وہاں کے عرف میں قبضہ سمجھا جاتا ہوگا، اسی کو اس مقام میں شرعاً قبضہ مانا جائے گا۔

علامہ شامی بحر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: حاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع (شامی ۴/۵۶۱)۔

اور بدائع میں ہے: لأن معنى القبض هو التمكن والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً حقيقةً (بدائع ۵/۱۴۸)۔

تخلیہ سے متعلق شرطیں:

صاحب درمختار نے تخلیہ کیلئے تین شرطیں ذکر فرمائی ہیں جن کی طرف اشارہ "بدائع" کی مذکورہ بالا عبارت (۵/۲۴۴) میں بھی ہو چکا ہے، وہ شرطیں درمختار کے الفاظ میں یوں ہیں:

ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل وشرط في الأجناس شرطاً ثالثاً وهو أن يقول: خليت بينك وبين المبيع، فلو لم يقله أو كان بعيداً لم يصر قابضاً (درمختار مع شامی ۴/۵۶۱-۵۶۲)۔

درمختار کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ مبیع کی تسلیم اسی وقت تخلیہ کی صورت میں اس وقت مکمل مانی جائے گی جبکہ مشتری مبیع پر بلا کسی مانع و حائل کے تصرف پر قادر ہو جائے۔ "اجناس" کے حوالہ ایک تیسری شرط یہ بھی لگائی ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ: خليت بينك وبين المبيع

چنانچہ علامہ شامی نے اس کے دلیل میں جو مثال پیش کی ہے وہ یہ کہ اگر مشتری نے کسی مکان کے اندر موجود گیہوں خریدا اور بائع نے اس مکان کی کنجی مشتری کے حوالے کردی اور یہ کہا: "خليت بينك وبينها" تو اس صورت میں قبضہ نہیں ہوگا۔

تخلیہ کے اندر "بلا مانع ولا حائل" کی شرط کا مفہوم یہ ہے کہ مبیع کا کل حصہ بائع کے تعلق اس انداز سے ہو کہ اس سے غیر کا حق متعلق نہ ہو، وہاں يكون مفرزاً غير مشغول بحق غيره (شامی ۴/۵۶۱)۔

چنانچہ اگر کسی نے گھر بیچا اور اسے مشتری کے حوالے بھی کردیا لیکن اس مکان کے اندر تھوڑا یا زیادہ بائع کا سامان موجود ہے، تو اس صورت میں مبیع کی حوالگی اور تسلیم اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ بائع اس مکان کو مکمل خالی نہ کردے۔

الغرض شریعت نے قبضہ کی معنی اور حقیقت تخلیہ کی شکل میں متعین کردی ہے، لیکن اس کی نوعیت میں مکان و مبیع کے اختلاف کے باعث اختلاف ہوسکتا ہے، اور اس کا تعلق عرف اور عادت سے ہوگا، اس کی مختلف صورتوں کا ذکر علامہ شامی نے ان لفظوں میں فرمایا ہے:

ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض، ونحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض، وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض، إلى غير ذلك (شامی ۴/۵۹)۔

اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ایک ہوگی یا مختلف؟

احناف کے یہاں تمام اموال میں تسلیم وقبضہ کی حقیقت ایک ہی ہے، یعنی تخلیہ و تخلی، لیکن تخلیہ کی نوعیت اشیاء منقولہ کے اندر بھی مختلف چیزوں میں مختلف ہوسکتی ہے، اور غیر منقولہ میں بھی حالات کے اعتبار سے مختلف ہوگی، جیسا کہ شامی کے حوالے سے پہلے لکھا جاچکا ہے کہ مبیع کے اختلاف سے تخلیہ کی صورتیں اور نوعیتیں مختلف ہوا کرتی ہیں "لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع"، مثلاً کسی مکان کے اندر موجود گیہوں خریدا تو بائع کا مشتری کو اس مکان کی کنجی اس طور پر حوالہ کردینا کہ وہ اس کو بلا کسی تردد کے کھول سکے تو مشتری نے اس پر قبضہ کرلیا مانا جائے گا، ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض (شامی ۴/۵۹)۔

اور اگر کسی نے گھر خریدا اور بائع اس کی کنجی مشتری کو دیدے کہ وہ اس گھر کو بند کرسکے تو اس صورت میں مشتری کا کنجی پالینا ہی قبضہ ہوگا، بشرطیکہ وہ گھر اسی شہر میں ہو: وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فيما يظهر (شامی ۴/۵۹)۔

مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوگیا کہ بائع کی طرف سے کوئی بھی ایسی صورت سامنے آجائے جس کے بعد مشتری مبیع پر قابض و متصرف ہوسکے تو اس کی طرف سے تسلیم کی یہ صورت تخلیہ ہوگی اور مشتری کے حق میں یہی قبضہ ہوگا، خواہ مبیع منقول ہو یا غیر منقول، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہوا۔

البتہ غیر منقول مبیع کا جب تک وجود ہی نہ ہو تو قبضہ متحقق نہ ہوگا، شامی میں ہے: اما إذا كان معدوماً لا يتصور القبض في المعدوم فلا تقام التخلية مقام القبض (۲/۵۹)۔

شوافع اور حنابلہ کے یہاں منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت:

شوافع اور حنابلہ کے یہاں بھی غیر منقولہ اشیاء کے اندر قبضہ تخلیہ ہی ہوتا ہے، چنانچہ ہدایہ میں مذکور ہے:

وقال الشافعي: القبض في الدار والعقار والشجرة بالتخلية (۳/۲۳)۔

اور مغنی میں علامہ ابن قدامہ حنبلی رقمطراز ہیں: وإن كان مما لا ينقل ويحول فقبضه التخلية بينه وبين مشتريه لا حائل دونه (مغنی ۴/۱۲۲)۔

اور منقولہ اشیاء میں قبضہ ان حضرات کے یہاں مختلف شکل سے ہوا کرتا ہے، چنانچہ مغنی میں مذکور ہے:

وقبض كل شيء بحسبه (۴/۱۲۵) اس لئے اگر بیع درہم و دینار کی ہو تو قبضہ کی صورت "اخذ بالید" یا "تناول بالبراجم" یعنی ہاتھ میں لینے سے ہوگی، اور اگر مبیع کپڑا ہو، یا طعام ہو اور اسے مجازفۃ بیچا جائے تو قبضہ اس کے منتقل کرنے سے ہوگا، اور اگر حیوان ہو تو اسے اس کے مقام سے چلا کر قبضہ ہوگا، مغنی میں ہے: وإن كان المبيع دراهم أو دنانير فقبضها باليد وإن كان ثياباً فقبضها نقلها وإن كان حيواناً فقبضه تمشيه من مكانه (المغنی ۴/۱۲۶)۔

اور اگر مبیع کیلی یا وزنی ہو اور بیع بھی کیلا یا وزناً کی گئی ہو تو قبضہ کیل و وزن سے ہوگا، جیسا کہ مغنی میں ہے: فإن كان مكيلاً أو موزوناً بيع كيلاً ووزناً فقبضه بكيله ووزنه وبهذا قال الشافعي (المغنی ۴/۱۲۵)۔

۹۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کو روانہ کرتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے، اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے، نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ اس شخص یعنی خریدار (۱) کا نقصان قرار پاتا ہے۔۔۔۔۔ اس صورت معاملہ میں فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر اگرچہ حسی قبضہ نہیں ہوا، لیکن اس کے ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام مان کر اس کی بیع و شراء کو درست اور جائز قرار دیا جانا چاہئے، بشرطیکہ خریدار (۱) نے فیکٹری سے معاملہ اولاً طے کیا ہو، اور فیکٹری سے مال کی روانگی کے بعد خریدار (۲) سے معاملہ طے ہوا ہو، اس صورت میں خریدار (۱) کے حق میں تخلیہ مال کی روانگی کے بعد ثابت ہو جائے گا، جو قبضہ کی اساس و بنیاد ہے، تخلیہ کے حصول کے بعد خریدار (۱) کا بیع کے اندر تصرف صحیح ہوگا، اس لئے اس کی بیع خریدار (۲) کے حق میں درست ہوگی، خصوصاً جبکہ وہ ضمان بھی قبول کر رہا ہے۔

رہا مذکورہ بالا صورت معاملہ میں تخلیہ سے قبضہ کا ثبوت، تو بدائع میں مذکور ہے کہ:

فتسليم المبيع إلى المشتري هو جعل المبيع سالماً للمشتري اى خالصاً له بحيث لا ينازعه فيه غيره وهذا يحصل بالتخلية فكانت التخلية تسليما من البائع والتخلي قبضاً من المشتري (بدائع ۵/۲۴۴)۔

مذکورہ بالا صورت معاملہ میں فیکٹری سے مال کی روانگی بائع کی طرف سے تسلیم مبیع یعنی تخلیہ پایا گیا، اور مبیع کی یہ سپردگی مشتری کے حق میں تخلی یعنی قبضہ متصور ہوگی۔

اور بدائع میں یہ بھی مذکور ہے: حتى لو اشترى مذروعاً مذارعة أو معدوداً معاددة ووجدت التخلية تخرج عن ضمان البائع ويجوز له بيعه والانتفاع به قبل الذرع والعد بلاخلاف وإن كان مما له مثل فإن باعه مجازفة فكذلك (بدائع ۵/۲۴۶)۔

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں فیکٹری سے خریدا ہوا مال، خواہ مثلی ہو یا غیر مثلی، دونوں صورتوں میں تخلیہ کی بنیاد پر، مشتری کے قبضہ میں ہو جائے گا، مذکورہ بالا صورت معاملہ میں فیکٹری کی طرف سے مال کی روانگی تخلیہ مانی جائے

گی، اور مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اور یہاں تو مشتری خود بخود ہی ضمان قبول کر رہا ہے، اس لئے مشتری کا اس مبیع کو ناپنے اور شمار کرنے سے پہلے اس سے انتفاع اور اس کی بیع درست ہوگی۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ بائع کا مبیع کے اندر مشتری کے امر سے کوئی بھی تصرف مشتری ہی کا تصرف مانا جاتا ہے، اس لئے اس صورت معاملہ میں بائع کا مشتری کے امر سے فیکٹری سے مال کو روانہ کرنا خود اس کے قبضہ کے مترادف ہوگا، بدائع میں ہے: وكذلك لو فعل البائع شيئا من ذلك بامر المشترى لأن فعله بامر المشترى بمنزلة فعل المشترى بنفسه (بدائع ۵/۲۴۶)۔

مذکورہ بالا پوری بحث سے یہ امر واضح ہو گیا کہ مشتری اول کا مشتری ثانی کو مذکورہ بالا صورت معاملہ میں مال کو فروخت کرنا درست ہوگا۔

۷۔ وہ صورت معاملہ جس میں بین الاقوامی تجارت میں شپنگ کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مال مشتری تک پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جاتا ہے تو بائع اس کا ضمان نہیں لیتا۔

تو اس صورت معاملہ میں چونکہ بائع کی طرف سے تسلیم مبیع پایا گیا اور وہ یہاں پر مال کی شپنگ ہے، اس لئے اس صورت میں بائع کا فارغ الذمہ ہونا قرین قیاس ہے، اور یہ بیع بھی درست ہوگی، کیونکہ بائع کی طرف سے مبیع کی تسلیم بصورت شپنگ موجود ہے۔

اب اگر یہ مشتری اس مال کو اپنے ضمان میں لے لیتا اور پھر کسی کے ہاتھ اسے فروخت کرتا تو یہ بیع بھی درست مانی جاتی، لیکن یہاں صورت معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ مشتری اول جو اب بیع کر رہا ہے، وہ مال کو سمندر میں رہتے ہوئے، بغیر ضمان لئے ہوئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، تو بیع کی یہ صورت جائز نہ ہوگی، کیونکہ یہ "ربح مالم یضمن" کی شکل بن رہی ہے جو کہ منہی عنہ ہے اور منہی عنہ فساد عقد کی مقتضی ہے، سبل السلام میں یہ روایت ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ما ليس عندك (سبل السلام ۳/۸۰۹)۔

علامہ صنعانی "ولا ربح مالم یضمن" کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں: قيل معناه: ما لم يقبض لأن السلعة قبل قبضها ليست في ضمان المشترى إذا تلفت، تلفت من مال البائع۔

اور یہاں صورتحال اس کے برعکس ہے، وہ یہ کہ مشتری اول سمندر میں موجود مال کو مشتری ثانی تک پہنچنے کا ضمان قبول کئے بغیر بیع کر رہا ہے، اس لئے یہ بیع ناجائز ہوگی۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا عبدالجلیل قاسمی

اس بیع قبل القبض عام طور پر جائز نہیں ہے، کچھ مستثنیات اور فقہاء کے اختلافات ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ فقہاء احناف نے بیع باطل وفاسد ومکروہ کی جو تعریف کی ہے، اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض بیع فاسد ہے، الموسوعۃ الفقہیہ میں ابن عابدین شامی کی تعبیر اختیار کی گئی ہے، اور فتح القدیر وغیرہ کے حوالے سے بیع باطل وفاسد ومکروہ کی تعریف، اور ان کے احکام تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

والبیع الباطل عند الحنفیة هو ما لم یشرع لا بأصله ولا بوصفه (الموسوعة الفقهیة ۹/۹۳)۔

والبیع الفاسد فی الاصطلاح: ما یکون مشروعاً أصلاً لا وصفاً والمراد بالأصل: الصیغة، والعاقدان، والمعقود علیه، وبالوصف ما عدا ذلک (الموسوعة الفقهیة ۹/۹۲)۔

والباطل هو ما لا یکون صحیحاً أصلاً ووصفاً، والفاسد هو ما لا یصح وصفاً، وکل ما أورث خللاً فی رکن البیع فهو مبطل وما أورثه فی غیره کالتسلیم والتسلم الواجبین به والانتفاع المقصود منه، وعدم الإطلاق عن شرط لا یقتضیه وغیر ذلک فهو مفسد (فتح القدیر ۶/۴۰۲)۔

یہی وجہ ہے کہ "موسوعہ" میں شامی کے حوالے سے بیع قبل القبض کو بیع فاسد میں شمار کیا ہے۔

وعدم الصحة هنا، بمعنی الفاسد لا الباطل وإن کان نفی الصحة یحتملهما لکن الظاهر عند الحنفیة هو الفساد لأن علة الفساد هی الغرر مع وجود رکنی البیع وکثیراً ما یطلق الباطل علی الفاسد (الموسوعة الفقهیة ۹/۱۲۵)۔

علامہ ابن ہمام نے باطل وفاسد کی بیع اور اس کے احکام کی جو تفصیلات ذکر کی ہیں ان سے محسوس ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض ان کے نزدیک بیع فاسد ہے، لکھتے ہیں:

(لأن فیه غرر انفساخ العقد) الأول (علی اعتبار الهلاک المبیع) قبل القبض فیتبین حینئذ أنه باع ملک الغیر بغیر إذنه وذلک مفسد للعقد (فتح القدیر ۶/۵۱۱) والفساد بمعنی البطلان إلا فی السلم أو مع الملک لکن قبل قبضه (فتح القدیر ۶/۴۰۲)۔

فقہاء احناف کی کتابوں میں جہاں بھی بیع قبل القبض کی بحث کی گئی ہے تقریباً تمام ہی حضرات نے اس کو بیع فاسد ہی میں شمار کیا ہے۔

۲۔ قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں ہے، بلکہ عرف وعادت پر موقوف ہے، جس چیز کے بارے میں جس درجہ کا استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے گا، وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا۔

علامہ حصکفی نے ثمن ومبیع کی سپردگی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سپردگی یہ ہے کہ تخلیہ اس طرح ہو کہ بغیر کسی رکاوٹ ودشواری کے قبضہ ممکن ہو۔

ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل (درمختار علی رد المحتار ۴/۵۶۰)۔

علامہ شامی نے اس عبارت پر ''بحر'' کے حوالے سے تفصیلات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

وحاصله: أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع (رد المحتار ۴/۵۶۱)۔

صاحب ''بذل المجہود'' حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں: قال الخطابي القبوض تختلف في الأشياء حسب اختلافها في أنفسها، فمنها ما يكون بأن يوضع في يد صاحبه، ومنها ما يكون بالتخلية بينه وبين المشتري، ومنها ما يكون بالنقل من موضعه، ومنها ما يكون بأن يكتال (بذل المجہود ۴/۲۸۳)۔

مذهب المالكية والشافعية والحنابلة أن قبض كل شئ بحسبه: فإن كان مكيلا أو موزونا أو معدودا أو مذروعا فقبضه بالكيل أو الوزن أو العدد أو الذرع.

والمالكية شرطوا في قبض المثل تسليمه للمشتري وتفريغه في أوعيته.

وإن كان جزافا فقبضه نقله .... وإن كان منقولا من عروض وأنعام فقبضه بالعرف الجاري بين الناس كما يقول المالكية: كاحتياز الثوب وتسليم مقود الدابة .... وإن كان عقاراً فقبضه بالتخلية بينه وبين المشتري بلا حائل دونه تمكينه من التصرف فيه بتسليمه المفتاح وإن وجد .... ولم يفصل الحنفية ..... بل اعتبروا التخلية وهي رفع الموانع والتمكين من القبض قبضا حكما على ظاهر الرواية .... نص الحنفية على مذهبهم هذا في الرهن في التخلية بينه وبين المرتهن وقالوا: إن التخلية فيه قبض كما هي في البيع فإنها فيه أيضاً قبض وقالوا: لأنها تسليم فمن ضرورته الحكم بالقبض فيترتب عليه ما يترتب على القبض الحقيقي وهذا هو الأصح (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۳۲-۱۳۴)۔

علامہ ابن عابدین، فتح القدیر، البحر الرائق میں بھی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔

۳۔ اوپر کی تفصیلات سے واضح ہے کہ اشیاء منقولہ و غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق ہوگا۔

۴۔ ثمن قبل القبض کے سلسلہ میں جو احادیث مروی ہیں وہ معمول بہا ہیں۔

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں۔

والحدیث معمول به عملا بدلالته الجواز (ہدایہ ۳؍ ۵۸)۔

نبی کریم ﷺ نے قبضہ سے پہلے بیع کرنے سے منع فرمایا ہے، اور خود آپ نے ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنے کی اجازت دی ہے۔

عن ابن عمر قال كنت ابيع الإبل بالبقيع فابيع بالدنانير و آخذ الدراهم وابيع بالدراهم و اخذ الدنانير فاتيت النبي ﷺ وهو يريد أن يدخل حجرته فاخذت بثوبه فسألته فقال إذا اخذت واحدا منهما بالآخر فلا يفارقنك وبينك وبينه بيع (فتح القدیر ۶؍ ۱۳۶)۔

اس سے واضح ہے کہ جب آپ نے "بیع قبل قبض المبیع" سے منع فرمایا اور "بیع قبل قبض الثمن" کی اجازت دی تو منع کرنے کی کوئی خاص وجہ ضرور ہے جو بیع "قبل قبض المبیع" میں پائی جارہی ہے اسلئے آپ منع فرما رہے ہیں، اور بیع "قبل قبض الثمن" میں نہیں پائی جارہی ہے اسلئے اس میں آپ اجازت دے رہے ہیں، اور وہ وجہ غرر ہے یعنی "غرر انفساخ العقد الاول" ہے، فی الصحاح انه ﷺ نهى عن بيع الغرر (فتح القدیر ۶؍ ۵۱۶) یعنی اگر مبیع قبضہ سے قبل ہلاک ہو جائے تو بیع منسوخ ہو جائیگی، مشتری کو معلوم نہیں ہے کہ جس مال کو اس نے خریدا ہے وہ قبضہ میں آئے گا یا نہیں، بلکہ ہلاک ہونے کی صورت میں بیع ہی منسوخ ہو جائے گی، اسلئے اس کو اجازت نہیں دی جارہی ہے کہ وہ قبضہ میں آنے سے پہلے اس کو فروخت کرے، لیکن ثمن کے ہلاک ہونے کا اثر بیع پر نہیں پڑتا ہے اسلئے کہ اگر ثمن متعین بھی ہے تو اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں بیع منسوخ نہیں ہوگی، بلکہ مشتری پر لازم ہوگا کہ اس متعین ثمن کی قیمت بائع کو ادا کرے۔

یہیں سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ ہر وہ عقد جس میں قبضہ سے پہلے بدل کے ہلاک ہونے سے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہاں اس بدل میں قبضہ سے پہلے بھی تصرف کی اجازت ہے۔

مثلاً عورت کیلئے مہر، وارث کیلئے بدل خلع، حق علی مال، دم عمد میں صلح کا بدل، یہ سب وہ عقود ہیں کہ بدل کے ہلاک ہونے سے عقد منسوخ نہیں ہوتا، بلکہ اگر بدل متعین ہو تو ہلاک ہونے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کر دی جاتی ہے اسلئے ان سب میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے۔

• فصار الأصل أن كل عقد ينفسخ بهلاك العوض قبل القبض لم يجز التصرف في ذلك العوض قبل قبضه كالمبيع في البيع والأجرة إذا كانت عينا في الإجارة وبدل الصلح عن الدين إذا كان عينا لا يجوز بيع شئ من ذلك .... وما لا ينفسخ بهلاك العوض فالتصرف فيه

قبل القبض جائز كالمهر إذا كان دينا وبدل الخلع والعتق على مال وبدل الصلح عن دم العمد كل ذلك إذا كان عينا يجوز بيعه وهبته وإجارته قبل قبضه وسائر التصرفات في قول أبي يوسف ولو أوصىٰ به قبل القبض ثم مات قبل القبض صحت الوصية بالإجماع لأن الوصية أخت الميراث ولو مات قبل القبض ورث عنه فكذا إذا أوصىٰ به (فتح القدیر ۶/۵۱۲)۔

ان كل عوض ملك بعقد ينفسخ بهلاكه قبل القبض لم يجز التصرف فيه قبل قبضه وما لا ينفسخ بهلاكه جاز التصرف فيه قبل قبضه فمثال الأول المبيع والأجرة وبدل الصلح عن الدين إذا كان الثمن والأجر والبدل عينا...... ومثال الآخر المهر إذا كان عينا .... وكذا بدل الخلع والعتق على مال وبدل الصلح عن دم العمد (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۲۸-۱۲۹)۔

یہاں پر حضرت امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا عقار کے سلسلہ میں بیع قبل القبض کی اجازت دینا بھی سمجھ میں آتا ہے، کہ جس طرح ثمن میں قبضہ کے پہلے تصرف کرنا جائز ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہاں "غرر" نہیں ہے، اور مہر وغیرہ میں بھی غرر کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی تصرف قبل القبض کی اجازت ہے، اسی طرح عقار میں بھی چونکہ "غرر" کا اندیشہ نہیں ہے، اسلئے کہ اس کا ضائع ہونا نادر ہے، اور "النادر لا عبرة به" قبل القبض کی اجازت دی گئی ہے۔

البتہ خود ان حضرات نے بھی کہا ہے کہ اراضی لب دریا ہو، یا ایسی جگہ ہو کہ ریت کے بھر جانے کا اندیشہ ہو تو وہاں چونکہ زمین کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے، وہاں "غرر انفساخ" موجود ہے تو وہاں بھی بیع قبل القبض کی اجازت نہیں دی جائے گی، حتى قال بعض المشائخ إن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحرا أو يغلب عليه الرمال، فأما في موضع لا يؤمن عليه ذلك فلا يجوز كما في المنقول ذكره المحبوبي، وفي الاختيار: حتى لو كان على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض (فتح القدیر ۶/۵۱۳)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی تفصیلات میں حضرات ائمہ کرام میں اختلافات ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے خطابی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اہل علم کا اجماع اس پر ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے اس کے علاوہ دوسری اشیاء میں اختلافات ہیں۔ امام اعظم اور امام ابو یوسفؒ مکانات اور اراضی کی بیع قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں، باقی تمام طعام "غیر طعام" میں ناجائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی اور امام محمدؒ طعام وغیر طعام، مکانات اور اراضی تمام ہی چیزوں میں بیع قبل القبض کو ناجائز کہتے ہیں۔ امام مالکؒ ماکول ومشروب کے علاوہ تمام اشیاء میں بیع قبل القبض کو جائز مانتے ہیں۔ اوزاعی، احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ مکیل وموزون کے علاوہ تمام چیزوں میں بیع قبل القبض کو جائز کہتے ہیں۔ یہی ابن المسیب، حسن بصری، حکم اور حماد سے مروی ہے (بذل المجہود ۴/۲۴۳)۔ "الموسوعۃ الفقہیہ" میں پوری تفصیل مذکور ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے اس کو طعام کے ساتھ مخصوص کیا ہے جبکہ وہ معاوضہ لے کر حاصل کیا گیا ہو، اور کیل یا وزن کے ساتھ حاصل کیا گیا ہو، اگر بلا معاوضہ حاصل ہوا ہے یا تخمینہ سے خریدا گیا ہے تو اس میں بھی بیع قبل القبض کی اجازت دیتے ہیں، دوسری تمام چیزوں میں وہ بیع قبل القبض کی اجازت دیتے ہیں۔

ومذهب المالكية أن المحرم المفسد للبيع هو بيع الطعام دون غيره من جميع الأشياء قبل قبضه، سواء كان الطعام ربويا كالقمح أم غير ربوي كالتفاح عندهم، أما غير الطعام فيجوز بيعه قبل قبضه وذلك لحديث ابن عباس المتقدم من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه ولعلة تعيين الطعام دون ما سواه، لكنهم شرطوا لفساد هذا النوع من البيع شرطين:

(الف) أن يكون الطعام مأخوذا بطريق المعاوضة أي في مقابلة شيء بإجارة أو شراء أو صلح أو إرش جناية ... فهذا الذي لا يجوز بيعه قبل قبضه، أما لو صار إليه الطعام بهبة أو ميراث مما ليس أخذه بعوض فيجوز بيعه قبل قبضه.

(ب) وأن تكون المعاوضة بالكيل أو الوزن أو العدد فيشتريه بكيل ويبيعه قبل قبضه ... أما لو اشتراه جزافا ثم باعه قبل قبضه فيكون جائزا (الموسوعة الفقهية ۹/۱۲۶)۔

موسوعہ میں امام احمدؒ سے مختلف روایتیں منقول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے جس چیز کی بیع قبل القبض سے منع کیا ہے وہ طعام ہے، اس کا مطلب ہوا کہ طعام کے علاوہ دوسری چیزوں میں بیع قبل القبض جائز ہوگی۔

الأصح أن الذي يمنع من بيعه قبل قبضه هو الطعام، وذلك لأن النبي ﷺ "نهى عن بيع الطعام قبل قبضه" فمفهومه إباحة ما سواه قبل قبضه (الموسوعة الفقهية ۹/۱۲۷)۔

اس کے ساتھ ہی ان روایات کا بھی تذکرہ ہے جن میں طعام کی بیع قبل القبض سے مختلف الفاظ میں منع کیا گیا ہے، ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ کیلی وموزون، معدود اور مذروع میں مشتری کا تصرف قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت سعید وزہری نے نقل کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ حدیث میں طعام کی قبل القبض سے منع کیا گیا ہے، اور اس زمانہ میں عام طور پر طعام کا لفظ کیلی وموزون ہی میں استعمال کیا جاتا تھا، معدود و مذروع کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔

أن الحديث المذكور نهى عن بيع الطعام قبل قبضه وكان الطعام يومئذ مستعملا غالبا فيما يكال ويوزن وقيس عليهما المعدود والمذروع لاحتياجهما إلى حق التوفية (حوالہ سابق ۹/۱۲۸)۔

ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ کسی چیز کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، جبکہ امام محمد وامام شافعی رحمہما اللہ مذہب ہے۔

وفي رواية ثالثة عن الإمام أحمد: أنه لا يجوز بيع شيء قبل قبضه وهي التي وافق فيها

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا شرعی حکم

محمد عزیر اختر القاسمی

ا۔ بیع قبل القبض شریعت کی روشنی میں:

حدیث اور فقہ و فتاویٰ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بیع قبل القبض ناجائز ہے، کیونکہ حدیث میں عتاب بن اسید کا واقعہ لکھا ہے کہ جب انہیں مکہ کا امیر بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جاؤ بیت اللہ والوں کی طرف اور انہیں چار چیزوں سے روکو، ان میں سے پہلی چیز قبل القبض ہے (فتح القدیر ۶/۱۳۶)۔

اور مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث ہے "قال رسول اللہ ﷺ من ابتاع طعاماً فلا یبعہ حتی یستوفیہ" اور اس کے آگے حضرت ابن عباس کا یہ قول مذکور ہے کہ "اما الذی نہی عنہ النبی ﷺ فہو الطعام ان یباع حتی یقبض، قال ابن عباس - ولا أحسب کل شیء إلا مثلہ (مشکوٰۃ ۱/۲۴۷)۔

اور اس کے علاوہ مختلف محدثین نے اپنی اپنی تالیفات میں بہت سی دوسری احادیث نقل کی ہیں جن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض درست نہیں ہے۔

علامہ برہان الدین نے بھی ایک عبارت درج فرمائی ہے جس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض ناجائز ہے (ہدایہ مع الفتح ۶/۲۵۵، البحر الرائق ۶/۱۲۶)۔ چنانچہ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اشیاء جسے منتقل کرنا ممکن ہو قبضہ سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

ہدایہ کے مذکورہ بالا اقتباس سے جہاں یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ منقولہ اشیاء کی خرید و فروخت قبضہ سے قبل ناجائز ہے، وہیں یہ بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ غیر منقولہ اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے، جیسے زمین۔

حضرت امام محمد کی رائے اس کے متعلق بھی یہی ہے کہ قبضہ سے قبل اس کا فروخت کرنا جائز نہیں، ان کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں مطلقاً غیر مقبوضہ اشیاء کی بیع سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے تمام اشیاء غیر مقبوضہ کی بیع کو شامل ہوگی، خواہ وہ شی از قبیل منقولات ہو یا غیر منقولات، سب کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہوگی۔

لیکن حضرات شیخین کی رائے یہ ہے کہ حدیث تمام اشیاء کو عام نہیں ہے بلکہ صرف منقولہ اشیاء کا حکم حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، اور وہ اشیاء جو غیر منقولہ ہیں اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی، ان کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ حدیث مذکور معلل بعلت ہے یعنی شبہ "غرر" لہٰذا جہاں کہیں یہ علت ہوگی، بیع قبل القبض ناجائز اور جہاں علت معدوم

وہاں بیع قبل القبض جائز ہوگی (البحر الرائق ۱۱۹/۶) علامہ شامی نے بھی یہ تفصیل ذکر فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے جو فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

ہر وہ شئی جو قبل از وقت ہلاک ہو سکتی ہو اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی لیکن جو منقول ہو یا ہلاک ہو سکتی ہو اس کی بیع قبضہ سے قبل درست نہیں ہے عبارت اس طرح ہے

صح بیع عقار لا یخشی هلاکه قبل قبضه من بائعه لعدم الغرر لندرة هلاک العقار حتی لو کان علوا او علی شط نهر ونحوه کان کمنقول فلا یصح اتفاقا ککتابة واجارة وبیع منقول قبل قبضه (درمختار ۲۲۳/۴)۔

مذکورہ عبارت سے یہ بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ بیع قبل القبض کے جائز و ناجائز ہونے کا مدار منقول اور غیر منقول اشیاء ہونے پر نہیں ہے بلکہ بنیادی بات یہ ہے کہ ہر وہ مبیع جس پر مشتری ثانی یا ثالث کی ملکیت اور قبضہ متحقق ہونے سے قبل اس مبیع کا ہلاک ہونا نادر ہو، خواہ یہ ندرت کسی وجہ سے بھی ہو تو اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی، خواہ وہ منقول ہی کیوں نہ ہو، اور ہر وہ شئی جس پر مشتری ثانی کی ملکیت و قبضہ سے قبل ہلاک ہونا اکثر ہو تو اس کی بیع قبضہ سے قبل درست نہیں ہے۔

بیع قبل القبض باطل ہے یا فاسد:

وہ اشیاء کہ جن کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے تو اگر کہیں اس قسم کی بیع کا تحقق ہو تو اسے باطل کہا جائے گا، یا فاسد، یا مکروہ؟

فقہاء محققین نے بیع منہی عنہ کی تین قسمیں ذکر فرمائی ہیں۔ باطل، فاسد اور مکروہ۔

فاسد وہ بیع ہے جو اپنے اصل کے اعتبار سے صحیح اور وصف کے اعتبار سے غیر مشروع ہو۔ اور باطل وہ بیع ہے جو اصل و وصف دونوں اعتبار سے غیر مشروع ہو، اور مکروہ وہ بیع ہے جو اصل و وصف دونوں اعتبار سے مشروع ہو لیکن کسی شئی مجاور کی وجہ سے اس قسم کی بیع سے روک دیا ہو جیسے بیع بوقت اذان جمعہ کہ اس بیع کا اپنے اصل و وصف کے اعتبار سے مشروع ہے لیکن "سعی الی الجمعہ" جو واجب ہے اس کا چونکہ ترک لازم آتا ہے اس لئے اس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ اگر "سعی الی الجمعہ" کا ترک لازم نہ آوے اور بیع بھی ہو رہی ہو تو باتفاق فقہاء اس میں کوئی کراہت نہیں ہے جیسے بائع اور مشتری کسی کشتی میں سوار ہوکر جامع مسجد کی طرف جا رہے ہوں اور درمیان راہ بیع بھی ہو رہی ہو تو یہ جائز ہوگی (نور الانوار ۱۶۲)۔

بیع باطل اور فاسد میں فرق و امتیاز اس طرح آسان ہوگا کہ عوضین میں سے کوئی ایک یا دونوں موجودہ شریعت یا سابقہ شریعت میں مال نہ ہو تو بیع باطل ہوگی جیسے مردار و خون کی بیع، لیکن اگر عوضین میں سے کوئی ایک سابقہ شریعت میں مال تو تھا لیکن موجودہ شریعت میں مال نہیں ہے یا اسے کسی اور شئی کے ذریعہ فروخت کیا جا رہا ہے جو اصول سے ثابت نہیں ہے یا اثمان کی قسم سے نہ ہو تو ایسی بیع فاسد ہوگی، اور اگر اس کا تعلق ... یا اوقات کے ذریعہ

ترید اجارہ ہو تو یہ بیع باطل ہوگی (رد المحتار ۴/۱۳۸)۔

بیع باطل وفاسد کی حقیقت اور فرق واضح ہوجانے کے بعد یہ فیصلہ آسان ہوگیا، چنانچہ بیع قبل القبض میں عاقدین اہل ہوں، اور عوضین میں سے ہر ایک موجود وشریعت میں مال ہے تو ایسی بیع فاسد ہوگی، اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ اس کے خلاف ہو تو ایسی بیع باطل ہوگی، چنانچہ حنفیہ بزرگوں نے بھی اسی تفصیل کے مطابق بیع قبل القبض کو فاسد وباطل قرار دیا ہے، شرح عنایہ حاشیہ فتح القدیر میں عبارت اس طرح درج ہے:

"والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسداً قبل القبض (فتح القدیر ۶/۱۳۷) اور درمختار کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ بیع قبل القبض باطل ہے، عبارت اس طرح ہے: بخلاف بيعه قبله فإنه باطل مطلقاً" (درمختار ۴/۲۲۵)، اور الجوہرۃ النیرۃ کی عبارت سے بھی یہی سمجھ میں آرہا ہے، عبارت ملاحظہ ہو: لا يجوز بيعه قبل القبض لا من بائعه ولا من غيره فإن باعه فالبيع الثاني باطل والبيع الأول على حاله جائز (۱/۲۰۱)۔

مذکورہ دونوں عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بیع قبل القبض باطل ہے، لیکن اصل وہی ہے جو بحوالہ "فتح القدیر" اوپر ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ حدیث میں صحت بیع کی نفی کی گئی ہے وہ اگرچہ باطل اور فاسد دونوں قسم کو شامل ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ ایسی بیع فاسد ہے، باطل تو اس صورت میں ہوتی جب عوضین میں سے کوئی ایک مال ہی نہ ہوتا، اور یہاں مفروضہ مسئلہ میں عوضین میں سے ہر ایک مال کا ہونا فرض کیا گیا ہے، اور عاقدین اہلیت بھی رکھتے ہوں، صرف منع شبہ "غرر" کی وجہ سے کیا گیا ہے، اور حنفیہ نے جو باطل قرار دیا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ بیع فاسد ہوگی، باطل نہیں، اور علامہ شامی نے یہی حاکمہ بھی فرمایا ہے کہ باطل سے فاسد ہی مراد ہے باطل نہیں، عبارت اس طرح ہے: الواقع في المتن يحتملهما أي يحتمل البطلان والفساد والظاهر الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركني البيع وكثيرا ما يطلق على الفاسد (ردالمحتار ۴/۲۲۶)۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

قبضہ باعتبار لغت: از "ضرب يضرب" قبض قبضاً الشيء وعلى الشيء، کسی شی کو پکڑنا، قبضہ میں لینا اور سمیٹنا وغیرہ، اور اسلامی شریعت میں قبضہ کا حاصل یہ ہے، مالک اموال اپنی ملکیت سے اس طرح دست بردار ہوجائے اور علاحدہ ہوجائے کہ وہ شی کسی شی کے ساتھ نہ مشغول ہو اور نہ وہ شی مالک اول کے کسی چیز کے ساتھ متصل ہو اور غیر کا اس پر استیلاء ہوجائے، نیز مالک اول ان باتوں کو اپنی زبان سے ظاہر بھی کررہا ہو کہ میں نے مال تمہارے حوالہ کیا، جیسا کہ "درمختار" کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، عبارت اس طرح ہے: ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع وحائل وشرط في الأجناس شرطاً ثالثاً وهو أن يقول: خليت بينك وبين المبيع (درمختار ۴/۵۹۸)۔

علامہ ابن نجیم مصری نے قبضہ کی حقیقت جو ذکر فرمائی ہے اس کا بھی حاصل یہی ہے، ان کی ذکر کردہ عبارت

اس طرح ہے: وأما ما يصير به قابضا حقيقة ففي التجريد تسليم المبيع أن يخلي بينه وبين المبيع على وجه يتمكن من قبضه بغير حائل (بحرالرائق ۵/۳۰۸)۔

مذکورہ اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبضہ کی حقیقت متحقق ہونے کیلئے تین چیزوں کا وجود ضروری ہے، ایک یہ ہے کہ مالک مال غیر سے یوں کہے کہ میں نے مال تیرے حوالہ کیا، دوسری یہ کہ یہ قول اس غیر کی موجودگی میں اس طرح ہو کہ اس شخص کیلئے مال پر استیلاء کلی ممکن ہو اور کوئی چیز اس کے استیلاء سے مانع نہ ہو اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ اس طرح علاحدہ ہو کہ وہ شی نہ کسی حق کے ساتھ مشغول ہو اور نہ کسی شی کے ساتھ متصل ہو، اور شخص غیر یہ کہے کہ "میں نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا" یا اس کی طرف سے کوئی ایسا فعل ہونا ضروری ہے جس سے قبضہ پر دلالت ہوتی ہو۔

لہذا اگر بائع یہ نہ کہے کہ میں نے یہ مال تیرے حوالہ کیا، یا غیر کیلئے فی الحال اس مال پر کسی وجہ سے استیلاء ممکن نہ ہو، یا وہ مال کسی کے حق کے ساتھ مشغول ہو، یا کسی شی کے ساتھ متصل ہو تو ان تمام صورتوں میں قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، جیسا کہ "البحر الرائق" کی عبارت سے سمجھ میں آ رہا ہے، عبارت اس طرح شروع ہوئی ہے: إن دفعه ولم يقل خذه الخ (۵/۳۰۸)۔

قبضہ کی کوئی متعین صورت نہیں ہے:

شریعت کے اعتبار سے قبضہ کے تحقق کیلئے کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے کہ اس کے علاوہ صورت میں قبضہ کا تحقق ہی نہ ہو، بلکہ عرف وعادت کے لحاظ سے قبضہ کی جو شکل بھی معروف ومتعارف ہو اور متصور ہو سکتی ہو وہی شکل باعتبار شرع معتبر ہوگی، یہی وجہ ہے کہ بیع تعاطی کا رواج قائم ہے اور شریعت اس کو جائز قرار دیتی ہے، اگر باعتبار شرع قبضہ کی کوئی خاص شکل متعین ہوتی تو قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ اس طرح کی خرید وفروخت ناجائز ہوتی اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال خبیث ملک ہوتا، لیکن فقہ وفتاویٰ کی تمام کتابوں میں تقریباً اس کے جواز کا تذکرہ ملتا ہے، اور اسے خلاف قیاس بھی نہیں کہا گیا ہے (البحر الرائق ۵/۲۷۰)۔

نیز اسی وجہ سے کہ قبضہ کی کوئی شکل باعتبار شرع متعین نہیں بلکہ اسے عرف وعادت پر مبنی قرار دیا گیا ہے، مختلف اشیاء میں مختلف طرق سے قبضہ کا تحقق ہوتا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم نے "البحر الرائق" میں قدرے اس کی تفصیل ذکر فرمائی ہے، مثلاً وہ پھل جو درخت پر ہوتے ہوئے فروخت کئے گئے ہیں تو گرچہ یہ پھل بائع کے درخت کے ساتھ متصل ہے لیکن جب حوالہ کرنا اور مشتری کا دیکھنا پایا گیا تو قبضہ ہو جائے گا، اس کے برخلاف اگر کسی نے کوئی مکان فروخت کیا اور اس کا کچھ مال واسباب اس میں ہے اور اسی حال میں بائع نے مکان کا تالا مشتری کے حوالہ کر دیا تو یہاں قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، یا گندم، یا اور کوئی غلہ مشتری کے حوالہ اس طرح کیا کہ وہ بائع کی تھیلی میں ہے تو قبضہ کا تحقق نہ ہوگا (رد المحتار ۴/۵۸، وبحرالرائق ۵/۳۰۸-۳۰۹)۔

اور کسی جگہ قبضہ کا تحقق اس طرح ہوگا کہ مشتری کے حوالہ اس طرح ہوگا کہ مشتری مبیع کو اپنی جگہ، یا اپنے مکان کی طرف منتقل کرلے، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا، ابن عمرؓ کی روایت میں ہے: "فنهاهم رسول الله ﷺ

عن بيعه في مكانه حتى ينقلوه" تو اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبضہ کے تحقق کیلئے "نقل الشيء من مكان إلى مكان" کافی ہے، اور دوسری حدیث جو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، اس میں "حتى تقبض" کا لفظ ہے، جس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مطلقاً قبضہ ضروری ہے، چاہے جس صورت سے ہو اور چاہے "نقل الشيء من مكان الى مكان" کا وجود ہو یا نہ ہو (مشکوٰۃ شریف ار۲۴۷)۔

نیز شریعت نے بھی اس کو عرف و عادت ہی پر چھوڑ دیا ہے اس کی کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے، چنانچہ مسئلہ لکھا ہے کہ کسی شخص نے ایک زمین خریدی اور وہ زمین مشتری کی نگاہ سے اوجھل ہے پھر بھی قبضہ کا تحقق ہو جائے گا، اس کے برخلاف کسی نے کوئی مکان خریدا اور وہ مکان مشتری کی نگاہ سے دور ہے تو بیع صحیح ہوگی لیکن قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، علامہ ابن نجیم نے صراحت یہ مسئلہ لکھا ہے، البحر الرائق میں عبارت اس طرح ہے: "وفي جامع شمس الأئمة يصح القبض وإن كان العقار غائباً عنهما عند أبي حنيفة" اور دوسری جگہ عبارت اس طرح ہے: ولو باع داراً غائبة فقال سلمتها إليک فقال قبضتها لم يكن قبضاً الخ (البحر الرائق ۵/۳۰۶)۔

۳۔ منقول اور غیر منقول اشیاء کے قبضہ میں فرق ہے:

قبضہ کی حقیقت جو ابھی ذکر کی گئی اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ منقول اور غیر منقول اشیاء کے قبضہ میں قدرے اشتراک ہے، کیونکہ جہاں کہیں قبضہ کے تصور و تحقق کا ذکر ہے وہاں ایسی عبارت ملتی ہے: تسليم المبيع أن يخلي بينه وبين المبيع على وجه يتمكن من قبضه بغير حائل (البحر الرائق)۔

مذکورہ عبارت میں مبیع عام ہے، خواہ منقول ہو یا غیر منقول، البتہ حدیث میں جو عبارت ملتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ منقول اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں، اور اس کی غایت یہ ذکر کی گئی ہے کہ مشتری اس کو ایسی جگہ منتقل کرلے جہاں بائع کا کوئی تعلق نہ ہو، روایت اس طرح ہے: عن ابن عمرؓ قال: كانوا يتبايعون الطعام في أعلى السوق فيبيعونه في مكانه فنهاهم رسول الله ﷺ عن بيعه في مكانه حتى ينقلوه (مشکوٰۃ ار ۲۴۷)۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ منقول اشیاء میں قبضہ کا تحقق اس طرح ہوگا کہ مشتری مبیع کو محل خریداری سے اپنی جگہ اور اپنے مکان کی طرف منتقل کرلے، لیکن غیر منقول اشیاء میں یہ ممکن ہی نہیں ہے، اسی وجہ سے صاحب "بحر" نے یہ نقل کیا ہے کہ منقول اشیاء میں تحقق قبضہ کیلئے ضروری ہوگا کہ مشتری کی طرف سے مبیع کو منتقل کرپایا جائے، عبارت اس طرح ہے: "وفي المنقول بالنقل والنقل إلى مكان لا يختص بالبائع"۔

مزید وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تسلیم المبیع کی صحت کیلئے تین چیزوں کی ضرورت ہے، عبارت اس طرح ہے: "وفي الأجناس يعتبر في صحة التسليم ثلاثة معان، أن يقول: خليت بينک وبين المبيع، وأن يكون بحضرة المشتري على صفة يتأتى فيه الفعل من غير مانع، وأن يكون مفرزاً غير مشغول بحق (البحر الرائق ۵/۳۰۸-۳۰۹)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منقولات اور غیر منقول اشیاء میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے جو فرق ہے۔

۱۴۔ حدیث نہی معلول ہے:

خرید و فروخت کی صحت کیلئے جہاں اور بہت سی شرطیں ہیں وہیں ایک شرط یہ ہے کہ اس میں کسی طرح کا دھوکہ اور مشتری کے قبضہ میں آنے سے قبل ہلاکت مبیع کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ اگر اس طرح کا کسی قسم کا خطرہ پیدا ہو جائے تو خرید و فروخت ناجائز ہو جائے گی۔ چنانچہ علامہ ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خرید و فروخت میں دھوکہ بازی سے منع فرمایا ہے۔ الفاظ اس طرح ہیں۔ انہ ﷺ نہی عن بیع الغرر (فتح القدیر ج ۶ مطبوعہ دار ۲۴۷)۔

اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ ہر وہ بیع جس میں "غرر" کا امکان ہو وہ بیع ناجائز ہوگی، کیونکہ خرید و فروخت کے متعلق بطور رسم و رواج دھوکہ دہی نہیں بلکہ امکانی دھوکہ کا سد باب بھی مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں رائج بیعوں میں سے جس بیع کے اندر امکانی دھوکہ کا تصور ہوا اس سے منع کر دیا گیا اور دھوکہ بازی کرنے والے شخص کے بارے میں ارشاد فرمایا " من غش فلیس منا " اور " نہی رسول اللہ ﷺ عن المحاقلۃ والمزابنۃ والمخابرۃ والمعاومۃ " ان احادیث سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ دھوکہ کا امکان جس بیع میں ہوگا وہ بیع ناجائز ہوگی، اور جو شخص دھوکہ بازی کرے گا وہ امت کا فرد نہ ہوگا۔

اسی طرح بیع قبل القبض کے متعلق جو روایتیں مختلف سندوں اور متنوں کے ساتھ پائی جاتی ہیں ان کا مصرف یہی بتانا نہیں ہے کہ فروخت کی جانے والی شئی بائع کے قبضہ میں نہیں ہے، اور جہاں کہیں بھی بیع قبل القبض کا تصور ہو اسے ناجائز قرار دیا جائے، بلکہ بیع قبل القبض کی ممانعت اس جگہ ہوگی جہاں دھوکہ کا امکان ہوگا۔ گویا کہ وہ حدیث جس میں بیع قبل القبض سے نہی آئی ہے وہ مطلقاً نہیں بلکہ معلول ہے اور علت کے ساتھ دائر ہے اور یہی علت حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک "غرر" یعنی امکانی دھوکہ ہے۔ گویا بالفعل یا امکانی دھوکہ کا ہی سد باب کر دیا گیا۔

اور علت نہی "غرر" یعنی امکانی دھوکہ ہی ہے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ اس لئے کہ بعد استقراء و تتبع یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ معاملہ جہاں امکانی دھوکہ کا تصور ہوا تو اس سے ممانعت کر دی گئی اور جہاں کہیں جس معاملہ میں امکانی دھوکہ کا تصور نہیں ہوا اس معاملہ کو درست قرار دیا گیا، جیسے کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور مہر میں غلام مقرر کیا، تو عورت کیلئے اس پر قبضہ سے قبل ہی تصرف جائز ہے کہ وہ اس میں جس طرح کا تصرف کر سکے، چاہے اسے آزاد کرے، چاہے تو اسے بیچ دے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور بہت سی املاک ایسی ہیں کہ ان پر قبضہ سے قبل بھی تصرف جائز ہوتا ہے تو اسی وجہ سے کہ وہاں امکانی دھوکہ کا تصور نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم نے عبارت اس طرح ذکر فرمائی ہیں۔

"أراد بالمنقول المبيع المنقول، فجاز غيره كالمهر وبدل الخلع"۔

اور اس کے بعد ایک ضابطہ ذکر فرمایا کہ ہر وہ عوض جو کسی ایسے عقد کے ذریعہ ملکیت میں آیا ہو کہ عوض کے ہلاک ہونے کی وجہ سے عقد ہی ختم ہو جائے تو ایسے عوض میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہوگا، عبارت اس طرح ہے: "والأصل كما في الإيضاح أن كل عوض ملك بعقد ينفسخ بهلاكه قبل قبضه فالتصرف فيه غير جائز وما لا فجائز (البحر الرائق ۱۷۱/۶)۔

تو حاصل یہ نکلا کہ بیع قبل القبض کی نہی جس حدیث میں آئی ہے وہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ معلول بالعلت ہے اور اس کی علت "غرر انفساخ للمبیع" ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم نے عبارت اس طرح ذکر فرمائی ہے: "بخلاف المنقول والغرر المنهي غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملاً بدلائل الجواز" (البحر الرائق ۱۱۹/۶)۔

اور صاحب ہدایہ نے بھی بعینہ یہی عبارت ذکر فرمائی ہے (۵۸/۳) علامہ ابن ہمام صاحب "فتح القدیر" نے بیع قبل القبض سے متعلق نہی کیلئے بہت سی حدیثیں مختلف سندوں سے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ بیع قبل القبض کی ممانعت پر حدیث مطلقاً حجت ہے، جیسا کہ امام محمدؒ کا مسلک ہے، البتہ حضرات شیخین کے مذہب کے اعتبار سے دلیل تخصیص کی جستجو کی ضرورت محسوس کی گئی تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ وارد ہونے والی یہ نہی قطعہ اراضی کے علاوہ کیلئے ہے، تو انہوں نے صاحب ہدایہ کے قول کے متعلق فرمایا کہ وہی علت ہے جو صاحب ہدایہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ "قبضہ سے قبل مبیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں عقد اول کے فسخ ہو جانے کا خطرہ بیع قبل القبض کے ممانعت کی علت ہے" کیونکہ اگر عقد اول فسخ ہو جائے تو بائع ثانی غیر کی ملکیت کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کرنے والا ہو جائے گا جو جائز نہیں ہے، مختصر یہ کہ علامہ برہان صاحب ہدایہ، علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر، علامہ ابن نجیم مصری صاحب البحر الرائق اور علامہ شامی صاحب رد المحتار وغیرہ اکابر امت کی متفقہ رائے ہے کہ حدیث نہی معلول بالعلۃ ہے اور علت "غرر انفساخ العقد الأول على اعتبار هلاك المبيع" ہے (فتح القدیر ۱۳۶/۶)۔

۵۔ بیع قبل القبض عام ہے یا خاص:

بیع قبل القبض کے متعلق ائمہ کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حکم ممنوع تمام چیزوں کو عام ہے، یا یہ حکم کسی خاص چیز کے بارے میں ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ تمام اشیاء کو شامل ہے، کسی بھی شی کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، خواہ وہ از قبیل مطعومات ہو، یا ملبوسات اور خواہ وہ از قبیل منقولات ہو، یا غیر منقول اور تقریباً ائمہ احناف میں سے حضرت امام محمدؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم تمام اشیاء کو عام نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شی جو از قبیل مطعومات ہے، اس کو قبضہ سے قبل خرید و فروخت کرنا جائز نہیں، گویا ان کے نزدیک یہ حکم ممنوع اشیاء خوردنی کے ساتھ خاص ہے، اور جو اشیاء خوردنی نہیں ہے جو ملبوسات میں سے ہو، یا اور کوئی چیز اس کی خرید و فروخت قبضہ سے قبل جائز ہوگی۔

حضرات شیخین امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں قدرے تفصیل ہے، ان حضرات کی رائے یہ

ہے کہ یہ حکم ممنوع ان تمام اشیاء کو شامل ہوگا جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن ہو، اور ہر وہ شی جس کا محل منتقل ممکن نہیں وہ اس حکم ممنوع میں داخل نہیں، یعنی غیر منقول اشیاء کی خرید و فروخت قبضہ سے قبل بلا کراہت جائز ہوگی گویا حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ نے حدیث کے عموم پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حکم تمام اشیاء کو عام ہوگا، اور وہ حدیثیں جن میں خاص چیزوں کا ذکر ہے اس کو اس حدیث میں ضم کردیا جس میں عموم پر دلالت ہورہی ہے، اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہوگیا، کیونکہ جہاں کہیں دو حکم ایک طرح کے دو جگہ وارد ہوں اور ان میں سے ایک عموم پر دلالت کرتا ہو اور دوسرا خصوص پر تو دونوں حکموں میں تطبیق دینے کیلئے اسی طرح کیا جاتا ہے کہ خصوص پر دلالت کرنے والے حکم کو عموم پر دلالت کرنے والے حکم کے ساتھ ضم کردیتے ہیں، اور ایسا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی بہت ہوتا ہے جیسے فائتہ نمازوں کی قضا کے متعلق دو طرح کی روایت ملتی ہے، ایک روایت میں صرف اقامت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم ملتا ہے اور دوسری روایت میں اذان و اقامت دونوں کا تذکرہ ہے تو ائمہ احناف نے اذان و اقامت دونوں پر عمل فرمایا اور یہ کہا کہ وہ حدیث جس میں صرف اقامت کا تذکرہ ہے اسے اس حدیث کے ساتھ ضم کردیا جائے گا، جس میں اذان و اقامت دونوں کا تذکرہ ہے، اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہوجائے گا، اگرچہ امام شافعیؒ اس خاص مسئلہ میں اس مذکورہ رائے سے متفق نہیں ہیں۔

مالکیہ نے ان حدیثوں کو اصل قرار دیا ہے جن میں صرف غذائی اشیاء پر قبضہ سے فروخت کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے اور وہ حدیثیں جن میں غذائی اشیاء کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ حکم ممانعت مطلق ہے اس میں مختلف تاویلیں کی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ حدیثیں جن میں کسی چیز کا تذکرہ نہیں بلکہ حکم مطلق ہے اس سے مراد اشیاء خوردنی ہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان سب باتوں سے الگ ہو کر ائمہ احناف میں سے حضرات شیخینؒ نے غور و فکر کرنے سے یہ نتیجہ برآمد کیا کہ مسئلہ کی اصل روح اور شریعت کا مقصد و منشا کیا ہے اس پر نگاہ رکھی تو ان حضرات نے فرمایا کہ جہاں بیع اس طرح کی خرید و فروخت میں امکانی دھوکہ کا بھی تصور ہو وہ بیع قبل القبض نا جائز اور جہاں یہ تصور نہ ہو وہاں بیع قبل القبض کے جائز ہونے کا حکم دیا جائے گا گویا ان کے نزدیک امکانی دھوکہ کا سد باب مقصود ہے (حلال و حرام)۔

اختلاف ائمہ کی وجہ:

ائمہ کرام کے درمیان اختلاف اس لئے پیدا ہوگیا کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کی جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہیں، چنانچہ امام بخاریؒ نے ابن عمرؓ سے جو روایت نقل فرمائی ہیں وہ اس طرح ہے: "ان رسول اللہ ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه"، اور ابن حبان اور مسند احمد میں حکیم ابن حزام سے جو روایت منقول ہے وہ اس طرح ہے "قال قلت يا رسول الله انى رجل ابتاع هذه البيوع وابيعها فما يحل لى منها وما يحرم قال لا تبيعن شيئا حتى تقبضه" تو حضرات شوافع نے ابن حبان والی روایت کے عموم پر نگاہ ڈالی اور جملہ اشیاء، خواہ منقولہ ہو، یا غیر منقولہ سب کی بیع کی ممانعت کا حکم دیدیا، اور مالکیہ حضرات نے

شیخین کی روایت کو اصل قرار دیا اور منقولی چیزوں کی بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم دیا (فتح القدیر ۶/۱۳۶)۔

احناف کے نزدیک یہ بات پیش نظر رہی کہ مقصود یہی ہے "غرر" یعنی امکانی دھوکہ کا سد باب ہو، تو حکم دیا کہ جب تک کوئی شی قبضہ میں نہ آ جائے احتمال موجود ہے کہ شاید قبضہ ہی میں وہ شی نہ آ پائے، اس شکل میں وہ شخص اپنے بیع کو پورے کر پائے گا، منقول اشیاء میں اسی طرح کا احتمال اس وقت تک موجود ہے جب تک کہ وہ شی قبضہ میں نہ آ جائے، لیکن اشیاء غیر منقولہ میں اس طرح کا کوئی احتمال نہیں ہے کہ وہ شی قبضہ میں نہ آئے۔ یہ شکل یا ہلاک ہو جائے یا گم ہو جائے یا چرا لی جائے، اس لئے صرف منقول اشیاء ہی کے فروخت کرنے کیلئے اس قبضہ کو ضروری قرار دیا، اور اس کے علاوہ اشیاء کیلئے یہ حکم نہیں ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی جگہ قطعہ اراضی میں اس طرح کا احتمال موجود ہو تو اس قطعہ اراضی کی بیع بھی قبضہ سے قبل ناجائز ہوگی، چنانچہ صاحب "فتح القدیر" نے بحوالہ "محبوبی" یہ جزئیہ نقل کیا، عبارت اس طرح ہے: قال بعض المشائخ إن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحراً أو يغلب عليه الرمال، فأما في موضع لا يؤمن عليه ذلك فلا يجوز كما في المنقول ذكره المحبوبي (فتح القدیر ۶/۱۳۸)۔

اور اس بات کی دلیل کہ بیع قبل القبض سے متعلق وارد ہونے والی نہی میں بنیادی چیز یہ ہے کہ امکانی دھوکہ کا سد باب ہو جائے یہ ہے کہ جہاں کہیں کسی عقد میں مبیع کے ضیاع کے باوجود عقد اول کے فسخ ہونے اور امکانی دھوکہ کا تصور نہیں، وہاں منقول اور غیر منقول تمام اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے، مثلاً مہر میں قبضہ سے قبل تصرف کرنا اور اس کی بیع کرنا بالیقین جائز ہے، اسی طرح مہر کے اندر مستحق کی ہونے والی شی پر قبضہ کرنے سے قبل ہر طرح کا تصرف کرنا جائز ہے، علامہ ابن نجیم نے اس طرح عبارت ذکر فرمائی ہے: "وأراد بالمنقول بالمبيع المنقول فجاز بيع غيره كالمهر وبدل الخلع الخ (البحر الرائق ۶/۱۱۷)۔ اور علامہ ابن ہمام نے بھی اسی قسم کی بات لکھی ہے، اگرچہ یک سوال کے بعد ہے، جس کی عبارت یوں ہے: انه خص منها أشياء منها جواز التصرف في الثمن قبل قبضه وكذا المهر يجوز له بيعه الخ (فتح القدیر ۶/۱۳۸)، اور علامہ شامی نے یہ ضابطہ ذکر فرمایا ہے، عبارت اس طرح ہے: "والأصل أن كل عوض ملك بعقد ينفسخ بهلاكه قبل قبضه فالتصرف فيه غير جائز وما لا فجائز عيني" (ردالمحتار ۴/۲۲۵)۔

اسی طرح ہر وہ تصرفات جو عقد اول کے فسخ ہو جانے کے باوجود نافذ ہوتے ہیں وہ قبضہ سے قبل منقول اشیاء کے اندر بھی جائز ہوں گے، جیسے خریدے ہوئے غلام کو قبضہ سے قبل آزاد کر دینا وغیرہ۔

اس لئے یقین کے ساتھ یہ کہا جائے گا کہ حدیث نبی جو وارد ہے اس کے ظاہری الفاظ مقصود نہیں اور نہ اس کا عموم، بلکہ یہ کہنا ہے کہ اصل مقصد یا ہے تو اصل مقصد یہ ہے کہ خریدار کو کسی طرح کا کوئی دھوکہ نہ ہونا چاہئے، لہذا کہیں دھوکہ کا امکان ہو اس جگہ بیع کو منع کرو اور جہاں دھوکہ کا امکان نہ ہو اس جگہ اس سے منع نہ کیا جائے، کسی طرح بیع کی

مذکورہ بالا صورت مسئلہ کو دیکھنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ حدیث میں بیان ہونے والی نہی کے صراحۃً خلاف ہے، نیز بظاہر یہ شرط صحت بیع کے بھی خلاف ہے، کیونکہ فقہائے کرام نے بیع کی شرط یہ بتائی ہے کہ وہ منقولی چیز کو فروخت کیا جارہا ہے ضروری ہے کہ وہ بائع کے قبضہ میں ہو اور یہاں اس کے قبضہ میں نہیں ہے۔

مگر بایں ہمہ میری سمجھ میں آرہا ہے کہ اس صورت بیع کو جائز قرار دیا جائے جس کی چند وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۱) فقہائے احناف نے بیع قبل القبض کی نہی کو اس کے ظاہر پر نہیں رکھا ہے، بلکہ فرمایا کہ اس قسم کی حدیث معلول ہے چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری نے "البحر الرائق" میں، علامہ ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں، مولانا جلال الدین خوارزمی نے "کفایہ" میں اور علامہ برہان الدین مرغینانی نے "ہدایہ" میں اور ان کے علاوہ دیگر فقہائے کرام نے متعدد مقامات پر لکھا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے اور اس کی علت مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے بیع اول کے ختم ہو جانے کا "غرر" ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مبیع کا بائع ثانی کی ملکیت میں آنے کا کوئی طریقہ یقینی نہ ہو، لیکن اگر کسی طرح بائع ثانی کی ملکیت میں آنے کا یقین ہو جائے تو بیع ثانی درست ہوگی، ورنہ بیع ثانی صحیح نہ ہوگی۔

دوسری بیع کے صحیح ہونے کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں ان میں سے ایک شکل یہ ہے کہ خریدار اول اس بیع کو اپنی جگہ سے اٹھا کر اپنی طرف منتقل کرلے جیسا کہ حدیث میں ہے "نهى ان تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار الى رحالهم" دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری اول کا اس پر تخلیہ ہو جائے جیسا کہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ "لاتبيعن شيئا حتى تقبضه" اسی طرح ایک صورت یہ ہے کہ جو مال خرید ہوا ہو اس طرح ہو کہ اس کو خریدار اچھی طرح دیکھ لے اور اس کی طرف اشارہ ہو، یعنی ہوا اور بائع نے قبضہ کی اجازت دیدی ہو، تو اس صورت میں بھی وہ مال مشتری اول کی ملکیت میں آجائے گا۔ اسی طرح ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک پرندہ اس حال میں خریدا کہ وہ ایک مکان میں بند تھا اور بائع نے اس پر تخلیہ کی اجازت دیدی تو وہ پرندہ مشتری کے مکان کھولنے سے پہلے ہی نہ اڑ جائے وہ پرندہ مشتری کی ملک میں شمار ہوگا۔ "البحر الرائق" میں اسی طرح مذکور ہے۔ "ولو اشترى طيرا في بيت والباب مغلق فامر البائع بالقبض فلم يقبض حتى هبت الريح ففتحت الباب فطار لا يصح التسليم وان فتحه فطار صح تسليم (ج۶ ص۲۰۹)۔

تو اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایجنٹ کارخانہ سے مال خرید لے اور خریدار نمبر (۲) کو بل یا بلٹی کے ذریعہ وہ مال دلوا دے، تو میری سمجھ میں یہ آرہا ہے کہ اس صورت میں بھی خریدار نمبر (۱) کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، کیونکہ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں متعدد جزئیات سے یہ مسئلہ ملتا ہے کہ ایک شخص نے گندم خریدا اور بائع نے اس مکان کی چابی مشتری کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ وہ گندم میں نے آپ کے حوالے کیا تو بیع کا یہ عمل بھی مشتری کے قبضہ ملکیت کیلئے کافی ہے، عبارت اس طرح ہے "لو اشترى حنطة في بيت ودفع البائع

المفتاح إليه وقال: خليت بينك وبينها فهو قبض" میری سمجھ میں یہ آرہا ہے کہ یہاں کی ہی صورت مذکورہ بالا شکل یعنی فیکٹری سے مال خرید کرنے کی شکل میں ہوتی ہے کہ بائع اول مال کو مال بردار گاڑی پر لادنے کے بعد اپنے ذمہ سے بری ہوجاتا ہے، اور صراحۃً یا عرفاً بائع اول مشتری اول سے یہ کہتا ہے کہ مال بردار گاڑی پر لادا ہوا مال آپ کا ہے اور آپ ہی اس کے ذمہ دار و مالک ہیں ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا اقرب شکل گندم کی مذکورہ بالا صورت پر قیاس کرتے ہوئے اس خاص صورت میں بائع ثانی کے اس طرح ثابت شدہ قبضہ کو تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی مانع نہ ہونا چاہئے۔

اور اس طرح جب بائع ثانی کا قبضہ فیکٹری سے لئے مال پر ثابت ہوگیا تو یہ خاص صورت بیع قبل القبض کی صورت نہ رہی بلکہ بیع بعد القبض کی صورت ہوگئی جو باتفاق فقہاء کرام جائز ہے۔

(۲) دوسرے اس وجہ سے کہ تحقق قبضہ کیلئے شریعت نے کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے کہ اس خاص طریقہ سے قبضہ ہو تو قبضہ شرعی کا تحقق ہوگا ورنہ قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، بلکہ قبضہ کا تحقق عرف پر مبنی ہے، عرف میں جو قبضہ کی شکل ہو سکتی ہے وہ سب صورتوں میں قبضہ شرعی شمار کیا جائے گا، جیسا کہ مالکیہ کی رائے "الموسوعۃ الفقہیہ" میں نقل کی گئی ہے، عبارت اس طرح ہے "إن كان منقولا من عروض وأنعام فقبضه بالعرف الجاري بين الناس" تو کیا مضائقہ ہے کہ خریدے ہوئے سامان کو مال بردار گاڑی پر سوار کروادینا ہی باعتبار عرف کے قبضہ شمار کیا جائے، اور عرف کے اثبات کیلئے یہ کافی ہے کہ اس طرح کا قبضہ اگر کلی نہ ہو تو کم از کم اکثری اور کثیر الاستعمال ہی ہو، تو میری سمجھ میں یہ آرہا ہے کہ اس طرح کا معاملہ گرچہ کلی اور عمومی ہونے کی حیثیت حاصل نہ کر سکا ہو لیکن بین الاقوامی تجارت میں ایسا ضرور ہوتا ہے اور بہت ہوتا ہے، کیونکہ ایس ٹی ڈی طریقہ فون نے اس پھیلی ہوئی دنیا کو سمیٹ کر یکجا کردیا ہے اور موجودہ دور میں کارخانہ وغیرہ سے مال کی خریداری اکثر و بیشتر اسی طرح ہورہی ہے کہ ٹیلیفون سے خرید و فروخت ہوگی اور قیمت کی ادائیگی ڈرافٹ کے ذریعہ اور مبیع کو وصولی مال بردار گاڑی کے ذریعہ ہورہی ہے، اسی طرح یہ خریدار نمبر (۱) یہ چاہتا ہے کہ مال یہاں آکر رک نہ جائے اسلئے یہ کسی دوسرے شخص سے بات چیت کرتا ہے کہ میرا فلاں قسم کا مال ٹرک وغیرہ سے آرہا ہے اور پھر مال کی پوری تفصیل بیان کرکے دوسرے شخص کی خواہش جب معلوم ہوجاتی ہے تو اسی کے ہاتھ یہ خریدار نمبر (۱) مال فروخت کردیتا ہے، پھر مال کو خریدار نمبر (۱) اپنے یہاں منگوانے کے بجائے فوراً کارخانہ دار سے بات چیت کرتا ہے کہ وہ مال جو میں نے آپ سے خریدا ہے وہ فلاں جگہ بھجوادیں، چنانچہ وہ مال خریدار نمبر (۲) کے پاس وقت موعود پر پہونچ جاتا ہے۔

اور اس زمانہ میں اس طرح کا معاملہ اکثر و بیشتر ہو رہا ہے اور جماعت تجار کے عرف میں اس قسم کی تجارت نے اپنا ایک مقام بنالیا ہے، نفوس تجار اس سے مانوس اور طبائع سلیمہ کے نزدیک مقبول ہوگیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے معاملہ نے عرف و عادت کا مقام حاصل کرلیا ہے، لہذا صورت مذکورہ میں گرچہ مشتری اول کا حسا قبضہ نہ ہوا لیکن عرفاً اس کا قبضہ ہوگیا، اور جب عرفاً مشتری اول کا قبضہ ثابت ہوگیا تو یہ خاص صورت بیع قبل القبض کی فہرست

بیع قبل القبض کی ممانعت میں روح شریعت امکانی دھوکہ کا سد باب ہے، لہٰذا جہاں کہیں امکانی دھوکہ ہو بیع قبل القبض نا جائز، اور جہاں امکانی دھوکہ نہیں وہاں بیع جائز ہوگی۔

تو عرض یہ ہے کہ صورت مسئول میں اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ امکانی دھوکہ کا تصور نہیں ہوتا بلکہ معاملات ٹھیک اور صحیح طریقے سے وعدہ کے مطابق جانے وعدہ پر پہونچ کر، یا مزید وعدہ پورا ہو گیا کر ہو رہے ہیں، ساتھ ہی اس قسم کے معاملات میں دھوکہ بازی نادر اور سہولتیں زیادہ حاصل ہو رہی ہیں، جس کی وجہ سے اس قسم کے معاملہ بیع نے مقبول عام ہونے کا درجہ حاصل کر لیا ہے، اس لئے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے معاملات جائز ہوں گے۔

۷۔ ''تجارت بذریعہ شپنگ'' اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی مال کسی فیکٹری سے خرید اور بائع نے مشتری کے حکم کے مطابق مال کو بذریعہ جہاز مشتری کے پاس بھیجنے کا اہتمام کیا، ساتھ ہی بائع نے یہ طے کیا کہ مال کو جہاز پر سوار کرا دینے کے بعد میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں، اگر یہ مال ہلاک ہو جائے تو آپ جانیں، ہم پر اس کا کوئی ضمان نہ ہوگا، اور مشتری نے اسے تسلیم کر لیا، پھر اس مشتری نے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا جب کہ مال درمیان سفر ہے، اور یہ طے کیا کہ مال یہاں پہونچنے کے بعد یا راہ ہی سے مشتری ثانی کے یہاں بھجوا دیتا ہے، اور اس نے بھی یہی طے کیا کہ جب بات طے ہوگئی اور مال آپ کے یہاں جانے کی حالت میں ہو گیا تو اب میں اس کی جملہ ذمہ داریوں سے بری ہوں۔

مذکورہ صورت مسئلہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

مال کو جہاز وغیرہ پر سوار کرنے کے بعد اپنی ذمہ داری سے بری ہونا طے کرتا ہے، مال جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے ہی مشتری کی ذمہ داری میں آ جاتا ہے، پھر وہ مشتری مال کو دیکھے بغیر کسی تیسرے شخص کے معرفت فروخت کر دیتا ہے، وہاں حالیکہ وہ مال درمیان سفر ہے، اور صاحب مال یہ طے کرتا ہے کہ مال دوران سفر ہونے کے باوجود آپ کا ہو گیا اور میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں، اگر کسی طرح کا نقصان ہوا تو وہ آپ کا ہوگا میں اس کا ضامن نہیں ہوں۔

پہلی بات یہ کہ بیع جائز ہے اس لئے کہ کسی مال کو خریدنے کیلئے دیکھنا ضروری نہیں اور بغیر دیکھے ہوئے مال کو فروخت کرنے کیلئے بھی دیکھنا ضروری نہیں، ''فتاویٰ ہندیہ'' میں عبارت اس طرح: ''شراء ما لم یرہ جائز'' اور دوسری عبارت اس طرح ہے: ''ولو باع شیئا لم یرہ بان ورث شیئا لم یرہ حتی باعہ جاز البیع (ہندیہ ۵۷/۳۔ ۵۸)۔

وہ جہاز یا مال بردار گاڑی مشتری اول کا ذاتی ہے، یا اس نے اجارہ پر لے کر مال لانے کیلئے بھیجا ہے، یا مشتری نے بائع کو حکم دیا کہ اجرت پر کسی گاڑی کو لے کر مال بھیج دیں اور بائع مال اس طرح کی گاڑی پر لاد دیتا ہے، تو ان تمام صورتوں میں مشتری اول کا قبضہ ہو جائے گا اور جب مال مشتری اول کے قبضہ میں آ گیا تو اس کیلئے اس میں ہر طرح کا تصرف کرنا بھی جائز ہو جائے گا، لہٰذا وہ مشتری اول اس کو فروخت کرنے کا بھی مستحق ہوگا۔

یہاں یہ شبہ نہ ہوگا کہ مشتری نے ایسی شئی سے نفع اٹھایا ہے جو اس کے ضمان میں نہیں آتا ہے، کیونکہ معاملہ

ہی اس طرح طے ہوا تھا کہ مال کے آپ خود ضامن ہوں گے، گویا یہ مال مشتری اول کی ضمانت میں بھی آچکا ہے، اس طرح "ربح مالم یضمن" کی بھی صورت نہ ہوئی۔

اول کی دو صورتوں میں جبکہ مال بردار گاڑی مشتری کی ہے، یا اس نے کرایہ پر لے کر بھیجا ہے، مشتری کا قبضہ تو ہو ہی جائے گا تیسری صورت میں جبکہ بائع اول نے خود بھیجنے کا اہتمام کیا ہے اس صورت میں بھی مشتری اول کا قبضہ ہو جائے گا، کیونکہ اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ تصور کیا جاتا ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں یہ جزئیہ لکھا ہے، کہ اگر کسی نے کوئی مال خریدا اور بائع کو یہ حکم دیا کہ مال کرایہ پر گاڑی لے کر ہمارے یہاں بھیج دیں تو یہ قبضہ مشتری کا ہوگا، اور ہلاک ہونے کی صورت میں بائع اس کا ضامن نہیں ہوگا، عبارت اس طرح ہے، الا أن یقول استأجر علی من یحمله فقبض الأجیر یکون قبض المشتری إن صدقه (ہندیہ ۳/۱۹)۔

ہاں اگر مشتری نے مطلقاً بھیجوانے کو کہا اور اجیر کا کوئی تذکرہ نہ کیا تو اس صورت میں اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ نہ ہوگا (ہندیہ ۳/۹۱) لہذا وہ صورت کہ جس میں اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ تصور کیا جاتا ہے، اگر مشتری اول کسی دوسرے شخص کے معرفت فروخت کر دیتا ہے تو گرچہ یہ مال دوران سفر ہے بیع جائز ہوگی، اسلئے یہ شئی مشتری اول کے قبضہ میں آگئی ہے جو اس جگہ ضروری تھا، البتہ اس نے نہ دیکھا تو اس سے کوئی فرق پیدا نہ ہوگا، کیونکہ بے دیکھی ہوئی شئی فروخت کرنا جائز ہے (ہندیہ ۳/۵۸)۔

لیکن وہ صورت کہ جس میں وہ شئی مشتری اول کے قبضہ میں نہ آئی ہے تو اس کا بیچنا درست نہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مفتی عبد الرحیم قاسمی، بھوپال

۱۔ شرح میں قبل القبض بیع فاسد ہے۔ یحتمل البطلان والفساد والظاهر الثانی لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركنی البیع (شامی ۴/۱۶۳)۔

۲۔ شریعت نے قبضہ کی حقیقت کو کسی خاص کیفیت کے ساتھ متعین نہیں کیا ہے، بائع کی جانب سے سپردگی تسلیم اور تخلیہ اور مشتری کا تسلط واستیلاء، قدرت وغلبہ جس طرح بھی ہو فقہاء نے اپنے اپنے زمانہ کے عرف وعادت کے مطابق اس کی مختلف صورتوں پر قبضہ کے احکام مرتب کئے ہیں، دار مبیعہ کے تالے کی چابی سپرد کرنے کو گھر کی سپردگی کے مترادف قرار دیا ہے "دفع المفتاح فی بیع الدار تسلیم إذا تهیأ له بلا كلفة" تخلیہ کو بھی بعض شرائط کے ساتھ قبضہ کے قائم مقام مانا ہے: البائع إذا خلی بین المبیع و بین المشتری بحیث یتمكن المشتری من قبضه یصیر المشتری قابضا للمبیع حتی لو هلک قبل أن یقبضه حقیقة یهلک علیه (خانیة علی هامش الهندیة ۲/۲۵۶)۔

۳۔ منقولات میں ظاہری تسلط کی زیادہ اہمیت ہے فقہاء نے مکیلات میں کیل کو، موزونات میں وزن کو، معدودات میں عدد کو، قبضہ کا تتمہ بتایا ہے، نیز عقد کے وقت مرعی میں موجود جانور کی تعیین پر قبضہ کا حکم لگا کر اس میں توسع ظاہر فرمایا ہے۔ والصحیح أن البقرة إن كانت بقربهما بحیث یتمكن المشتری من قبضها لو أراد فهو قابض لها (فتاوی ہندیہ ۳/۱۸)۔

۴۔ عقار پر ظاہری قبضہ سے پہلے مشتری کے بیع اور ہبہ جیسے تصرفات کو صحیح قرار دینے اور اس کی طرف سے موہوب لہ، یا مشتری ثانی کے قبضے کو کافی سمجھے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء غیر منقولہ میں حکمی قبضہ پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ صح بیع عقار، إلی قوله "لحصول القبض بقبض الموهوب له" (شامی ۴/۱۶۲)۔

عقار عاقدین کی نظروں سے غائب اور دور ہونے کے باوجود تخلیہ اور اس تک پہنچنے کے لئے مناسب وقت گذر جانے کو بھی قبضہ تصور کیا گیا ہے۔ أنه بالتخلیة یصح القبض وإن كان العقار بعیدا غائبا عنهما عند أبی حنیفة خلافا لهما... إلی قوله "أنه متی مضی مدة یتمكن من الذهاب إلیها والدخول فیها كان قابضا" (رد المحتار ۴/۴۳)۔

اگرچہ یہ ظاہر الروایہ نہیں لیکن مذکورہ عبارت سے کم از کم یہ تو واضح ہوتا ہے کہ اشیاء منقولہ کے مقابلہ میں عقار پر قبضہ کی نوعیت میں وسعت اختیار کی گئی ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے نہی کی احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور معقود علیہ ضائع ہو کر عقد فسخ ہوجانے کا غرر علت ہے۔ والغرر المنهی عنه غرر انفساخ العقد والحدیث معلول به عملا بدلائل

كان أو غيره ولم يسلمه ثم باعه وقع البيع باطلاً (۲/۲۳۳)۔

احناف نے اسے بیع فاسد میں سے شمار کیا ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

فقہائے احناف کے نزدیک قبضہ کا مفہوم وسیع ہے۔ عند الاحناف قبضہ کا حاصل صرف تخلیہ ہے، اور تخلیہ کا حاصل ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان باعتبار حقیقت یا باعتبار عرف وعادت کے ایسا کوئی مانع اور حائل نہ ہو جو عرفی قبضہ اور تصرف کرنے سے مانع ہو بلکہ مبیع اس حال میں ہو کہ مشتری اگر اس میں تصرف کرنا چاہے تو آزادی کے ساتھ تصرف کر سکے گو مبیع ابھی بائع کے پاس موجود ہو۔

وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً (بدائع ۵/۲۴۴)۔

دوسری جگہ ہے: لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً حقيقة (بدائع ۵/۱۴۸)۔

ولهذا كانت التخلية تسليماً وقبضاً فيما لا مثل له (بدائع ۵/۲۴۴)۔

ایک شی کے بائع کے پاس ہونے کے باوجود مشتری کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے جبکہ معاملہ ہو چکا ہو۔ بدائع میں ایک مسئلہ ہے: ولو اشترى من إنسان كرّاً بعينه و دفع غرائره وأمره بأن يوكل فيها ففعل فصار قابضاً سواء كان المشتري حاضراً أو غائباً لأن المعقود عليه معين وقد ملكه المشتري بنفس العقد فصح أمر المشتري لأنه يتناول عيناً هو ملكه فصح أمره وصار البائع وكيلاً له وصارت يده يد المشتري وكذلك الطحن إذا طحنه البائع بأمر المشتري صار قابضاً (بدائع ۵/۲۴۷)۔

بحر الرائق میں ہے: وذكر في الذخيرة إذا اشترى ما هو أمانة في يده من وديعة أو عارية فإنه لا يكون قابضاً إلا إذا ذهب المودع أو المستعير إلى العين وانتهى إلى مكان يتمكن من قبضها فيصير الآن قابضاً بالتخلية۔

(البحر الرائق ۶/۱۸۷، رد المحتار ۴/۱۴۲)۔

شوافع کے یہاں قبضہ کی تفسیر مبیع کو منتقل کر کے اپنے مقام تک لے جانے کی ہے۔

وقال الشافعیؒ القبض في الدار والعقار والشجر بالتخلية وأما في الدراهم والدنانير فبالبراجم وفي الثياب بالنقل (بدائع ۵/۱۴۸)۔

مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں: قال الموفق في "المغني" وقبض كل شيء بحسبه فإن كان مكيلاً أو موزوناً فقبضه بكيله ووزنه وبهذا قال الشافعيؒ وقال أبو حنيفة التخلية في ذلك قبض وقد

روى أبو الخطاب عن أحمد رواية أخرى إن القبض في كل شيء بالتخلية مع التمييز لأنه خلى بينه وبين المبيع من غير حائل فكان قبضاً له (اعلاء ۱۴/ ۱۵۳)۔

۳۔ منقول اور غیر منقول اشیاء میں فرق:

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں، البتہ غیر منقول اشیاء کی بیع جائز ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک دونوں کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے۔ شیخین کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جائداد وغیرہ میں ہلاکت شاذ و نادر ہوتی ہے، اس کے برخلاف منقول اشیاء میں ہلاکت کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔

ہدایہ میں ہے: ولا غرر فيه لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر منقول اشیاء میں قبل القبض جواز کی علت ہلاکت کے خطرہ کا کم ہونا اور عقد کو فسخ کرنے والے غرر کا نہ ہونا ہے۔

ماقبل میں قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے واضح کیا گیا کہ عند الاحناف قبضہ کی تعریف میں بہت وسعت ہے، لہٰذا بظاہر دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ منقول اشیاء کے قبضہ میں ہلاکت کا خطرہ اور فسخ کی شکل کا امکان ہے، لہٰذا انہیں اس پہلو کا لحاظ کرتے ہوئے قبضہ کی تعیین کی جائے گی جبکہ غیر منقول اشیاء میں وسعت کا پہلو زیادہ ہوگا۔ ان اسباب مذکورہ کے نہ ہونے کی وجہ سے علامہ ابن ہمامؒ غیر منقول اشیاء کو بھی منقول کی طرح (ہلاکت کے خطرہ کی شکل میں) قبل القبض فروخت کرنے سے منع فرمایا۔ وهذا لأنه لا يتصور هلاكه إلا إذا صار بحرا ونحوه حتى قال بعض المشائخ إن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحراً أو يغلب عليه الرمال فأما في موضع لا يؤمن عليه ذلك فلا يجوز كما في المنقول ذكره المحبوبي وفي الاختيار حتى لو كان على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض۔

لہٰذا منقول اور غیر منقول اشیاء میں نوع اور کیفیات کے بدلنے سے حکم میں تبدیلی آسکتی ہے اگرچہ عام حالات میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

۴۔ احادیث کا معلول بالعلۃ ہونا:

صاحب ہدایہ نے بیع العقار میں شیخین کے دلائل ذکر کرتے ہوئے امام محمدؒ کے جواب میں فرمایا کہ حدیث معلول بالعلۃ ہے۔ والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز۔

علامہ ابن ہمامؒ نے اگلی علت میں فرمایا (معلول به) أي بغرر الانفساخ والدليل عليه أن التصرف الذي لا يمتنع بالغرر نافذ في المبيع قبل القبض وهو العتق والتزوج عليه (فتح القدیر ۶/ ۵۱۲)۔

صاحب عنایہ نے وضاحت کے ساتھ علت (غرر) کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب زمین

احتمال کو دور کرنے والا لفظ ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا: **بعتک ما لم تره فبطل احتمال رؤيته بواسطة الوكيل وقبضه بقبضه** ۔ حضرت عثمانؓ کی روایت امام نووی شرح مہذب میں مسلم شریف کے حوالے سے نقل کر کے اس میں ایک راوی کے مجہول اور مختلف الاحتجاج ہونے کو ذکر کیا ہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب اسکے جواب میں فرماتے ہیں: **قلت و مسلم لا يروى عن مجهول ولا لمجهول فالحديث حسن حجة** (اعلاء ۱۴/۲۲۹)۔

اسی طرح کی روایت ابوداؤد میں بھی حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، جس میں **نهى عن بيع مالم يقبض** کے الفاظ ہیں...... (نصب الرایہ ۴/۳۲۱) شوافع کی مستدل روایت حدیث حکیم بن حزام پر محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن ابن ہمام نے رجال پر گفتگو کرتے ہوئے حدیث بالا کو حجت قرار دیا ہے، **والحق أن الحديث حجة والذى قبله كذلك**۔

پھر اس کی تخصیص کی دلیل کو ذکر کیا ہے، **والحاجة بعد ذلك إلى دليل التخصيص بغير العقار لأبي حنيفة بذكر هناك والأحاديث كثيرة في هذا المعنى** (فتح القدیر ۶/۵۱۴)۔

۶۔ قبضہ ضمان:

فقہائے کرام نے قبضہ کی جو تشریح کی ہے اور اس سلسلہ میں بہت سے جزئیات ذکر فرمائے ہیں ان سے بخوبی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ حسی کا ہونا ضروری نہیں ہے (شامی ۴/۴۷-۴۸)۔

قبضہ کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فقہاء کرام نے اسکی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ قبضہ امانت ۲۔ قبضہ ضمان۔

پھر قبضہ ضمان کی دو قسمیں ہیں: ضمان بنفسہ، ضمان بغیرہ۔ اور ہر ایک کا حکم بھی جداگانہ ہے۔

(۱) مشتری کو اگر مبیع پر پہلے سے قبضہ حاصل ہے اور وہ قبضہ ضمان بنفسہ کا ہے، مثلاً غاصب کا قبضہ شئی مغصوب پر۔ اس کا حکم یہ ہے کہ مبیع موجود ہو یا نہیں بہرحال سابق قبضہ جدید قبضہ کے لئے کافی ہوگا، تجدید قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی، کیونکہ غاصب کا قبضہ ضمان بنفسہ ہے، اور مغصوب شئی بہرصورت مضمون بنفسہ ہے۔

(۲) اگر مبیع پر مشتری کا قبضہ ضمان بغیرہ کا ہے، مثلاً شئی مرہون پر راہن کا قبضہ تو رہن امانت ہوتا ہے، البتہ مضمون بالغیر (قرض کی وجہ سے) ہوتا ہے گویا یہ مضمون بنفسہ نہیں بلکہ بالغیر ہے۔ اسکا حکم یہ ہے کہ اگر شئی مرہون موجود ہو تب تو یہ قبضہ جدید قبضہ کی طرف سے کافی ہوگا ورنہ نہیں۔

(۳) اگر مبیع پر مشتری کا قبضہ قبضہ امانت ہو مثلاً عاریت، ودیعت، وکالت، اجارہ کا قبضہ، کہ یہ سارے قبضے قبضہ امانت کہلاتے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ یہ امانت والے قبضے ضمان والے قبضے (بیع کے لئے) کافی نہ ہوں گے، بلکہ تجدید قبضہ شرط ہے (بدائع الصنائع ۵/۲۴۸، شامی ۴/۴۷-۴۸)۔

ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اگر بائع نے حسی قبضہ نہ کیا ہو لیکن ضامن ہو گیا تو اسکو قبضہ ضمان کے

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مئو

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض ناجائز ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: عن حکیم بن حزام قال نهانی رسول الله ﷺ أن أبیع ما لیس عندی، رواه الترمذی، وفی روایة له ولأبی داؤد و النسائی قال: قلت: یا رسول الله یأتینی الرجل فیرید منی البیع و لیس عندی فأبتاع له من السوق، قال: لا تبع ما لیس عندک (مشکوۃ مع المرقاۃ ۳/۳۲۳)۔

مطلب یہ ہے کہ جو چیز خرید و فروخت کے وقت اپنی ملکیت میں نہ ہو اور قبضہ میں نہ ہو اس کا بیچنا جائز نہیں، اب اس کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ وہ چیز نہ تو اپنی ملکیت میں ہو اور نہ تو قبضہ میں ہو، اس صورت میں اس کی بیع صحیح ہی نہ ہوگی بلکہ باطل ہوگی، دوم یہ کہ وہ اپنی ملکیت میں نہیں ہے، ایک دوسرا شخص اس کا مالک ہے، لیکن ہے وہ اپنے ہی پاس، اس صورت میں بھی مالک کی اجازت کے بغیر اس کی بیع درست نہیں ہے۔

پہلی صورت کے حکم میں اس چیز کی بیع داخل ہے جس پر قبضہ حاصل نہ ہوا ہو، یعنی قبضہ سے پہلے بیع ہو رہی ہو، یا وہ چیز گم ہوگئی ہو، یا بھاگ گئی ہو، جیسے غلام وغیرہ، یا اس کو خریدار کے حوالہ کرنے پر قادر نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑتی ہوئی چڑیا اور وہ مچھلی جو ابھی دریا یا تالاب سے نکالی نہ گئی ہو (مرقاۃ ۳/۳۲۳)۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ شرائط معقود علیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وأما شرائط المعقود علیه فأن یکون موجوداً مالاً متقوماً مملوکاً فی نفسه وأن یکون ملک البائع فیما یبیعه لنفسه، وأن یکون مقدور التسلیم فلم ینعقد بیع المعدوم وماله خطر العدم (بحر ۵/۲۷۹) یعنی معقود علیہ کیلئے شرط ہے کہ موجود مال متقوم مملوک ہو، اور بائع کی ملکیت میں ہو، اور مقدور التسلیم ہو۔

صاحب درمختار و رد المحتار نے لکھا ہے کہ جو چیز ملکیت اور قبضہ میں نہ ہو اس کی بیع باطل ہے، اور دلیل میں بحر الرائق کی عبارت پیش کیا ہے جو اوپر مذکور ہوئی (شامی ۴/۱۱۸)۔

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ مبیع کو خریدنے کے بعد اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھ دیا جائے چاہے دوسری جگہ کتنی ہی قریب ہو، مرقاۃ کی عبارت یوں ہے: فإن القبض فیه بالنقل عن مکانه و قال ابن الملک: وفیه أن قبض المنقول بالنقل و التحویل من موضع إلی موضع (مرقاۃ ۳/۳۱۸)۔

مظاہر حق میں ہے: یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر اس چیز کو پیمان یا وزن کے ذریعہ لیا ہے تو پیمانہ میں پورا کر، یا وزن کرانے کے بعد ہی اسے اٹھائے، اور اگر بغیر پیمانہ یا وزن لیا ہے تو پھر اس کے بغیر ہی اٹھا کر رکھ دے، حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اشیاء منقول میں سے کوئی چیز خریدے اور پھر اسے کسی دوسرے کو فروخت کرنا چاہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس چیز کو قبضہ میں لے اس کے بعد اسے فروخت کرے، کیونکہ بیع اشیاء منقولہ میں قبل قبضہ کے دوسری بیع جائز نہیں ہے (۱۲/۳)۔

اس سلسلہ میں صاحب درمختار رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع و لا حائل ، و شرط في الأجناس شرطا ثالثاً وهو أن يقول: خليت بينك و بين المبيع ، فلو لم يقله أو كان بعيداً لم يصر قابضاً (۴۸-۴۷/۴) اس کا حاصل یہ ہے کہ مبیع پر قبضہ کیلئے کوئی مانع و حائل نہ ہو، بایں طور کہ بائع کہہ دے کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان چھوڑ دیا اسے لے لو، اگر یہ نہ کہے تو مشتری قابض نہ ہوگا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ شریعت میں قبضہ کی حقیقت مبیع کے حال کے اعتبار سے مختلف ہے، اگر اشیاء منقول ہوں تو گھر کے اندر گیہوں جیسی چیز کی بیع میں بائع کا کنجی دے دینا جبکہ گھر کا کھولنا بغیر تکلف ممکن ہو، قبضہ ہے، اور چراگاہ کے اندر گائے جیسی چیز کی بیع میں گائے کا اس طرح ہونا کہ وہ دیکھی جائے اور اس کی طرف اشارہ کیا جاسکے، قبضہ ہے، اور کپڑا جیسی چیز کی بیع میں کپڑے کا اس طرح ہونا کہ خریدار کا ہاتھ بڑھ جائے تو کپڑے تک پہونچ جائے، قبضہ ہے، اور گھر کے اندر گھوڑا یا چڑیا جیسی چیز کی بیع میں بغیر مددگار کے اسے پکڑ لینا ممکن ہو، قبضہ ہے۔

اور اگر اشیاء غیر منقول ہوں تو گھر جیسی چیز کی بیع میں گھر کو تالا بند کرنے پر قادر ہونا قبضہ ہے، اور بازار و دوکان میں غلہ وغیرہ پر قبضہ یہ ہے کہ خریدار کیلئے بائع کی طرف سے مبیع کو لے لینے میں کوئی مانع نہ ہو (شامی ۴/۴۷)۔

سنت میں صرف بیع طعام میں حقیقت قبضہ متعین کی گئی ہے

سنت رسول ﷺ میں قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت وارد ہے اور بیع طعام کے باب میں حقیقت قبضہ یہ متعین کی گئی ہے کہ طعام کو مکان بیع سے منتقل کرلیا جائے، عن ابن عمر قال كانوا يبتاعون الطعام في أعلى السوق فيبيعونه في مكانه فنهاهم رسول الله ﷺ عن بيعه في مكانه حتى ينقلوه (رواہ ابوداؤد)۔

منتقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے قبضہ میں لے لیں، اور اشیاء منقولہ کا قبضہ میں لینا یہ ہے کہ اس کو خریدنے کے بعد اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھ دیا جائے، چاہے وہ دوسری جگہ کتنی ہی قریب کیوں نہ ہو (مظاہر حق ۱۲/۳)۔

ایک دوسری حدیث: عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه ، وفي رواية ابن عباس حتى يكتاله، متفق عليه ، ایک اور حدیث: عن ابن عباس قال أما الذي نهى عن النبي صلى الله عليه وسلم فهو الطعام أن يباع حتى يقبض ، قال

ابن عباس : ولا احسب کل شیء إلا مثله متفق علیه ۔

حضرت ابن عباسؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلہ قبل قبضہ بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی بھی چیز کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ قبضہ میں نہ آجائے، یہ گویا حضرت ابن عباسؓ کا اپنا گمان وخیال ہے کہ انھوں نے اس مسئلہ میں غلہ پر غیر غلہ کو قیاس کیا ہے (مظاہر حق ۵۱/۳)۔

اور علامہ خطابیؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض باتفاق ناجائز ہے، اور اس کے علاوہ اشیاء میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عقار اور زمین وغیرہ کی بیع قبل القبض جائز ہے اور اشیاء منقولہ میں ناجائز ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کسی میں بھی بیع قبل القبض ناجائز ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک ماکول ومشروب کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے، اور امام احمدؒ کے نزدیک مکیل وموزون کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے (بذل ۲۹۴/۴)۔

نیز علامہ خطابیؒ قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: المقبوض یختلف فی الأشیاء حسب اختلافها فی أنفسها فمنها ما یکون بأن یوضع المبیع فی ید صاحبه، ومنها ما یکون بالتخلیة بینه وبین المشتری، ومنها ما یکون بالنقل عن موضعه، ومنها ما یکون بأن یکتال وذلک فیما بیع من المکیل کیلا، فأما ما باع جزافا صبرة مصبوبة علی الأرض فالقبض أن ینقل ویحول من مکانه فإن ابتاع طعاما کیلا ثم أراد أن یبیعه بالکیل الأول لم یجز حتی یکیله علی المشتری ثانیا (بذل ۲۹۳/۴)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء میں قبضہ ان کی ذات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، چنانچہ کبھی قبضہ مشتری کے ہاتھ میں رکھ دینے سے ہوتا ہے، اور کبھی مبیع کو مشتری اور مبیع کے درمیان چھوڑ دینے سے ہوتا ہے، اور کبھی مبیع کی جگہ سے انتقال سے ہوتا ہے اور کبھی کیل سے ہوتا ہے۔

اور علامہ ابن قدامہؒ نے کہا ہے: ہر چیز کا قبضہ اسی کے اعتبار سے ہوتا ہے، اگر شیء مکیل، یا موزون ہے اور کیل ووزن سے بیع کی جارہی ہے تو قبضہ کیل ووزن سے ہوگا، وقبض کل شیء بحسبه فإن کان مکیلا أو موزونا بیع کیلا أو وزنا فقبضه بکیله ووزنه (مغنی ۱۲۵/۴)۔

۳۔ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق مندرجہ ذیل ہے:

علامہ خطابیؒ لکھتے ہیں: المقبوض یختلف فی الأشیاء حسب اختلافها فی أنفسها فمنها ما یکون بأن یوضع المبیع فی ید صاحبه، ومنها ما یکون بالتخلیة بینه وبین المشتری، ومنها ما یکون بالنقل من موضعه، ومنها بأن یکتال وذلک فیما بیع من المکیل کیلا (بذل ۲۹۳/۴)۔

بعض اشیاء منقولہ میں قبضہ یہ ہے کہ مبیع کو مشتری کے ہاتھ رکھ دی جائے، اور بعض میں مبیع کو مکان بیع سے منتقل کر دینا قبضہ ہے اور بعض میں کیل کرنا قبضہ ہے۔

کرتے ہیں۔ اور امام احمدؒ وغیرہ مکیل اور موزون میں بیع قبل القبض کو ناجائز کہتے ہیں، اور اس حکم سے مکیل وموزون کے علاوہ کا استثناء وتخصیص کرتے ہیں، یہ علماء رحمہم اللہ کی آراء ہیں۔ (دیکھئے نووی ۲/۵)۔

اور حدیث میں طعام سے مراد تمام دانے ہیں، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: والمراد به في كلام المصنف الحبوب كلها لا البر وحده ولا كل ما يؤكل بقرينة قوله كيلا و جزافا (شامی ۴/۳۰، البحر الرائق ۵/۳۰۵)۔

دلائل ائمہ:

طعام کے سلسلہ میں بیع قبل القبض کی ممانعت عام ہے، اس پر اجماع ہے، دلیل: عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه و كذا روى عن ابن عباس، و المروى عنهما روايات في صحيح مسلم (۲/۵) (فی آپ ابوداؤد مع البذل ۴/۲۸۹)۔

استثناءات وتخصیصات کے سلسلہ میں دلائل ائمہ:

علامہ شامی، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: صح بيع عقار لا يخشى هلاكه قبل قبضه من بائعه لعدم الغرر أي غرر انفساخ العقد على تقدير الهلاك وعلله لندرة هلاك العقار حتى لو كان علوا أو على شط نهر، تفريع على مفهوم قوله "لا يخشى هلاكه و نحوه" بان كان في موضع لا يؤمن أن تغلب عليه الرمال كان كمنقول اى بمنزلته من حيث لحوق الغرر بهلاكه فيصح البيع لكنه يتوقف (شامی ۴/۱۸۱)۔

یعنی زمین وجائداد غیر منقول کی بیع قبل القبض جائز ہے، عقد کے فسخ ہونے کے غرر وخطر کا نہ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ اس کی ہلاکت نادر وشاذ ہے، اور اس کا اعتبار نہیں ہوگا، اگر ہلاکت کا اندیشہ بایں طور ہو کہ زمین وجائداد کا محل وقوع ایسا ہے کہ اس پر ریت کے غلبہ کا خطرہ ہے تو اس کی بیع تو صحیح ہو جائے گی، لیکن موقوف رہے گی، اسی طرح گھر و زمین وجائداد جس کے قبضہ وحمل میں خطرہ ہے تو اس کی بیع بھی قبل القبض صحیح ہوگی لیکن نافذ نہ ہو کر موقوف رہے گی۔

امام شافعی کی دلیل:

عن ابن عباس قال أما الذي نهى عن النبي صلى الله عليه وسلم فهو الطعام أن يباع قبل أن يقبض، قال ابن عباس: و لا أحسب كل شئ إلا مثله، متفق عليه (مسلم ۲/۵، ابوداؤد مع البذل ۴/۲۹۵)۔

یعنی امام شافعی کے نزدیک بیع قبل القبض مطلقاً ناجائز ہے، اس میں کچھ بھی استثناء وتخصیص نہیں ہے، اور حدیث ابن عباس دلیل ہے۔

امام مالک ماکول ومشروب کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز کہتے ہیں، اور ماکول ومشروب کا استثناء کرتے ہیں، علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ ان کی دلیل بیان کرتے ہیں: وجه ذلك ما روى الأوزاعي عن

حنيفة قال إذا اشتريت شيئا مما يكال أو يوزن أو يعد عدا فلا تبعه حتى تكيله و تزنه و تعده، فإن بعته قبل أن تفعل و قد قبضته فالبيع فاسد في الكيل و الوزن. قلت: و ظاهره أن الفاسد هو البيع الثاني وهو بيع المشتري قبل كيله وأن الأول وقع صحيحا لما مر من أن العلة كون الكيل من تمام القبض فإذا باعه قبل كيله فكأنه باعه قبل القبض، وبيع المنقول قبل قبضه لا يصح (شامی ۴/۱۸۳)۔

یعنی امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب تم کیلی، یا وزنی، یا عددی چیز خریدو تو کیل، یا وزن، یا عدد سے خریدو، پھر اس کو بغیر کیل یا وزن یا عدد کے یعنی بغیر قبضہ کے مت بیچو، پس اگر تم نے اس کو بغیر کیل، یا وزن، یا عدد کے یعنی بغیر قبضہ کے بیچ دیا تو دوسری بیع فاسد ہے اور بیع اول صحیح ہے، کیونکہ کیل یا وزن سے پہلے بیچنا قبضہ سے پہلے بیچنا ہے اور منقول کی بیع قبضہ سے پہلے صحیح نہیں ہے۔

۷۔ یہ عرف کہ جس میں بین الاقوامی تجارت میں جہاز پر مال چڑھ جانے کے بعد بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال کو فروخت کر دیتا ہے، اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے۔

یہ صورت شرعاً جائز نہ ہوگی، جیسا کہ سوال (۹) کے جواب میں تحریر کیا جا چکا، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ نص اقوی من العرف ہوتی ہے، لہذا نص کے مقابلے میں یہ عرف شرعاً معتبر نہیں، علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لأن العرف جاز أن يكون على الباطل، ولأن حجية العرف على الذين تعارفوه والتزموه فقط والنص حجة على الكل فهو أقوى، ولأن العرف إنما صار حجة بالنص وهو قوله ﷺ ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن (شامی ۱/ ۳۰۲)۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا قاری ظفر الاسلام اعظمی

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع قبل القبض فاسد ہے اور یہ صورت ''ربح مالم یضمن'' میں شامل ہے، اس کی صورت یہ ہے ''أن یشتری متاعا و یبیعه من آخر قبل قبضه'' ۔صاحب ''اعلاء السنن'' لکھتے ہیں: فهذا البیع باطل وربحه لا یجوز (اعلاء السنن ۱۴؍۱۷۷) آگے مؤلف مذکور نے ابطال کی وجہ بھی بیان کردی ہے، وہ یہ کہ ابھی مبیع پہلے شخص ہی کے ضمان میں ہے مشتری کے قبضہ میں نہ آنے کے باعث ضمان میں داخل نہیں ہوئی، اس کے عدم جواز میں وہ حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے جس میں رسول اکرمؐ نے حضرت عتاب بن اسیدؓ کو اہل مکہ کی جانب بھیجا کہ وہ یہ چار باتیں ان تک پہونچادیں: (۱) ان لا یصلح شرطان فی بیع (۲) ولا بیع وسلف (۳) ولا بیع مالا یملک (۴) ولا ربح مالا یضمن ۔حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے بھی یہ روایت موجود ہے جس کی اصحاب خمسہ نے بجز ابن ماجہ کے تخریج کی ہے، اس مفہوم کی دیگر مرویات باختلاف یسیر ابن حبان نے اپنی صحیح میں، حاکم نے مستدرک میں، نسائی نے سنن کبریٰ میں، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نقل کی ہیں (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: مغنی لابن قدامہ ۴؍۲۲۰۔۲۲۱، المحلی لابن حزم ۸؍۵۲۲)۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: فمذهب أبی حنیفة لا یدخل المبیع كله فی ضمان المشتری إلا بالقبض إلا العقار وعند الشافعی العقار وغیره سواء وهو روایة عن أحمد (فتاوی لابن تیمیة ۲۹؍۴۰۵)، عبدالرحمن الجزیری نقل فرماتے ہیں: الحنفیة قالوا من البیع الفاسد بیع الأعیان المنقولة قبل قبضها ۔حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مبیع منقول ہو یا غیر منقول، قدرت علی التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیع باطل ہوگی ''فاذا اشتری منقولا كان أو غیره ولم یسلم ثم باعه وقع البیع باطلا'' (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲؍۲۳۲)۔

اس طرح کی بیع سے متعلق ہمارے بعض علماء نے بھی باطل کا قول کیا ہے، چونکہ باطل اور فاسد میں تعارض ہے اسلئے اس کا جواب اگر یوں دیدیا جائے کہ یہاں پر باطل بمعنی فاسد ہے تو اب تعارض نہ رہ جائے گا، نیز اس کے نظائر نصوص فقہاء میں موجود بھی ہیں، دوسرا جواب اس عبارت سے بھی دیا جاسکتا ہے جو درج ذیل ہے:

الحنفیة قالوا إذا اصطاد طیرا فكان فی یده ثم أرسله فی الهواء فإن بیعه فی هذه الحالة یكون فاسدا لعدم القدرة علی التسلیم ، أما إذا باع الطیر فی الهواء قبل أن یصطاده فالبیع باطل

سواء باعها لمن اشتراها منه أو لغيره (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۳) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بیع قبل القبض ناجائز ہے مگر چند صورتوں میں جن میں سے پہلی صورت یہ ہے: الأول أن يبيعه قبل قبضه لمن اشتراه منه بنفس الثمن الذي اشتراه به بدون زيادة (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۳)۔

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہو گیا کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں بیع قبل القبض ناجائز ہے لیکن اگر مشتری نے خود بائع کو ہی ثمن اول کے ساتھ بیچ دیا تو بیع صحیح ہو جائے گی۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں بھی بیع کی صحت کی چند صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ اگر بائع نے خود خریدا تو بیع صحیح نہ ہوگی البتہ یہ کہ بائع کے لڑکے یا باپ یا خادم یا بیوی نے اسے خرید لیا۔

(۱) فإذا اشتراها ابنه أو أبوه أو خادمه أو زوجه فإنه يصح إذا لم يكن ذلك حيلة يتوصل بها إلى الشراء.

(۲) فإن اشتراها بمثل ثمنها أو أكثر فإنه يصح.

(۳) أما إذا لم يكن من جنس ثمن الأول كما إذا باعها بنقد ثم اشتراها بعروض تجارة فإنه يصح (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۶)۔

اس میں کچھ اور تفصیلات ہیں جو مغنی لابن قدامہ ۴/۱۱۸، ردالمحتار ۴/[illegible]، بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۴، ۱۵۵ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

اب ائمہ اربعہ کا مسلک اس طرح ہوگا:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیع قبل القبض فاسد ہے سوائے غیر منقول کے، یہ بیع خواہ بائع سے ہو یا بائع کے علاوہ کسی اور سے۔

امام مالکؒ کے نزدیک بیع قبل القبض اعیان منقول و غیر منقول دونوں میں صحیح ہے بجز طعام کے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بیع قبل القبض منقول و غیر منقول دونوں میں صحیح نہیں الا یہ کہ مشتری خود بائع کو ہی ثمن اول کے ساتھ بیچ دے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک غیر مکیل و غیر موزون و غیر معدود و غیر مذروع میں قبل القبض بیع جائز ہے اس کے سوا جائز نہیں۔

حنبلی مسلک کی ایک روایت تو وہی ہے جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے اور ایک ضعیف روایت حضرت امام شافعیؒ کی۔

خلاصہ کلام:

بیع قبل القبض بہ اتفاق مذاہب اربعہ ناجائز ہے اور اگر بیع کر لی تو فاسد ہوگی۔ اعیان منقولہ میں اور بیع ہوئی [illegible]

غیر منقول میں۔

۲۔ کتاب وسنت و نصوص فقہاء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے، حالات، زمان ومکان اور تاجر کے اختلاف سے قبضہ کی نوعیتیں جداگانہ ہوں گی۔

پس اولاً عرض ہے کہ فقہاء نے قبضہ کی دو قسمیں کی ہیں: حقیقی اور حکمی۔ حقیقی قبضہ تو حسی اور تسلیم سے ہوگا، اور حکمی استیلاء، تمکن، اشارہ، تخلیہ اور تمیز سے، ابن قدامہ کی درج ذیل عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے مراد استیلاء ہی ہے جو لوگوں کے بیچ متعارف ہو۔

وكل ما يحتاج إلى قبض إذا اشتراه لم يجز بيعه حتى يقبضه (مغنی لابن قدامہ ۲۲۰/۴)۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ثم قال الخرقي ومن اشترى ما يحتاج إلى قبضه لم يجز بيعه حتى يقبضه ففرق بين ما يحتاج إلى القبض وما لا يحتاج فيما لا يحتاج يكفي فيه التمكن (فتاوی لابن تیمیہ ۲۹/۵۰۸-۵۰۸)۔

اسی رائے کی تائید ابن قدامہ کی اس تحریر سے بھی ہورہی ہے: وقبض كل شيء بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله ووزنه وبهذا قال الشافعي وقال أبو حنيفة التخلية في ذلك قبض، وقد روى أبو الخطاب عن أحمد رواية أخرى أن القبض في كل شيء بالتخلية مع التمييز (مغنی لابن قدامہ ۲۲۰/۴)۔

ہر چیز کا قبضہ اس کے شایان شان ہوگا، چنانچہ اگر مبیع از قبیل کیلی یا موزونی ہے تو اس پر قبضہ کیل اور وزن سے ہوگا اور یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے، اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر قبضہ تخلیہ سے ہوگا، ایک روایت ابو الخطاب نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کی ہے کہ صرف تخلیہ سے ہی قبضہ ہوگا تاوقتیکہ خریدی ہوئی شئ متمیز نہ ہوجائے۔

یہاں پر تخلیہ سے مراد قبضہ کی اجازت دے دینا ہے نہ کہ تخلیہ کا لفظ خصوص بقوله أن يقول حيث الظاهر أن المراد به الإذن بالقبض لا خصوص لفظ التخلية.

وہ چیزیں جو گن کر اور اندازہ سے خریدی جاتی ہیں ان کا قبضہ نقل ہے۔ وإن بيع جزافا فقبضه نقله (مغنی لابن قدامہ ۲۲۰/۴)۔

حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ تصرف جس میں بدون قبضہ کے جواز ہو اس میں اگر مشتری قبضہ سے قبل تصرف کرے تو وہ جائز ہوگا، اور ہر وہ تصرف جس میں تصرف قبضہ کے علاوہ جائز نہیں اس میں مشتری قبضہ سے پہلے تصرف کرے تو وہ جائز نہ ہوگا۔

كل تصرف يجوز من غير قبض إذا فعله المشتري قبل القبض لا يجوز وكل ما لا يجوز إلا بالقبض كالهبة إذا فعله المشتري قبل القبض جاز ويصير المشتري قابضا له (شامی ۴/

۵۶۱)۔

علامہ سرخسی کی بھی تحریر پیش خدمت ہے: قال محمد كل تصرف لا يتم إلا بالقبض فذلك جائز في المبيع قبل قبضه إذا سلطه على قبضه فيقبضه (المبسوط ۱۳/۸)۔

علامہ شامی نے قبضہ کی بہت ساری صورتیں تحریر فرمائی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

ومنه مالو اشترى دهنا ودفع قارورة يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشتري فهو قبض، وكذا بغيبته في الأصح وكذا كل مكيل أو موزون إذا دفع له الوعاء فكاله أو وزنه فيه بأمره ومنه مالو غصب شيئا ثم اشتراه صار قابضا (رد المحتار ۴/۵۶۱)۔

حضرت امام احمدؒ کے نزدیک قبضہ سے مراد تمکن ہے نہ کہ نفس قبضہ: فظاهر مذهب أحمد أن الناقل للضمان إلى المشتري هو التمكن من القبض لا نفس القبض (فتاویٰ لابن تیمیہ ۲۹/۵۰۷)۔

صاحب "رد المحتار" نے تخلیہ کو حکما قبضہ قرار دیا ہے فرماتے ہیں: "وحاصله أن التخلية قبض حكما" آگے علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں کہ قبضہ کی مختلف صورتیں ہیں لکن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيع مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض، وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض ..... وفي الملتقط ولو باع دارا وسلمها إلى المشتري دار فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليما حتى يسلمها فارغة (رد المحتار ۴/۵۶۲)۔

ملک العلماء ابوبکر کاسانی تحریر فرماتے ہیں: أما الحديث فظاهر قوله عليه السلام يدا بيد فحملها على التعيين (بدائع الصنائع ۵/۲۱۹)۔

ابن حزم تحریر فرماتے ہیں کہ جب شئی کسی خاص کی ہو جائے تو اسے قبضہ کہیں گے: فهذا عمر يقول بذلك ويبين أن القبض هو الذي يكون الشيء للمرء (محلی لابن حزم ۸/۵۲۰)۔

علامہ کاسانی نے قبضہ کی تفسیر اس طرح کی ہے: وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضا له وكذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

تسلیم اور قبضہ ہمارے نزدیک تخلیہ ہے اور تخلیہ یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان موانع کو اس طرح دور کردے کہ مشتری تصرف پر قادر ہو جائے، لہذا بائع مبیع کو سونپنے والا اور مشتری اس پر قبضہ کرنے والا ہو جائے، ایسے ہی ثمن مشتری سے نکل کر بائع کے پاس چلا جائے، صاحب "بدائع" اسی مفہوم کو ایک مقام پر اس طرح بیان کرتے ہیں: لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة (بدائع الصنائع ۵/

۱۳۸)۔

مذکورہ بالا قبضہ کی تائید قواعد الفقہ کی اس عبارت سے بھی ہورہی ہے التخلیة فی البیع هو أن یأذن البائع للمشتری بقبض المبیع عند عدم وجود مانع من تسلیم المشتری إیاه (قواعد الفقہ از سید عمیم الاحسان ۲۴۳) تخلیہ فی البیع یہ ہے کہ بائع مشتری کو مبیع پر قبضہ کی اجازت دیدے اور اس کیلئے مبیع کو سونپنے سے کوئی شئی مانع نہ ہو۔

بہرکیف مذکورہ تفصیلات سے یہ معلوم ہوا کہ فقہاء نے جس مبیع کے قبضہ کیلئے جو صورتیں بیان فرمائی ہیں وہی معمول بہا ہوں گی، اور جہاں کوئی صراحت نہیں ہے، تعامل اور عرف کے مطابق عمل ہوگا۔

۳۔ قبضہ کی نوعیت اعیان منقولہ اور غیر منقولہ کے اعتبار سے جداگانہ ہے، لہٰذا اگر مبیع از قبیل عقار ہو کر جائیداد وغیرہ ہو تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اسے فصل سے خالی کرکے مشتری کے حوالہ کردیا جائے، اور اگر مکان ہو تو اسباب سے خالی کرکے تالہ اور کنجی خریدار کے حوالہ کردیا جائے، یہی تمکن اور ید کے مرادف ہے، لیکن اگر منقولات سے ہوں تو اس میں تفصیل ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نقل اور تحویل کے ذریعہ قبضہ ہوگا اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قبضہ تخلیہ سے ہوگا، غالباً حضرت امام شافعیؒ کی بھی تخلیہ سے یہی مراد ہے۔

جواب (۲) کے ضمن میں تخلیہ کی تعریف اور اس سلسلہ میں فقہاء کی نصوص مفصلاً بیان کردی گئی ہیں۔

علامہ ابن رشد قرطبی تحریر فرماتے ہیں: وإنما استثنیٰ أبو حنیفة ما یحول وینقل عنده مما لا ینقل لأن ما ینقل القبض عنده فیه هی التخلیة (بدایۃ المجتہد ۲/۱۳۵)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اشیاء منقولہ کے حکم کو اعیان غیر منقولہ سے الگ کردیا ہے کیونکہ اعیان منقولہ میں حضرت الامام کے نزدیک قبضہ شرط ہے جو تخلیہ کے مرادف ہے۔

۴۔ احادیث مبارکہ جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور علت نہی "غرر" ہے۔ نهی رسول الله عن بیع مالم یقبض، وعن ربح مالم یضمن، ونهی عن بیع الطعام قبل قبضه" یا اس کے علاوہ دیگر مرویات میں نہی کی علت قدر مشترک کے طور پر "غرر" ہے کیونکہ ایک دوسری روایت صریحاً بھی موجود ہے، جو اس علت منع کی وضاحت کررہی ہے "نهی النبی عن بیع الغرر" صاحب" بدائع الصنائع" تحریر فرماتے ہیں: نهی رسول الله عن بیع فیه غرر وبین تمکن الغرر أن الغرر هو الخطر (بدائع الصنائع ۵/۱۶۳)۔

ابن حزم نقل فرماتے ہیں: عن أبی هریرة قال: نهی رسول الله عن بیع الطعام حتی یجری فیه الصاعان فیکون لصاحبه الزیادة وعلیه النقصان (محلی ابن حزم ۸/۵۲۳)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ نے جو عدم جواز کا قول کیا ہے اس کی وجہ علامہ ابن تیمیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: اگر مبیع تلف ہوگئی تو دونوں شخص اس کے ضامن نہ ہوں گے، بلکہ وہی ہوگا جس نے اسے بیچ

ہے، یعنی بائع اول "وهؤلاء يعللون المنع بتوالي الضمانين (فتاویٰ لابن تیمیہ ۲۹/۵۰۶)۔

اسی طرح علامہ جزیری عدم جواز کی علت یوں تحریر کرتے ہیں: وقد قيل في علة النهي إن في قبضه منفعة للعمال إذ ينتفعون بكيله وحمله ووزنه وغير ذلك بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه فإن ذلك يضيع تلك المنفعة وقيل إنه أمر تعبدي (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

نہی کی علت میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے عاملین کا نفع ہے، اسلئے کہ وہ لوگ کیل، وزن اور بار برداری سے نفع حاصل کرتے ہیں، برخلاف اس صورت کے جبکہ مبیع پر قبضہ نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ منفعت ضائع ہو جاتی ہے، اور ایک دوسری علت یہ بھی ہے کہ وہ امر تعبدی ہے۔

خلاصہ کلام: جب قبضہ امر تعبدی ہے تو اس کی شرط وہیں لگے گی جہاں حدیث موجود ہے، کیونکہ یہ امر غیر مدرک بالقیاس ہونے کے باعث "يقتصر على مورد النص" ہوگا۔

لگے ہاتھوں علامہ ابن رشد قرطبی کا بھی عندیہ معلوم کرتے چلیں، وہ اس منع کی علت یوں تحریر کرتے ہیں: ومن طريق المعنى إن بيع مالم يقبض يتطرق منه إلى الربا (بدایۃ المجتہد ۲/۱۳۵)۔

اسی طرح ایک مقام پر علامہ جزیری فساد بیع کی انواع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ومنها بيع الغرر وهو التردد بين أمرين أحدهما يوافق الغرض والآخر يخالفه (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۲)۔

صاحب قواعد الفقہ "غرر" کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں: ما يكون مجهول العاقبة لا يدري أن يكون أم لا (قواعد الفقہ ۳۹۹) یعنی جس کا نتیجہ معلوم ہو آیا مرتب ہوگا یا نہیں، مندرجہ بالا حدیث جسے بیع قبل القبض کے عدم جواز کی علت بنا کر پیش کیا گیا ہے، اس سے استدلال اس وقت ہوگا جبکہ "غرر" بمعنی خطر ہو، لیکن اگر "غرر" غرور سے مشتق مانیں، یا "غرر فی صلب العقد" پر محمول کریں تو استدلال صحیح نہ ہوگا، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: الغرر هو الخطر الذي استوى فيه الطرف والوجود والعدم بمنزلة الشك، وأما الحديث فيحتمل أن يكون الغرر هو الخطر ويحتمل أن يكون من الغرور فلا يكون حجة أو نحمله على الغرر في صلب العقد بالتعلق بشرط أو بالإضافة إلى وقت (بدائع الصنائع ۵/۱۶۳)۔

عند الفقہاء "غرر" کی دو قسمیں ہیں: غرر یسیر، غرر کثیر، غرر یسیر کی فقہاء کے یہاں گنجائش ہے، اس سے بیع کے جواز میں خلل واقع نہیں ہوتا، جیسا کہ "کتاب الفقہ" میں موجود ہے:

ويغتفر الغرر اليسير للضرورة كإجارتها بمشاهرة مع احتمال نقصان الشهور وزيادتها بخلاف ما إذا كان الغرر كثيرا كبيع الطير في الهواء (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۳)۔

ضرورۃً غرر قلیل کی گنجائش ہے، جیسے مہینوں کی ایام کے اعتبار سے کمی و بیشی کے باوجود اجارہ کا صحیح ہونا،

البتہ غرر کثیر کی گنجائش نہیں، جیسے فضا میں چڑیوں کی بیع وغیرہ۔

ایک مقام پر علامہ ابن القیم جوزی کا قول مفتی ظفر احمد صاحب تھانوی نقل فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ یہ "غرر" تحریم کا باعث نہیں ہوتا، اگر "غرر" یسیر ہو تو مصلحت کلناس اس کے جواز کا قول کرنا چاہئے۔ اور اسے مانع صحت عقد قرار نہیں دینا چاہئے: ولو قدر ان فی ذلک غررا فهو غرر یسیر یغتفر فی جنب المصلحة العامة التی لابد للناس منها فلیس کل غرر سببا للتحریم والغرر إذا کان یسیرا أو لا یمکن الاحتراز منه لم یکن مانعا من صحة العقد (اعلاء السنن ۱۴/۱۳۲)۔

جب بیع کے عدم جواز کی وجہ غرر کثیر کا وجود ہے تو ان صورتوں میں بیع بدون کسی ترجیح کے صحیح ہو جائے گی، جہاں غرر کلیۃً مفقود ہو، جیسے غیر منقول کہ اس میں غرر کا شائبہ تک نہیں، اور اگر غرر ہے بھی تو یہ غرر نادر ہے اور نادر کا اعتبار نہیں، واحتج أبو حنیفة بأن الحکم معلل بغرر انفساخ العقد بهلاک المبیع والهلاک فی غیر المنقول نادر والنادر کالمعدوم (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۵)۔

۵۔ علامہ ابن رشد قرطبی مبیع کی انواع اور ائمہ کے مذاہب بیان کرنے کے بعد قبضہ کی شرطوں کا سات اقوال میں احاطہ فرماتے ہیں، وہ تحریر کرتے ہیں: فیحصل فی اشتراط القبض سبعة أقوال: الأول فی الطعام الربوی فقط، والثانی فی الطعام بإطلاق، والثالث فی الطعام المکیل والموزون، الرابع فی کل شیء ینقل، الخامس فی کل شیء، السادس فی المکیل والموزون، السابع فی المکیل والموزون والمعدود (بدایۃ المجتہد ۲/۱۳۵)۔

مندرجہ بالا اقوال میں سے صرف پانچواں قول جس میں بیع کی صحت کیلئے ہر طرح کی مبیع پر قبضہ شرط ہے جس کے قائل حضرت امام شافعیؒ اور سفیان ثوری ہیں، عام ہے، بقیہ سارے اقوال میں کسی نہ کسی وجہ کی تخصیص ہے۔

بہر کیف جمہور ائمہ کے نزدیک بیع قبل القبض کی ممانعت خاص ہے، مسند احمد کی ایک روایت سے جسے حضرت عبد اللہ بن عمرو نے مرفوعاً نقل کیا ہے، یہی معلوم ہوتا ہے۔ من اشتری طعاما اشتراہ بکیل أو وزن فلا یبعه حتی تقبضه، دوسری مرویات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مگر الفاظ مختلف ہیں، نسائی کی روایت میں: "حتی یستوفیه" اور دار قطنی میں "حتی یجری فیه الصاعان" ہے، ظاہر ہے "استیفاء" اور "یجری الصاعان" کا تعلق مکیل اور موزون سے ہی ہے۔

ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں: وانما استثنی أبو حنیفة ما یحول وینقل عنده مما لا ینقل (بدایۃ المجتہد ۲/۱۳۵)۔

فالحاصل حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے نصوص کو خاص کیا ہے منقول کے ساتھ، نیز یہ ممانعت معلول بالعلۃ ہے، اور امام شافعیؒ نے ان نصوص کو عدم جواز میں عموم پر محمول کیا ہے، بشرطیکہ وہ مبیع متعین نہ ہو، حضرت امام محمدؒ کے نزدیک بھی نہی سے عمومی نہی ہے، حضرت مولانا مفتی ظفر احمد صاحب تھانوی تحریر فرماتے ہیں: إلا

أن أبا حنيفة وأبا يوسف خصا النصوص بالمنقول بعلة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاک قبل القبض، ومحمد أجراها على عمومها، والشافعي خصها بما لم يكن متميزا، وهو اختلاف الاجتهاد (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۲) حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی تخصیص ہی کا ہے: وینقل عن أحمد أن المطعوم لا يجوز بيعه قبل قبضه سواء كان مكيلا أو موزونا أو لم يكن (مغنی لابن قدامہ ۴/۱۱۵)۔

ذکر کردہ عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکیل اور معدودن میں بیع قبل القبض صحیح نہیں، لیکن اس سے مراد کیا ہے اس کی وضاحت بعض فقہاء اس طرح کرتے ہیں: وقال القاضي وأصحابه المراد بالمكيل والموزون والمعدود ما ليس بمتعين كالقفيز من صبرة والرطل من زبدة فأما المتعين فيدخل في ضمان المشتري كالصبرة يبيعها من غير تسمية (مغنی لابن قدامہ ۴/۱۱۵) قاضی اور ان کے اصحاب نے فرمایا ہے کہ مکیل، موزون اور معدود سے مراد جو متعین نہ ہو، جیسے غلہ کی بوریوں سے ایک بوری اور سکہ سے ایک رطل، ویسے بہر حال جو متعین ہوگا وہ مشتری کے ضمان میں داخل ہوگا، جیسے صبرہ کو بغیر تعیین کے کوئی بیچے۔

بیع قبل القبض کی تخصیص کا پتہ ظاہر روایت سے بھی چلتا ہے، علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: ظاهر المذهب أن المكيل والموزون لا يدخل في ضمان المشتري إلا بقبضه (مغنی ۴/۱۱۵) اس سلسلہ میں عبد الرحمن الجزیری کی بھی تحریر ملاحظہ فرمائیں: أما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض والضياع والنخيل والدور ونحو ذلک من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها فإنه يصح (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۲)۔

۹۔ صورت مسئولہ میں اگر درج ذیل ضابطے ملحوظ ہوں تو مسئلہ کی وضاحت میں قدرے رہنمائی مل سکتی ہے، علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں: وكل عوض ملک بعقد ينفسخ بهلاكه قبل القبض لم يجز التصرف فيه قبل قبضه .... وما لا ينفسخ العقد بهلاكه جاز التصرف فيه قبل قبضه (مغنی لابن قدامہ ۴/۲۲۱) وقال أبو حنيفة كل ما ملک بعقد ينتقض العقد بهلاكه فلا يجوز بيعه قبل قبضه كالبيع والإجارة إلا العقار (محلی لابن حزم ۸/۵۲۰) حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ معاملہ جس میں انسان عقد کے ساتھ مالک ہوا گر وہ معاملہ ہلاکت سے ختم ہو گیا تو اس کی بیع وشرا قبل القبض جائز نہیں ہے۔

علامہ کاسانی کی رائے اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو: والأصل أن كل عوض ملک بعقد ينفسخ فيه العقد بهلاكه قبل القبض لا يجوز التصرف فيه كالبيع والإجارة إذا كان منقولا عينا وكل عوض ملک بعقد لا ينفسخ العقد فيه بهلاكه قبل القبض لا يجوز التصرف فيه كالمهر وبدل الخلع (بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

اگر ان ضابطوں کو سوال (۹) کے ساتھ منسلک کر دیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مبیع کی ہلاکت سے خریدار (۱) کا معاملہ بائع سے یا کمپنی سے ختم نہیں ہوتا ہے، اسلئے خریدار (۱) کا تصرف بھی صحیح ہونا چاہئے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں بیع قبل القبض کا ثبوت بھی ہوا کہ نہیں، میری فہم ناقص میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب قبضہ کی بہت ساری قسمیں ہیں تو قبضہ حکمی مان کر جواز کا قول کر دینا چاہئے، کیونکہ جب مشتری، یا اسکے وکیل نے معاملہ میں بیع کرلیا تو کم از کم قبضہ حکمی اشارہ اور تمیز ضرور ہوگا، نیز یہ صورت تو "ربح مالم یضمن" میں بھی داخل نہیں ہورہی ہے، کیونکہ مشتری اول تو نفع ونقصان دونوں کا ضامن ہورہا ہے، اور مشتری ثانی کا اس میں کوئی نقصان بھی نہیں، پھر علت نہی تو "غرر" ہے اور یہاں سرے سے غرر ہی نہیں، کیونکہ نت نئے ناپ تول کے آلات ایسے ایجاد ہوگئے ہیں کہ ان پر غرر کا شائبہ تک نہیں ہے، خصوصا اس زمانہ میں جب کہ ساری دنیا میں اکثریت کے ساتھ وزن ہی کے ساتھ معاملہ ہورہا ہے، اور جدید ترین وزن کے آلات ایجاد ہوگئے ہیں جن میں ذرہ برابر قلت وزیادت کا شائبہ نہیں، اسلئے جب مبیع ایک بار تول لی گئی تو پھر نیا وزن کی ضرورت نہیں، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: ولو كاله البائع أو وزنه بحضرة المشتري كان ذلك كافيا ولا يحتاج إلى إعادة الكيل لأن المقصود يحصل بكيله مرة واحدة بحضرة المشتري (صنائع بدائع ۲۳۵/۵)۔

نیز اگر مبیع پر حقیقۃً قبضہ کی شرط لگائی جائے تو یہ مشتری پر ایک طرح کا جرم ہوگا، کیونکہ اس طرح کے آلات اول تو ہر جگہ دستیاب نہیں ہوتے، اور اگر دستیاب ہوں بھی تو مبیع کے انتقال پر کتنا صرفہ اور غیر ضروری خرچ ہوگا جسے بجز زیر باری کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا "لاضرر ولا ضرار، الحرج مدفوع" کے تحت اس معاملہ کو جائز قرار دینا چاہئے۔

بہر حال نص کا منشاء اور مقتضیٰ تو صرف یہ تھا کہ غرر سے بچا جائے چنانچہ صورت مسئولہ کے جواز میں "غرر" تو کیا شائبہ "غرر" بھی نہیں، اور اگر "غرر" سے مراد "غرور في صلب العقد بالتعليق بشرط أو بالإضافة إلى وقت" لیا جائے تو اس معاملہ کی صحت اور بے غبار ہوجاتی ہے، کیونکہ اس میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں ہے، ساتھ ہی بیع قبل القبض کے جواز میں دو تابعی کی بھی روایتیں موجود ہیں، کیا ان روایتوں کی موجودگی میں حکم کی شدت پر اثر نہیں پڑسکتا؟ (۱) عن سعيد بن المسيب أنه كان لا يرى بأسا أن يبتاع الرجل بيعا لا يكال ولا يوزن يبيعه قبل أن يقبضه (۲) ومن طريق عبد الرزاق عن معمر عن أيوب عن ابن سيرين قال لا بأس بأن يشتري شيئا لا يكال ولا يوزن بنقد ثم يبيعه قبل أن يقبضه وهو قول الحكم وإبراهيم وحماد بن أبي سليمان وذكره النخعي عمن لقي وقال عطاء جائز بيع كل شئ قبل أن يقبض (محلی لابن حزم ۵۲۰/۹)۔

واضح ہو کہ میں نے تابعی سے دونوں روایتوں کو ذکر کرکے اسے مخالف پر حجت شرعیہ قرار نہیں دیا ہے، بلکہ محض یہ ثابت کرتا ہے کہ ان دونوں جلیل القدر تابعی کا بھی یہی قول ہے، مذکورہ بالا عبارتوں سے اگر اس مسئلہ میں توسع پیدا کر دیا جائے تو میری فہم ناقص میں کوئی حرج نہ ہوگا، نیز ائمہ کا اختلاف خود اس کا مؤید ہے کہ اس کے حکم میں تخفیف ہونی چاہئے، ابن قدامہ حنبلی کی اس عبارت: " فأما المتعين فيدخل في ضمان المشتري " سے بھی

یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی بیع اور اس کا تصرف صحیح ہوگا، کیونکہ جس مبیع میں تصرف کی جا رہی ہے وہ مبیع معلوم و متعین ہے نہ کہ مبیع مجہول۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں فكانت التخلية فيها قبضا تاما فيكتفى بها في جواز التصرف قبل الذرع بخلاف المكيلات والموزونات على ما بينا إلا أنه يخرج من ضمان البائع بالتخلية نفسها لوجود القبض بأصله والخروج عن ضمان البائع يتعلق بأصل القبض لا بوصف الكمال (بدائع الصنائع ۲۳۵/۵)۔

تخلیہ قبضہ تام کے مرادف ہے اور اس میں تصرف ہو سکتا ہے ذرع سے پہلے پہلے، بخلاف مکیلات و موزونات کے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، مگر یہ کہ وہ مبیع بائع کے ضمان سے نکل جاتی ہے نفس تخلیہ ہی سے قبضہ کے پائے جانے کی وجہ سے، اور بائع کے ضمان سے مبیع کا خارج ہو جانا اصل قبضہ پر منحصر ہے نہ کہ قبضہ کاملہ پر۔

اور اگر بیع عین بالدین ہو تو قبضہ کی شرط بھی نہیں ہے، جیسا کہ صاحب بدائع لکھتے ہیں: ومنها ما لا يشترط فيه القبض أصلا كبيع العين بالعين مما سوى الذهب والفضة وبيع العين بالدين مما لا يتضمن ربا النسا كبيع الحنطة بالدراهم (بدائع الصنائع ۲۳۷/۵)۔

چنانچہ صورت مسئولہ میں بیع عین بالدین ہی تو ہے، اسلئے قبضہ کی شرط نہیں لگے گی، اگر علامہ ابن رشد قرطبی کی وہ تفصیلی بحث جو غرر و بیوع غرر سے متعلق ہے گوش گذار کر لیا جائے تو اس سے صورت مسئولہ کا شافی جواب دیا سکتا ہے۔

علامہ مذکور تحریر فرماتے ہیں: الغرر يوجد المبيعات من جهة الجهل على أوجه: (۱) ومن جهة الجهل بتعيين المعقود عليه (۲) جهالة تعيين العقد (۳) أو من جهة الجهل بوصف الثمن والمثمون المبيع (۴) أو جهالة قدره أو اجله إن كان هنالك أجل (۵) من جهة الجهل بوجوده أو تعذر القدرة عليه (۶) من جهة الجهل بسلامته (بدایۃ المجتہد ۱۴۸/۲)۔

(۱) معقود علیہ کی تعیین میں جہالت (۲) تعیین عقد کی جہالت (۳) ثمن و مثمن کے وصف کی جہالت (۴) قدر اور مدت کی جہالت (۵) مبیع کے وجود اور قدرت علی التسلیم کی جہالت (۶) مبیع کی سلامتی اور اس کے بقا کی جہالت۔

اب سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں نہ تو اسباب غرر سے ہی کوئی سبب پایا جاتا ہے، اور نہ وہ بیع بیوع غرر سے ہی شمار کی جاتی ہے، جن میں علت مذکور یا غیر مذکور ہو، اسلئے ضمان کو قبضہ حسی مان کر جائز قرار دینا چاہئے، نیز اس کے جواز میں اصول فقہ کے قاعدہ مشہورہ کو بھی مستدل بنایا جا سکتا ہے۔ الأصل عندنا أن جواز البيع يتبع الضمان فكل ما كان مضمونا بالإتلاف جاز بيعه وما لا يضمن بالإتلاف لا يجوز بيعه (قواعد الفقہ ر ۴۸) چونکہ مبیع کی ہلاکت کی صورت میں بائع ضامن ہے اسلئے اس کا فروخت کرنا صحیح ہوگا۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

مولانا سلطان احمد اصلاحی

۱۔ فقہ اسلامی میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلہ میں تقسیم ہے، حضرات حنفیہ کے یہاں ہر وہ چیز جسے ایک جگہ سے ہٹایا اور منتقل کیا جا سکتا ہو، کسی خریدنے والے کیلئے ایسی چیز کا بیچنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک وہ اس کے قبضہ میں نہ آجائے، حدیث میں اس کی ممانعت کے علاوہ اس کی دوسری وجہ اس کے ہلاک یا ضائع ہو جانے پر اس عقد کے ختم ہونے کا دھوکہ ہے، ومن اشترى شيئا مما ينقل ويحول لم يجز له بيعه حتى يقبضه لأنه نهى عن بيع ما لم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك (ہدایہ ۵۸/۳)، البتہ مکان اور دکان جیسی غیر منقولہ چیزوں (عقار) کی بیع قبضہ سے پہلے حضرات شیخین امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے، امام محمد کے نزدیک البتہ یہ بھی جائز نہیں ہے (حوالہ سابق)، دیگر فقہاء کے مسالک کی تفصیل میں حضرات مالکیہ کے یہاں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ دوسری تمام چیزوں کی قبضہ سے پہلے بیع جائز ہے، اس میں ان کے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وأما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في مذهب مالك في إجازته (بدایۃ المجتہد ۱۴۴/۲) کھانے پینے کی چیزوں کی ممانعت میں ان حضرات کی بنائے استدلال آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ: جو کوئی کھانے پینے کی چیز خریدے تو اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک کہ اس پر اس کا قبضہ نہ ہو جائے: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه (حوالہ سابق)، البتہ حضرت امام شافعی کے نزدیک کسی فرق کے بغیر جو چیز بھی بیچی جائے اس سے پہلے قبضہ اس کیلئے شرط ہے، یہی رائے امام ثوری کی ہے، حضرات صحابہ میں اس کی روایت حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی کی گئی ہے، ہاں ابوعبید اور اسحاق کا یہ ضرور کہنا ہے کہ تمام وہ چیزیں جنہیں ناپ کرکے یا تول کرکے نہ بیچا جاتا ہو تو قبضہ ہونے سے پہلے ان کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے (حوالہ مذکور) قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت کے سلسلہ میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: لا يحل بيع وسلف ولا ربح ما لم يضمن ولا بيع ما ليس عندك (بدایۃ المجتہد ۱۴۵/۲)، حضرت حکیم بن حزام کی روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد یا ابن أخي إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه (حوالہ سابق)، اور حضرات شیخین کی مکان اور دوکان وغیرہ کے سلسلہ میں جو اس سے ہٹ کر رائے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ احادیث مطلق نہیں، بلکہ معلول بالعلۃ ہیں، یعنی کہ سامان کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں عقد کے فسخ ہو جانے کا دھوکہ، لیکن چونکہ اشیاء

غیر منقول میں اس کا امکان نادر ہے اس لئے ان حضرات کے یہاں اس کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے (ہدایہ ۳/۵۸)، دوسری توجیہ کے مطابق دریں صورت حضرت امام اعظم کے نزدیک مکان ودوکان کا خالی ہوجانا ہی قبضہ کے قائم مقام ہے، لأن ما لا ینقل القبض عنده فیه التخلیة (ہدایہ المجتہد ۲/۱۳۵)۔

(مسئلہ کی اس تفصیل سے جبکہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا مطلق عدم جواز ہی محل نظر ہو، اس کے باطل، فاسد یا مکروہ ہونے کی بحث کوئی خاص معنویت نہیں رکھتی، تاہم مآخذ میں اس کو فاسد اور باطل دونوں (نیل الاوطار ۳/۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۰)، نیز مکروہ (المغنی لابن قدامہ ۴/۲۲۳ بحوالہ بالا) اسی طرح اس کے دوسرے نظائر کو بھی فاسد اور باطل کہا گیا ہے (نیل الاوطار ۳/۲۰۷، ہدایہ ۳/۴۲، المغنی ۴/۲۴۸-۲۵۰) بایں ہمہ بالخصوص حضرات حنفیہ کے مطابق اشیاء غیر منقول کی قبل القبض بیع میں معاملہ کی نوعیت اور اس کی خفت اور غلاظت کے پہلو سے اس میں باطل، فاسد اور بیع مکروہ تینوں کے احکام وارد کئے جاسکتے ہیں)۔

۲۔ اشیاء غیر منقول میں قبضہ کی حقیقت تو یہی ہے کہ چیز خریدنے والے کی تحویل میں اس طرح آجائے کہ کسی اور سے معاملہ کرنے کی صورت میں اسے اس کو حوالہ کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے، لیکن مسئلہ کی تمام تفصیلات اور اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہر حال میں اس قبضہ کا یہ مطلب نہیں کہ چیز لازماً آدمی کے ہاتھ اور اس کے دکان میں آجائے، عرف کا اس میں دخل ہونا چاہئے، اور جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو عرف میں قبضہ تصور کیا جاتا ہے شریعت اسلامی کی رو سے بھی اسے ہی جائز قبضہ تصور کیا جائے گا۔

۳۔ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق ہے جس کی تفصیل جواب (۱) میں آچکی ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور علت نہی یہی ہے کہ چیز کے ہلاک ہوجانے کی صورت میں عقد کا فسخ کرنا لازم آئے گا جس سے اس میں دھوکہ پیدا ہوجائے گا، جبکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے، جواب (۱) میں اس کی تفصیل بھی آچکی ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام نہیں بلکہ اس میں استثناءات اور تخصیصات ہیں، اس کی تفصیل بھی جواب نمبر (۱) میں کی جاچکی ہے۔

۶۔ فیکٹری سے مال خریدنے والے خریدار نمبر (۱) کی ضمان کو قبضہ حسی کے قائم مقام مان کر اس کیلئے خریدار نمبر (۲) کے لئے اس مال کا فروخت کرنا جائز ہوگا، ضمان کو نظر انداز کر کے صرف قبضہ حسی پر اصرار کرنا درست نہ ہوگا۔

۷۔ جہاز پر مال چڑھ جانے کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہوجانے سے جو مشتری اس مال کا ضامن ہوجاتا ہے، اس کیلئے حسی قبضہ کے بجائے اسی ضمان کی بنیاد پر اس مال کا تیسرے شخص کیلئے بیچنا جائز ہوگا، گوکہ اس سودے کے بعد اس کا ضمان تیسرے خریدار کا ہوجائے اور بیع کے دوسرے خریدار کا کوئی ضمان باقی نہ رہے، دراصل اس مسئلہ کی تھوڑی سی مزید تفصیل کی ضرورت ہے۔

آج کی بین الاقوامی تجارت میں اشیاء غیر منقولہ میں بیع کی صحت کیلئے اگر ہر حال میں قبضہ حسی کو شرط قرار

دیا جائے تو یہ چیز عام الناس کیلئے زحمت اور تنگی کا باعث ہوگی، آج کے بڑھتے ہوئے ذرائع ابلاغ کی قوت سے اپنے کارندوں کے ذریعہ سفر کی کسی بھی منزل میں مال کی نوعیت اور کیفیت کا اطمینان کر لینا دشوار نہیں، جہاں تک نقصان اور دھوکے کا سوال ہے وہ سامنے کی تھوک خریداری کی صورت میں بھی اسی طرح برابر رہتا ہے، ایک ہزار کوئنٹل گیہوں، چاول کا سودا کرنے والا کاروباری اس کی ہر بوری اور اس کے ایک ایک دانے کو پرکھنے کا اطمینان نہیں کر سکتا، جس درجہ کا اطمینان آدمی سامنے کی اس طرح کی تھوک خریداری میں کرتا ہے، اس سے کم اطمینان وہ اپنے معتبر پیشہ ور کارندوں کے ذریعہ شپنگ کے سامان کا نہیں کرتا، اس کے باوجود ہر حال میں یہ اصرار کہ سامان اتر کر پہلے خریدار کے گودام میں آجائے، اس کے بعد ہی اس کیلئے دوسرے خریدار سے اس کا سودا کرنا ممکن ہو سکے بوجوہ دشواری اور نقصان کا موجب ہے، اس میں خواہ مخواہ کی مشقت کا مالی خسارہ اور کام کا پھیلاؤ بھی ہوگا، اسلامی شریعت جو مصلحتوں کی محافظ اور نقصان اور ضرر کے سخت خلاف ہے، بدلتے حالات میں ان نصوص میں اس کا رویہ سخت گیر اور بالکل بے لچک نہیں ہو سکتا۔

پس غیر ضروری توسع سے بچتے ہوئے جدید شپنگ کی اس طرح کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہوگی۔

واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆☆

ضروری ہے (۱) بلٹی (۲) قول قبضہ کچھ لیا جائے، مثلاً مال کی بلٹی پر دستخط کر کے حوالے کر دے، یا بیچ کر کہہ دیا کہ تم لے لو، یہ قبضہ ہے، کیونکہ عرف موجودہ میں یہ تمام امور قبضۂ جائز متصور ہوتے ہیں، اور ان سے مشتری کو باقاعدہ تصرف کا اختیار ہو جاتا ہے" (عطر الہدایۃ ۲۸)۔

اور حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں" ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف سے متعین ہوتا ہے" (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ۹۲)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور اس بیع کی ممانعت کا مدار دو علتوں پر ہے، ایک یہ ہے کہ قبضے سے پہلے مبیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی، لہذا یہ بات یقینی نہیں کہ وہ مشتری کو ضرور قبضہ کراوے گا، یہ غرر ہے جس کی وجہ سے جائز نہیں، اور دوسری علت ممانعت یہ ہے کہ قبضے سے پہلے مبیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی، اور" ربح مالم یضمن" جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت مولانا تقی صاحب عثمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کا مدار دو وجوں پر ہے (۱) قبضے سے پہلے مبیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی۔

لہذا یہ بات یقینی نہیں کہ وہ مشتری کو ضرور قبضہ کرا دے گا، یہ غرر ہے جس کی بناء پر جائز نہیں، بیع کی بہت سی صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان میں یہ غرر کی وجہ نہیں پائی جاتی، باوجود اس کے مبیع حساً مقبوض نہیں لیکن حکماً وہ مشتری کے تصرف میں آ جاتی ہے، لہذا ایسی صورتوں میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت نہیں پائی جائے گی۔

(۲) قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قبضے سے پہلے مبیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی اور" ربح مالم یضمن" جائز نہیں (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ۹۱)۔

اور حضور ﷺ کی احادیث: " لا یحل سلف و بیع و لا شرطان فی بیع و لا ربح ما لم یضمن و لا بیع ما لیس عندک (أخرجه الترمذی) اور إن النبی ﷺ نهی عن بیع الحصاة و عن بیع الغرر (رواه الجماعة إلا البخاری (إعلاء السنن ۱۴/۱۱۶)۔

دلالت کرتی ہیں کہ قبل القبض بیع کی نہی علت یہ ہے کہ یہ بیع غرر، یا" ربح مالم یضمن" کو مستلزم ہے، وإنما العلة المنصوصة فی ذلک ما رویناه فی حدیث عبد الله بن عمرو وهو أن البیع قبل القبض یتضمن ربح ما لم یضمن (تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۵۲)۔

وقال ابن الهمام " والحدیث معلول به أی بغرر الانفساخ ، والدلیل علیه أن التصرف الذی لا یمتنع بالغرر نافذ فی البیع قبل القبض وهو العتق و التزوج علیه (فتح ۵/۲۶۶ من تکملۃ فتح الملہم ج ۱/۳۵۳)۔

۵۔ (۱) امام احمدؒ کی اظہر روایت یہ ہے کہ نہی صرف طعام کے ساتھ خاص ہے، لہذا طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت نا جائز ہے، اور اس کے علاوہ جائز ہے، (۲) اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صرف طعام میں سے مکیلات و

موزونات میں قبل القبض ناجائز ہے، مالکیہ میں سے سحنون وابن حبیب فرماتے ہیں کہ ہر مکیلی وموزونی اور عددی میں ناجائز ہے، پھر کیا وہ طعام کے ساتھ خاص ہے ان کے یہاں یا ربویات کے ساتھ؟ تو اس میں دو قول ہیں جن کو ابی نے بیان کیا ہے (تکملہ: ۱/۳۵۰۔۳۵۱)۔

ان حضرات نے حضور ﷺ کے ارشاد "من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه" (رواه مسلم) سے استدلال کیا ہے کہ اس میں ممانعت طعام ہی پر منحصر ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس میں طعام کی صراحت کی ہے (تکملہ ۱/۳۵۱)۔

(۳) امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر چیز کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت۔ (خواہ وہ طعام ہو، یا غیر طعام، منقول ہو، یا غیر منقول) حرام ہے اور یہی امام احمدؒ کی ایک روایت ہے۔

ان حضرات نے حضور ﷺ کی حدیث "فان رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع ، حتى يحوزها التجار إلى رحالهم" (رواه ابو داؤد) اور حکیم ابن حزام کے جواب میں منقول حضور ﷺ کا ارشاد "يا ابن اخي ، لا تبيعن شيئا حتى تقبضه" وفي رواية أبان : إذا إشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه (رواه البيهقي ، وابن حبان و احمد في مسنده) سے استدلال کیا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں حکم، طعام اور منقول کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر چیز میں حکم عام ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث لا يحل سلف و بيع و لا شرطان في بيع و لا ربح ما لم يضمن و لا بيع ما ليس عندك سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اس میں حضور ﷺ نے اس میں "ربح مالم یضمن" سے منع کیا ہے اور قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اس کو متضمن ہے، اور یہ علت طعام اور غیر طعام کو عام ہے (تکملہ ۱/۳۵۲)۔

(۴) امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تمام منقولات میں قبل القبض بیع ناجائز ہے، اور اس عقار میں جس میں ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہے جائز ہے کما فی (فتح القدیر ۵/۲۶۶)

شیخینؒ انہی تین احادیث سے استدلال کرتے ہیں (جن سے امام شافعی اور امام محمد استدلال کرتے ہیں) لیکن عقار وغیر منقول کو عموم نہی سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اسلئے کہ نہی کی علت اس میں منتفی ہے، اسلئے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ قبل القبض مبیع کی بیع سے نہی میں علت یہ ہے کہ یہ بیع "ربح مالم یضمن" کو مستلزم ہے، اور انسان صرف اس چیز کا ضامن ہوتا ہے جس میں ہلاکت کا خوف ہو اور عقار میں اس کا خوف نہیں ہے مگر نادر، حتی کہ اگر اس میں ہلاک ہونے کا خوف ہو تو قبل القبض بیع جائز نہیں، جیسے سمندر کے کنارے پر جو عقار ہو اس میں قبل القبض بیع جائز نہیں، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے: (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰۔۳۵۳ للشيخ محمد تقي عثماني مد ظله)۔

۲۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے فون، یا فیکس کے ذریعہ مال خرید کر اپنے قبضہ میں لئے بغیر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور مال براہ راست فیکٹری سے مشتری ثانی کے یہاں روانہ کر دیتا ہے، اس صورت میں اس

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی بحث

مولانا ابوالحسن علی عمر وجی، گجرات

۱۔ بیع قبل القبض کے سلسلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف:

احناف کی رائے:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اور غیر منقولہ جائداد وغیرہ کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

شوافع کی رائے:

استقرار (قبضہ) سے پہلے بیع درست نہیں ہے، خواہ اشیاء منقولہ ہو یا غیر منقولہ، احناف میں سے امام محمد کا بھی یہی مذہب ہے۔

مالکیہ:

صرف طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اور اس کے علاوہ کی بیع جائز ہے۔

حنابلہ:

مکیلی اور موزونی اور معدودی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اور اس کے علاوہ میں جائز ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی نے شرح مہذب کے حوالے سے اختلاف ائمہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے (اعلاء السنن ۱۴ر ۲۴۷)۔

شوافع کے نزدیک یہ بیع باطل ہے جیسے کہ امام نووی کی عبارت "وقد ذكرنا أن مذهبنا بطلانه مطلقا" کے الفاظ سے ظاہر ہے "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" میں بھی باطل ہی کا لفظ ہے فاذا اشترى شيئا منقولا كان أو غيره ولم يتسلمه ثم باعه وقع البيع باطلا (۲۳۶/۲)۔

مگر احناف نے اس کو بیع فاسد میں شمار کیا ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

فقہاء احناف کے نزدیک قبضہ کا مفہوم وسیع ہے، کیونکہ عند الاحناف قبضہ کا حاصل صرف تخلیہ ہے، اور تخلیہ کا حاصل یہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان باعتبار حقیقت، یا باعتبار عرف وعادت ایسا کوئی مانع اور حائل نہ ہو جو مشتری کو

عرفی قبضہ کرنے سے اور اس میں تصرف کرنے سے روک سکے، بلکہ مبیع اس حال میں ہو کہ مشتری اگر اس میں تصرف کرنا چاہے تو آزادی کے ساتھ اس میں تصرف کر سکے اگرچہ مبیع ابھی بائع کے پاس ہی موجود ہو۔

وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع و بين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضا (بدائع ۲۴۴/۵)۔

اور دوسری جگہ لکھا ہے: لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا و عادة حقيقة (بدائع ۱۴۸/۵)۔

ولهذا كانت التخلية تسليما و قبضاً فيما لا مثل له (بدائع ۲۴۴/۵)۔

ایک شیٔ بائع کے پاس ہونے کے باوجود اس پر مشتری کا قبضہ شمار کیا جا سکتا ہے جبکہ معاملہ ہو چکا ہو اور تخلیہ بھی ہو، بدائع میں ایک مسئلہ لکھا ہے: ولو اشترى من إنسان كرّا بعينه و وقع غرائره و أمره بأن يكيل فيها ففعل صار قابضا سواء كان المشتري حاضرا أو غائبا لأن المعقود عليه معين وقد ملكه المشتري بنفس العقد فصح أمر المشتري لأنه تناول عينا هو ملكه فصح أمره و صار البائع وكيلا له و صارت يده يد المشتري و كذلك الطحن إذا طحنه البائع بأمر المشتري صار قابضا (بدائع ۲۴۷/۵)۔

اور بحر الرائق میں ہے: و ذكر في الذخيرة إذا اشترى ما هو أمانة في يده من وديعة أو عارية فإنه لا يكون قابضا إلا إذا ذهب المودع أو المستعير إلى العين وانتهى إلى مكان يتمكن من قبضها فيصير الآن قابضا بالتخلية، (البحر الرائق ۸۷/۶، وکذا فی رد المحتار ۱۱۲/۴)۔

شوافع کے یہاں قبضہ کی تفسیر مبیع کو اس کی جگہ سے منتقل کر کے اپنے مقام تک پہونچانے سے کی جاتی ہے: وقال الشافعي القبض في الدار و العقار و الشجر بالتخلية و اما في الدراهم و الدنانير فتناولها بالبراجم و في الثياب بالنقل (بدائع ۱۴۸/۵)۔

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں: قال الموفق في المغني و قبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله و وزنه و بهذا قال الشافعي وقال أبو حنيفة: التخلية في ذلك قبض، وقد روى أبو الخطاب عن احمد رواية أخرى: أن القبض في كل شئ بالتخلية مع التمييز لأنه خلى بينه و بين المبيع من غير حائل فكان قبضاً له (اعلاء السنن ۱۵۴/۱۴)۔

حاصل یہ ہے کہ کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت تو متعین نہیں کیا ہے لیکن ایسے اصول وقواعد اور ان کی مثالیں ضرور بیان کر دیا ہے جن سے ہر زمانہ میں ہم اس کی تعیین کر سکتے ہیں، اور اس کا زیادہ تر مدار عرف وعادت پر ہے، لیکن اس میں عرف کی حیثیت شرعیہ ملحوظ رکھتے ہوئے اعتبار ہوگا، مطلقاً عرف کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۳۔ منقول اور غیر منقول اشیاء میں فرق:

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، البتہ غیر منقولہ چیزوں کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، اور امام محمد کے نزدیک دونوں کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے۔ شیخین کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ زمین جائداد وغیرہ میں ہلاکت شاذ و نادر ہے، اسلئے اس کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، اور اشیاء منقولہ میں ہلاکت کا خطرہ زیادہ ہے، اس لئے اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہوگی، ہدایہ میں ہے: ولا غــرر فيــه لأن الهلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول، والغرر المنهی عنه غرر انفساخ العقد.

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ غیر منقول اشیاء میں بیع قبل القبض کے جواز کی علت ہلاکت کے خطرہ کا کم ہونا ہے، اور عقد کو فسخ کرنے والے غرر کا نہ ہونا ہے، اور ماقبل میں قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ عندالاحناف قبضہ کی تعریف میں بہت وسعت ہے، لہذا بظاہر دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

البتہ منقول اشیاء کے اندر ہلاکت کا خطرہ اور فسخ بیع کا امکان زیادہ ہے، اسلئے اس میں اس پہلو کا لحاظ کرتے ہوئے قبضہ کی تعیین کی جائے گی جبکہ غیر منقول اشیاء کے اندر وسعت کا پہلو تھوڑا رہے گا اسباب مذکورہ کے معدوم ہونے کی وجہ سے، لیکن علامہ ابن ہمام نے اشیاء غیر منقولہ کو بھی اشیاء منقولہ کی طرح (ہلاکت کے خطرہ کی صورت میں) قبل القبض بیع کرنے سے منع فرمایا ہے: وهذا لأنه لا يتصور هلاكه إلا إذا صار بحرا أو نحوه، حتى قال بعض المشائخ إن جواب أبى حنيفة فى موضع لايخشى عليه أن يصير بحرا أو يغلب عليه الرمال، فأما فى موضع لا يؤمن عليه ذلک فلا يجوز كما فى المنقول ذكره المحبوبی، وفى الاختيار حتى لو كان على شط البحر أو كان المبيع علوا لا يجوز بيعه قبل القبض (فتح القدیر ۶/۵۱۳ مطبوعہ دارالفکر)۔

لہذا منقول اور غیر منقول اشیاء میں نوع اور کیفیات کے بدلنے سے حکم میں تبدیلی بھی آسکتی ہے، اگرچہ عام حالات میں دونوں کے درمیان حکم میں فرق ہی رہے گا۔

۴۔ احادیث کا معلول بالعلۃ ہونا:

صاحب ہدایہ نے بیع العقار میں شیخین کے دلائل کا ذکر کرتے ہوئے امام محمد کے جواب میں فرمایا کہ حدیث معلول بالعلۃ ہے: والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز۔

علامہ ابن ہمام نے اس کی علت میں فرمایا: (معلول به) أى بغرر الانفساخ، والدليل عليه أن التصرف الذى لايمتنع بالغرر نافذ فى البيع قبل القبض وهو العتق والتزوج عليه (فتح القدیر ۶/۵۱۳)۔

صاحب عنایہ نے وضاحت کے ساتھ علت غرر کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب زمین وغیرہ میں ہلاکت نادر ہے تو عقد کے فسخ ہونے کا غرر جس سے روکا گیا ہے وہ منتفی رہے گا، اور حدیث شریف "معلول بالانفساخ"

امام اعظم اور امام ابو یوسف اشیاء منقولہ کو "نهی عن بیع ما لم یقبض" کی وجہ سے ناجائز قرار دیتے ہیں اور اشیاء غیر منقولہ کو علت عدم غرر کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ غیر منقول اشیاء کی بیع میں ایجاب و قبول اہل کی طرف سے محل بیع میں صادر ہوا اور منقول چیزوں میں جو مانع تھا "غرر انفساخ العقد" وہ یہاں متحقق نہیں ہے لہذا بیع جائز ہونی چاہئے (فتح القدیر ۶/۵۱۲)۔

مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں: الا أن أبا حنيفة وأبا يوسف خصا النصوص بالمنقول بعلة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاك قبل القبض و محمد أجراها على عمومها، والشافعي خصها بما لم يكن متميزا وهو اختلاف الاجتهاد (اعلاء السنن ۱۴/۲۳۲)۔

امام اعظم کی دلیل حضرت عثمان ابن عفان کی وہ روایت بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے اپنی کوفہ والی زمین کو دیکھے بغیر فروخت کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کو قبل القبض ہی فروخت کر دیا، کیونکہ قبضہ رؤیت کو مستلزم ہے۔

مولانا ظفر احمد تھانوی اعتراض نقل کرتے ہیں کہ کوئی اگر یوں کہے کہ حضرت عثمان نے وکیل کی معرفت قبضہ کیا ہو گا تو ہم اس کا جواب دیں گے کہ وکیل کی رؤیت بھی موکل کی ہی رؤیت ہے اور طحاوی روایت میں تو اس احتمال کو دور کرنے والا لفظ موجود ہے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں: "بعتك ما لم تره فبطل احتمال رؤيته بواسطة الوكيل وقبضه بقبضه" حضرت عثمان کی روایت کی شرح مہذب میں مسلم شریف کے حوالے سے نقل کر کے اس میں ایک راوی کے مجہول اور مختلف الاحتجاج ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں: قلت و مسلم لا يروى عن مجهول و لا لمجهول فالحديث حسن حجة (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۹)۔

امام مالک نے جس حدیث پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے اس کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ یہ حدیث ایک خاص حکم سے متعلق ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں دیگر عام حدیثیں بھی موجود ہیں، کیونکہ حضرت ابن عمر والی حدیث جس سے امام مالک نے استدلال کیا ہے وہ حدیث حضرت ابن عباس سے بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے جس میں راوی حدیث ابن عباس فرماتے ہیں کہ: ولا أحسب كل شيء إلا مثله (بخاری شریف کتاب البیوع ۱/ ۲۸۶) پر یہ حدیث موجود ہے، مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۵ پر بھی یہ حدیث موجود ہے اور اسی طرح کی ایک روایت "ابو داؤد" میں بھی ابن عمر سے مروی ہے جس میں نهي عن بيع ما لم يقبض کا لفظ موجود ہے (نصب الرایہ ۴/ ۳۹ - ۴۰)۔

شوافع کی مستدل روایت جو حکیم ابن حزام سے مروی ہے اس پر محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن ابن ہمام نے رجال پر گفتگو کرتے ہوئے حدیث بالا کو حجت قرار دیا ہے "والحق أن الحديث حجة والذي قبله كذلك" لیکن عموم کی تخصیص کی دلیل کا ذکر کیا ہے: والحاجة بعد ذلك إلى دليل التخصيص لغير العقار لأبي

حیقة ما یذکر هناک، والأحادیث کثیرة فی هذا المعنی (فتح القدیر ۶؍۵۱۲)۔

۲۔ قبضہ ضمان:

فقہاء کرام نے قبضہ کی تشریح کی ہے اور اس سلسلہ میں جو جزئیات ذکر فرمائے ہیں، اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ حسی کا ہونا ضروری نہیں ہے (شامی ۴؍۴۷، ۲۹)۔

قبضہ کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فقہاء کرام نے اس کی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) اول قبضہ ضمانت (۲) دوم قبضہ ضمان۔ اور پھر قبضہ ضمان کی دو قسمیں ہیں: (۱) اول ضمان بالنفس (۲) دوم ضمان بالغیر۔ ان میں سے ہر ایک کا حکم بھی جداگانہ ہے۔

۱۔ مشتری کو اگر مبیع پر پہلے سے قبضہ حاصل ہے اور وہ قبضہ ضمان بنفسہ کا ہے، مثلاً غاصب کا قبضہ شئی مغصوب پر، تو اس کا حکم یہ ہے کہ مبیع موجود ہو یا نہیں، بہر حال سابق قبضہ ہی جدید قبضہ کے لئے کافی ہوگا، اور نئے سرے سے قبضہ کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ غاصب کا ضمان بنفسہ ہے اور مغصوب شئی بصورت بنفسہ ہے۔

۲۔ اور اگر مبیع پر مشتری کا قبضہ ضمان بالغیر کا ہے، مثلاً شئی مرہون پر راہن کا قبضہ، تو رہن امانت ہوتا ہے، البتہ مضمون بالغیر ہوتا ہے یعنی قرض کی وجہ سے، گویا کہ وہ مضمون بالغیر تو ہے مگر مضمون بنفسہ نہیں ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شئی مرہون موجود ہو تو یہ قبضہ جدید قبضہ کی طرف سے کافی ہوگا، ورنہ نہیں۔

۳۔ اور اگر مبیع پر مشتری کا قبضہ قبضہ امانت ہے، مثلاً عاریت، ودیعت وکالت اور اجارہ کا قبضہ، تو یہ سارے قبضے قبضہ امانت کہلاتے ہیں، اور ان کا حکم یہ ہے کہ امانت والے قبضے ضمان والے (بیع کیلئے) قبضہ کیلئے کافی نہ ہوں گے، بلکہ تجدید قبضہ ضروری ہوگا (بدائع الصنائع ۵؍۲۴۸، شامی ۴؍۴۹، ۲۹)۔

شامی میں ان تمام جزئیات کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: و حاصله أن التخلیة قبض حکما مع القدرة علیه بلا کلفة لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع ففی نحو حنطة فی بیت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمکنه الفتح بلا کلفة قبض، و فی نحو دار فالقدرة علی إغلاقها قبض، أی بأن تکون فی البلد فیما یظهر. وفی نحو بقر فی مرعی فکونه بحیث یری و یشار إلیه قبض الخ" (شامی ۴؍۴۹، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ پاکستان)۔

ان تمام مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بائع نے حسی قبضہ نہ کیا ہو لیکن وہ ضامن ہو گیا ہو تو اس کو قبضہ ضمان کے درجہ میں شمار کر کے خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

۷۔ صورت مسئولہ میں جب مشتری کا کسی قسم کا قبضہ پایا ہی نہیں جاتا اور اس سے پہلے ہی بائع اپنے ضمان سے بری ہو جاتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے، لہذا بائع کیلئے ایسا سودا کرنا جائز نہیں ہے، اور جب مشتری اس کا مالک نہیں ہوتا ہے تو یہ بیع "بیع معدوم مالیس عندک" اور "بیع مالم یقبض" کے درجہ میں رکھتے ہوئے اس کیلئے بھی کسی تیسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اور اس کا حکم

مولانا عبدالرحمن پالنپوری پھاپی۔ گجرات

۱۔ اشیاء منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے اور اس کا شمار بیع فاسد میں ہوگا۔ اور اشیاء غیر منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت شیخین کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ مبیع کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو۔ ''مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر'' میں ہے: لا يصح بيع المنقول قبل قبضه لنهيه عليه الصلوة و السلام عن بيع ما لم يقبض، ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك ..... و يصح في العقار أي يصح بيع عقار لا يخشى هلاكه قبل قبضه عند الشيخين، خلافا لمحمدؒ و هو قول زفرؒ و الشافعيؒ عملاً بإطلاق الحديث، ولهما أن ركن البيع صدر عن أهله في محله ولا غرر فيه لأن الهلاك بالعقار نادر حتى إذا تصور هلاكه قبل القبض لا يجوز بيعه (۷۹-۸۰)۔

اور ردالمحتار میں ہے: (قوله ونفي الصحة) أي الواقع في المتن يحتملهما أي يحتمل البطلان و الفساد والظاهر الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركني البيع و كثيرا ما يطلق الباطل على الفاسد، أفاده ط. (شامی مصری ۵/۱۲۸)۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ مبیع قریب میں ہو اور بائع مشتری اور مبیع کے درمیان اس طرح تخلیہ کردے کہ بغیر کسی مانع وحائل کے مشتری کیلئے مبیع پر قبضہ کرنا ممکن ہو اور بائع مشتری کو مبیع لے لینے کا حکم دیدے، تو مبیع مشتری کے قبضہ میں شمار ہوگی، چاہے مشتری مبیع کو اپنے تصرف وعمل دخل میں نہ لے، درمختار میں ہے: ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل وشرط في الأجناس شرطا ثالثا وهو أن يقول خليت بينك و بين المبيع فلو لم يقله أو كان بعيدا لم يصر قابضا (۴/۵۶۱-۵۶۲)

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، دونوں میں قبضہ کی ایک ہی صورت ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کا مدار دو وجہوں پر ہے، (۱) قبضہ سے پہلے مبیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی، لہذا یہ بات یقینی نہیں کہ وہ مشتری کو ضرور قبضہ کرادے گا، یہ غرر ہے جس کی بناء پر جائز نہیں (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی اور ''ربح مالم یضمن'' جائز نہیں۔ (مستفاد از اسلام اور جدید معیشت وتجارت ۹۱)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام ہے یا خاص اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی آراء درج ذیل ہیں: طعام کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت پر علماء کا اتفاق ہے، طعام کے علاوہ میں چار مذاہب ہیں (۱) امام شافعی

اور امام محمدؒ کے نزدیک کسی چیز کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے (۲) اور امام احمد بن حنبلؒ کی زیادہ ظاہر روایت میں صرف طعام کو قبل القبض بیچنا جائز نہیں، طعام کے علاوہ جائز ہے، (۳) امام مالکؒ کے نزدیک صرف طعام میں سے مکیلات وموزونات میں قبل القبض بیع ناجائز ہے اور (۴) امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تمام منقولات میں قبل القبض بیع ناجائز اور غیر منقولات میں سے جس میں ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو ان میں قبل القبض بیع جائز ہے۔ (إعلاء السنن ۱۴/ ۳۵۰، تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۱)۔

امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کے دلائل: حدیث ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قال: "من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یقبضه" رواه البخاری "و مسلم، اور حدیث جابرؓ عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ "إذا ابتعت طعاما فلا تبعه حتی تستوفیه" رواه مسلم، اور حضرت ابن عباسؓ کا فرمان: أما الذی نهی عنه النبی علیه الصلوة والسلام فهو الطعام أن یباع حتی یقبض (إعلاء السنن ۱۴/ ۲۲۷-۲۲۸) وغیرہ مذکورہ احادیث ہے، جن میں نہی طعام ہی پر مقصور ہے، لہذا امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ نے نہی کو طعام کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔

اور امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے دلائل: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث: "فإن رسول الله ﷺ نهی أن تباع السلع حیث تبتاع، حتی یحوزها التجار إلی رحالهم" رواه ابو داؤد، اور حکیم ابن حزامؓ کو حضور ﷺ کا ارشاد: یا ابن أخی، لا تبیعن شیئاً حتی تقبضه"، اور ابان کی روایت میں ہے: "إذا اشتریت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه" ان احادیث میں نہی کا حکم طعام و منقول کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ نہی کا حکم ہر بیع میں عام ہے، اور امام شافعیؒ و امام محمدؒ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت کردہ حضور ﷺ کا ارشاد: "لا ربح ما لم یضمن" سے استدلال کرتے ہیں، وجہ استدلال اس طرح ہے کہ حضور ﷺ نے "ربح مالم یضمن" سے منع فرمایا ہے، اور "بیع قبل القبض ربح ما لم یضمن" کو متضمن ہے، اس لئے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت مشتری کے ضمان میں آتی ہی نہیں، پس اگر قبل القبض بالربح بیچے گا تو وہ "ربح مالم یضمن" ہوگا اور یہ علت طعام وغیر طعام ہر ایک کو عام ہے، لہذا تمام اشیاء، طعام، یا غیر طعام، منقول، یا غیر منقول سب کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہوگی۔ (المستفاد من تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۲-۳۵۳)۔

امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ مذکورہ امام شافعیؒ و امام محمدؒ کے مستدلات ہی سے استدلال کرتے ہیں، مگر عقار، غیر منقول کو عموم نہی سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اسلئے کہ نہی کی علت عقار میں معدوم ہے، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کی علت "ربح مالم یضمن" کا لزوم ہے، اور انسان صرف اسی چیز کا ضامن ہوتا ہے جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو، اور عقار میں ہلاکت کا خوف نہیں ہے مگر نادر، حتیٰ کہ اگر عقار میں ہلاکت کا خوف ہو تو شیخینؒ کے نزدیک قبل القبض اس کی بیع جائز نہیں ہے، جیسے سمندر کے کنارے پر جو عقار ہو اس میں قبل القبض بیع جائز نہیں ہے۔ (إعلاء السنن ۱۴/ ۲۲۷-۲۳۱، تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۰-۳۵۳)۔

۶۔ صورت مسئولہ میں مبیع خریدار سے قریب نہ ہونے کی وجہ سے خریدار کا نہ حسی قبضہ پایا گیا اور نہ حکمی قبضہ اس لئے خریدار اول کے لئے دوسرے خریدار کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، شامی میں ہے:

لأن إذا كان قريبا يتصور فيه القبض الحقيقي فتقام التخلية مقام القبض، أما إذا كان بعيدا لا يتصور فيه القبض في الحال فلا تقام التخلية مقام القبض ..... لأن المعتبر فيها القرب الذي يتصور معه حقيقة القبض كذا علمته من كلامهم (الخانية ۴/۵۶۲_۵۶۳)۔

۷۔ اس صورت میں بھی قبل القبض بیع کرنا ہے لہٰذا یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے (حوالہ سابق)۔

سوال (۶) اور (۷) میں مذکورہ دونوں صورتوں کے جواز کیلئے دو صورتیں اختیار کی جائیں جو حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے احسن الفتاویٰ میں تحریر فرمائی ہیں کہ (۱) جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی کو یا باربردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے، اس کے قبضہ کے بعد بیع ہو سکتی ہے (۲) خریدار کو وکیل بالقبض بنادے اور مال پہنچنے سے پہلے بیع نہ کرے بلکہ وعدہ بیع کرے، بیع مال پہنچنے کے بعد کرے، اس صورت میں جائز ہے۔ یہاں تک کہ انکار کردے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا، اگر خریدار (اول) مال پہنچانے کا کرایہ ادا کرتا ہے تو اس نے اپنی طرف سے بائع کو کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دیدینا مشتری کا قبضہ شمار ہوگا، اگرچہ مشتری نے کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد بیع جائز ہوگی۔

قال في الهندية: إذا قال المشتري للبائع ابعث إلي ابني واستأجر البائع رجلا يحمله إليه، فهذا ليس بقبض والأجر على البائع إلا أن يقول استأجر من يحمله، فقبض الأجير يكون قبض المشتري إن صدقه أنه استأجره ودفع إليه، وإن أنكر استيجاره والدفع إليه، فالقول قوله، كذا في الخلاصة (عالمگیریہ ۳/۱۹)(احسن الفتاویٰ ۶/۵۳۱)۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا شرعی حکم

مولانا ارشاد قاسمی، ریاض العلوم، جونپور

قبضہ شرعی کے حاصل ہونے سے قبل خریدار کا مال فروخت کر دینا جائز نہیں ہوگا، اور اس کی بیع از روئے شرع یا از روئے قواعد فقہیہ فاسد ہوگی۔ اور اس پر بیع فاسد کے احکام جاری ہوں گے۔

فاسد ہونے کی دلیل:

قبضہ شرعی سے قبل فروخت کرنے کی صورت میں فسخ عقد کا غرر ہے، کہ مبیع (خریدی ہوئی چیز) جو ابھی اس کے قبضہ میں نہیں آئی ہے شاید نہ آ سکے اور ضائع ہونے کی وجہ سے عقد ختم ہو جائے۔ اور غرر کی اس کیفیت سے بیع فاسد ہوگی۔ جیسا کہ غرر اور اس کی تفصیل کے ذیل میں اس کی مفصل بحث کی گئی ہے۔ محقق ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

لأن فيه غرر انفساخ العقد الأول على اعتبار هلاك المبيع قبل القبض فتبين حينئذ انه باع ملك الغير بغير إذنه و ذلك مفسد للعقد (۵۱۲/۶)۔

علامہ بدر الدین العینی الحنفی اس کی علت فساد پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ شرعی سے قبل مشتری کا فروخت کرنا "ربح مالم یضمن" میں داخل ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے ضمان میں آنے سے قبل فروخت کرنے اور نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا۔ اور نہی مقتضی فساد ہے لہٰذا اس سے بیع فاسد ہوگی۔ چنانچہ ہدایہ کی شرح البنایہ میں لکھتے ہیں:

والجامع اشتمالهما على ربح مالم يضمن فان المقصود من البيع الربح والربح مالم يضمن نهي عنه شرعا والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسدا قبل القبض لأنه لم يدخل في ضمانه كما في الإجارة (۳۲۲/۷)۔

نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ نہی کی علت غرر وصف ہے۔ محققین فقہاء کرام اس کی تصریح بھی کر رہے ہیں۔ چنانچہ ابن ہمام کا قول ابھی گذرا۔ لأن فيه غرر انفساخ العقد الأول۔ اسی طرح عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: لأن فيه غرر الانفساخ بالهلاك والاستحقاق (ص ۵۱۲) نہی کی علت منصوص کی وضاحت کرتے ہوئے عالم عرب کے مشہور محقق فقیہ علامہ زحیلی الفقہ الاسلامی میں لکھتے ہیں: إن العلة عند الحنفية في عدم جواز بيع الشيء قبل قبضه هي الغرر (۴۴۲/۴) اور غرر جب من حیث الوصف ہوتو یہ مفسد ہے۔ چنانچہ علامہ زحیلی غرر سے فساد اور ابطال کے ضابطہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والغرر الذي يبطل البيع هو غرر الوجود وهو كل ما كان البيع فيه محتملا للوجود والعدم. اما غرر الوصف فمفسد للبيع (۴۳۷/۴)۔

معلوم ہوا کہ غرر وجود جس میں مبیع کے وجود اور عدم ہی کا علم نہ ہو بیع کو باطل کرتا ہے۔ سو یہاں غرر وجود کا

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مبیع تو موجود ہے اس کے وجود نے بیع اول کو جائز قرار دیا ہے۔ البتہ یہ احتمال ہے کہ جس کا وجود ثابت ہو چکا ہے آیا قبضہ میں بھی آسکے گی یا نہیں، ملے گی یا ہلاک ہو جائے گی، یہ غرر وصف ہے۔ اور غرر وصف سے بیع فاسد ہوتی ہے۔ علامہ زحیلی نے اس نہی کو سبب فساد قرار دیا ہے:

قال الحنفية لا يجوز التصرف في المبيع المنقول قبل القبض لأن النبي ﷺ نهى عن بيع مالم يقبض والنهي يوجب الفساد المنهي عنه (ص ۴۷۷) اس سے بھی معلوم ہوا کہ نہی شارع کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہوگی۔ اس سے زیادہ واضح طور پر علامہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ کے اس مقام پر بیان کیا ہے جہاں وہ ترتیب سے بیع فاسد کو شمار کرا رہے ہیں۔ اس میں انہوں نے بیع الشئ المملوک قبل القبض کو بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ صفحہ ۳۰۴ جلد ۳ میں اسے بیع فاسد کی فہرست میں شمار کراتے ہیں۔

عنایہ شرح ہدایہ میں بھی صراحتاً اس بیع کو بیع فاسد قرار دیا گیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسدا قبل القبض لأنه لم يدخل في ضمانه (حاشیہ فتح القدیر ۵۱۴/۶) صاحب در مختار علامہ حصکفی نے بھی مواہب کے حوالے سے اسے فاسد ہی قرار دیا ہے۔ وفي المواهب وفسد بيع المنقول قبل قبضه (مصری نسخہ ۱۴۸/۵) علامہ شامی نے بھی غرر کو فساد کی علت قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: لأن علة الفساد الغرر (۱۴۸/۵) اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی قبل القبض کی علت غرر ہے جو سبب فساد ہے۔

محقق طحطاوی نے بھی الدر المختار کے حاشیہ طحطاوی علی الدر میں اسے فاسد قرار دیا ہے۔ چنانچہ صاحب الدر کے قول "وفسد بيع المنقول" کے تحت لکھتے ہیں:

وإنما جاء الفساد من جهة أخرى وهو الغرر أي غرر انفساخ العقد بهلاكه (۱۰۰/۳)

علامہ طحطاوی نے صاحب الدر کے قول فساد کو صحیح قرار دے کر اس کی علت اور وجہ بیان کی ہے کہ فساد کا سبب غرر ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے باطل ہونے پر تحقیق وتنقیح:

خیال رہے کہ بعض فقہاء نے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو باطل بھی قرار دیا ہے۔ مگر یہ تحقیق اور اصول کے اعتبار سے درست نہیں۔ اہل تحقیق نے خود اس کی تردید کی ہے۔ چنانچہ جوہرہ کے حوالے سے درمختار میں ہے: بخلاف بيعه قبله فإنه باطل مطلقا۔ صاحب درمختار علامہ حصکفی خود اس سے متفق نہیں وہ "قلت" سے اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں: وفي المواهب وفسد بيع المنقول قبل قبضه۔ علامہ شامی دونوں قولوں کو سامنے رکھ کر تحقیق فیصلہ فرماتے ہیں: والظاهر هو الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر۔ اب رہی بات کہ پھر اسے باطل کیوں قرار دیا تو علامہ شامی اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وكثيرا ما يطلق الباطل على الفاسد۔

ربح مالم یضمن:

نہی قبل القبض کی ایک علت جس کی وجہ سے یہ نہی واقع ہوئی ہے "ربح مالم یضمن" ہے۔ یعنی ضمان میں آنے سے قبل اسے فروخت کرتا اور اس سے نفع حاصل کرتا ہے۔ اور حدیث پاک میں ربح مالم یضمن کی نہی آئی ہے۔

چونکہ قبضہ شرعی سے شئے ضمان میں داخل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعضوں نے قبضہ کی تشریح ضمان سے اور "لم یقبض" کی شرح "لم یضمن" کے ساتھ کی ہے۔

ضمان سے قبضہ کا تحقق ہو جائے گا:

کسی شئے کا ضمان میں آنا گویا کہ اس کے قبضہ میں آنا ہے۔ چنانچہ ضمان سے قبضہ کو ثابت کرتے ہوئے علامہ زحیلی الفقہ الاسلامی میں لکھتے ہیں: فاما ان تكون يد ضمان بنفسه كيد الغاصب فيصير المشترى قابضا للمبيع بنفس العقد (۲۲۲/۴) غاصب کے مثل اگر ضمان میں آ جائے تو اس سے مشتری قابض ہو جائے گا۔ اس عبارت سے یہ بات بالکل صاف واضح ہوتی ہے۔ ضمان اور قبضہ ایک دوسرے کے لئے معاملات بیع میں لازم وملزوم ہیں۔ اور ضمان میں کسی شئے کا آ جانا قبضہ کو ثابت کر رہا ہے۔ اور اس پر خود حدیث پاک شاہد ہے۔ اور اسی کو فقہاء نے بھی جا بجا اختیار کیا ہے جو ان کے بیان کردہ جزئیات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ لہذا مشتری کے ضمان میں مبیع آ جائے تو اس کا بیچنا جائز ہو جائے گا۔

اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت:

یہ واضح رہے کہ حدیث پاک میں جو قبضہ سے پہلے فروخت اور بعض تصرفات سے منع کیا گیا ہے اس میں قبضہ سے کیا مراد ہے۔ محض قبضہ حسی یعنی مشتری کے ہاتھ میں آ جانا مراد ہے، یا اس کے مفہوم میں وسعت ہے۔ اور مرادی اعتبار سے قبضہ حسی کو جس طرح یہ شامل ہے اسی طرح تحویل، تسلیم، اقرار، افراغ، ضمان وغیرہ جسے قبضہ حکمی اور معنوی سے بھی موسوم کیا جاتا ہے شامل ہے؟ ذیل میں اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اولاً قبضہ کے لغوی معنی۔ ثانیاً فقہا کی اصطلاح میں قبضہ کا مفہوم اور اس بات کی تشریح کہ قبضہ سے مراد حسی قبضہ ہی نہیں بلکہ قبضہ معنوی اور حکمی بھی ہے۔ اور دونوں قبضہ میں سے کسی قبضہ کا تحقق شارع علیہ السلام کی منع کردہ بیع سے خارج کرتے ہوئے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

قبضہ لغت میں:

قبض لغت میں متعدد معانی کے لئے آتا ہے۔ جن میں ایک معنی ملک اور تحویل میں آنا اور قبول کرنا بھی ہے (لسان العرب ۲۱۳/۷)۔

محدثین وفقہائے محققین کے یہاں قبضہ کا مفہوم ومراد:

علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ بخاری کی شرح فیض الباری میں قبضہ کے مفہوم کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وبالجملة أن القبض فى البيع والهبة والرهن يتحقق عندنا بالتخلية والتمكنة على القبض ولا يحتاج إلى القبض الحسى والنقل (۲۰۶/۳) حاصل کلام یہ ہے کہ قبضہ بیع، ہبہ، رہن میں تخلیہ اور تمکین قبضہ سے قبضہ متحقق ہو جاتا ہے۔ حسی قبضہ اور منتقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر مزید اس کی وضاحت

کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ومعناها عندي رفع علائق ملكه و تمكينه للمشتري على أن يقبضه و ذلك قد يكون بالفعل و أخرى بالقبول وتارة بالقرائن.

اور اس تمکین کی شرح ایک مثال سے کرتے ہیں۔ جسے فقہا اپنے کلام میں تمکین کو قبضہ قرار دیتے ہوئے ذکر کرتے ہیں:

ولو باع فرسا في الصحراء فإن كان المشتري أن يستطيع أن يقبضه بدون إعانة غيره تحقق القبض. فكأنهم نظروا إلى المكنة (۲/۲۰۶) جنگل میں گھوڑا بیچا اگر مشتری کسی دوسرے کی مدد کے بغیر قبضہ کر سکتا ہے تو قبضہ کا تحقق ہو جائے گا۔ علامہ ابن ہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں محیط کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں:

إن بالتخلية يقع القبض وإن كان المبيع بعيدا عنهما تخلیہ سے قبضہ ہو جاتا ہے خواہ مبیع دور ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح ابن ہمام فتح القدیر میں ایک مثال سے قبضہ حکمی سے قبضہ شرعی کے واقع ہونے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولو اشترى فرسا في حظيرة فقال البائع سلمتها إليك ففتح المشتري الباب فذهب الفرس إن أمكنه أخذها من غير عون كان قبضا (۶/۲۹۸)۔

دیکھئے اس جزئیہ میں محض قدرت اور تمکین کو قبضہ قرار دیا گیا ہے۔ ابن ہمام نے تجرید کے حوالے سے تسلیم و قبضہ کا ایک قاعدہ کلیہ ذکر کیا ہے جس سے مسئلہ بحث عنہ کے ثبوت میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

تسليم المبيع أن يخلي بينه و بين المبيع على وجه يتمكن من قبضه من غير حائل (۶/۲۹۷) سپردگی مبیع کا مفہوم یہ ہے کہ بائع مشتری کو مبیع اس طرح حوالہ کر دے کہ بغیر کسی مانع کے قبضہ ممکن ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض قدرت اور تمکین ہو جائے کہ وہ اپنے حوالے اور قبضہ میں جب جس طرح چاہے قبضہ کر سکے تو اسے قبضہ کہا جائے گا۔

چنانچہ ایک جزئیہ سے اور یہ واضح ہوتا ہے: ولو اشترى حنطة في بيت ودفع البائع المفتاح إليه وقال خليت بينك وبينها فهو قبض (۶/۲۹۷ بحر الرائق ۵/۳۳۲)۔

دیکھئے محض کنجی حوالہ کر دینا اور زبان سے کہہ دینا بھی قبضہ قرار دے دیا گیا۔

دیکھئے قبضہ نہیں کیا مگر اس کے تحت آ گیا اور اس کے اختیار میں آ گیا کہ جب چاہے وہ قبضہ حسی بھی کر سکتا ہے۔ گویا اختیار میں آ جانا قبضہ شرعی ہے۔

فقیہ کاسانی بدائع الصنائع میں قبضہ اور تسلیم کے مفہوم اور مراد کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ کی کوئی ایک ہی خاص شکل مراد نہیں بلکہ اس کے مفہوم میں وسعت ہے۔ جسے قبضہ حکمی اور معنوی سے بھی یاد کیا جا سکتا ہے۔

التسليم أو القبض. معناه عند الحنفية هو التخلي أو التخلية. وهو أن يخلي البائع بين المبيع و بين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضا له (بحوالہ الفقہ الاسلامی ص ۳۱۸)۔

ابن نجیم شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں اگر بائع کا اس کی طرف اشارہ ہو جائے اور وہ ایسے طور پر ہو کہ وہ اشارہ سے ممتاز ہو جائے تو اسے بھی قبضہ تصور کیا جائے گا۔ مثلاً وکذا لو اشتری بقرا في السرح فقال البائع اذهب فاقبض إن كان يرى بحيث يمكنه الإشارة إليه يكون قبضا (۳۲۳/۵)۔

دیکھئے اگر چہ اگاہ میں جانور ہے اور بائع کے اشارہ سے وہ ممتاز ہو جائے یعنی مبیع غیر مبیع سے علیحدہ نمایاں ہو جائے تو اسے قبضہ کہا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ قبضہ کے مفہوم میں وسعت ہے اور اس کی کوئی ایک شکل نہیں ہے کہ قبضہ کو اسی پر منحصر کیا جائے۔

علامہ شامی نے بھی قبضہ کو صرف حسی میں منحصر نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی مختلف شکلیں جسے قبضہ شرعی سے موسوم کیا جا سکتا ہے، ذکر کیا ہے۔ جس کا ماحصل تمکین اور ضمان میں آ جاتا ہے (دیکھئے رد المحتار ۵۶۱/۴)۔

علامہ شامی الدر المختار میں ایک موقع پر تخلیہ کو اجماعاً قبضہ کے معنی میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اجمعوا على أن التخلية في البيع الجائز تكون قبضا (۵۶۲/۴)۔

علامہ شامی نے ایک جزئیہ کا ذکر کیا ہے کہ مشتری نے اگر اپنا برتن بھیج دیا اور وہ خود نہ رہا اور بائع نے اس میں سامان ڈال دیا تو باوجود یکہ مشتری یا اس کا کوئی وکیل نہیں ہے پھر بھی قبضہ تصور کیا جائے گا۔ اس لئے کہ تخلیہ اور حوالہ پایا گیا۔ اور اس کے ضمان میں داخل ہو گیا۔

لو اشترى دهنا و دفع قارورة دزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشتري فهو قبض و كذا بغيبته في الأصح (۵۶۱/۴) اس سے معلوم ہوا کہ مشتری کے غائبانہ میں بھی جبکہ مشتری نے افراز کا حکم دے دیا ہو تو قبضہ شرعی ہے۔

قبضہ حکمی کی بیشتر کتابوں میں امام اعظمؒ کے نزدیک تخلیہ کے لئے عموماً ۳ شرطوں کا ذکر ملتا ہے۔ جسے قاضی خاں، علامہ شامی، صاحب بحر الرائق وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

قال أبو حنيفةؒ التخلية بين المبيع والمشتري تكون قبضا بشرائط: ثلثة أحدها أن يقول البائع خليت بينك و بين المبيع فاقبضه ويقول المشتري قد قبضت والثاني أن يكون المبيع بحضرة المشتري بحيث يصل إلى أخذه من غير مانع والثالث أن يكون المبيع مفرزا غير مشغول بحق الغير (قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۳۵۸/۲)۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے تخلیہ کے قبضہ ہونے کی ۳ شرطیں ذکر کی ہیں: (۱) بائع تخلیت کہہ دے (۲) مبیع کو مشتری بلا کسی روک و مانع کے قبضہ کر سکے (۳) مبیع غیر مبیع سے علیحدہ اور ممتاز ہو۔ خیال رہے کہ علامہ شامی نے تخلیت کے مفہوم میں لکھا ہے کہ مراد یہ لفظ نہیں ہے بلکہ اذن و اجازت

کے کلمات مراد ہیں۔ جن سے حوالہ اور قبضہ دینے کا علم ہو جائے ضروری ہے۔

ابن قدامہ نے بھی اس شرط کو ذکر کیا ہے۔ وشرط في الأجناس شرطا ثالثا وهو أن يقول خليت بينك وبين المبيع فلو لم يقله أو كان بعيدا لم يصر قابضا (ص ۵۶۱) اجناس ناطفی نے یہ شرط لگائی ہے کہ قبضہ کا اذن ہو، اگر کچھ نہ کہا یا مبیع دور ہے تو قبضہ شمار نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ تخلیہ یا قبض کے الفاظ کا کہنا ضروری نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ بائع کی جانب سے ایسی کوئی بات پائی جائے جو تمکین یا قبضہ دینے کو ثابت کرتی ہو، چنانچہ رسید یا کیش میمو کا دینا بھی اس کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی اس احتمال کو دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الظاهر أن المراد به الإذن بالقبض لا خصوص لفظ التخلية (۵۹۱/۴) مراد لفظ تخلیہ سے قبضہ کی اجازت ہے نہ کہ لفظ تخلیہ۔ معلوم ہوا کہ اس کی جانب سے اذن و اجازت ہونی کافی ہے۔ لفظ تخلیہ ضروری نہیں۔ ساری عبارتیں اس بات کی وضاحت کر رہی ہیں کہ قبضہ سے مراد حسی اور ہاتھ میں آجانا ہے۔

اشیائے منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت اور اس کا فرق:

واضح رہے کہ فقہاء کرام کے نزدیک منقول اور غیر منقول اشیاء کے درمیان فرق ہے۔ علامہ رافعی کی شرح الوجیز کے حوالے سے اعلاء السنن میں ہے:

إن كان المبيع مما لا ينقل كالدور والأراضي فقبضه بالتخلية بينه وبين المشتري وتمكنه من اليد والتصرف۔

وإن كان المبيع من المنقولات فالمذهب المشهور وبه قال أحمد أنه لا يكفي فيه التخلية بل لابد من النقل والتحويل۔ وقال مالك وأبو حنيفة أنه يكفي فيه التخلية كما في العقار (۲۳۱/۱۴) عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ تخلیہ اور تمکن حاصل ہو جائے تو دونوں میں قبضہ کا تحقق ہو جائے گا۔ تخلیہ کا مفہوم دونوں میں شامل ہے۔ جیسا کہ ابن رشد حنفی کی عبارت واضح کر رہی ہے: فإن القبض عند الحنفية يكون بالتخلية سواء كان المبيع عقارا أو منقولا (۲۱۹/۲) السید سابق اپنی کتاب فقہ السنہ میں قبضہ کی تحصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والقبض في العقار يكون بالتخلية بينه وبين من انتقل ملكه إليه على وجه يتمكن معه من الانتفاع فيما يقصد منه كزرع الأرض وسكنى المنزل والاستظلال بالشجر أو جني ثماره ونحو ذلك (۱۳۹/۳)۔

عقار (زمین و کھیت) میں قبضہ کا یہ مفہوم ہے کہ یہ تخلیہ اور حوالہ ہو جائے جس سے انتفاع ممکن اور قابو میں آجائے۔ مثلاً زمین ہو تو کھیتی کرے، مکان ہو تو بس جائے، درخت ہو تو سایہ اور پھل پر قابو پالے وغیرہ ذلک۔

اور منقول کے قبضہ کی شکل واضح کرتے ہوئے سید سابق فقہ السنہ میں ذکر کرتے ہیں:

والقبض فيما يمكن نقله كالطعام والثياب والحيوان ونحو ذلك يكون على النحو الآتي:

أولا باستيفاء القدر كيلا أو وزنا إن كان مقدرا۔

ثانيا: بنقله من مكانه إن كان جزافا

ثالثا: يرجع إلى العرف فيما عدا ذلك (۳/۱۳۹)۔

مطلب یہ ہے کہ اشیاء منقولہ مثلاً غلہ، کھانے کپڑوں وغیرہ میں قبضہ کی شکل یہ ہوگی کہ کیلی ووزنی چیزوں میں کیل ووزن ہوجائے ۔ اگر اندازے اور تخمینہ سے اس کی بیع ہوئی ہو تو اپنی تحویل میں لے لے یا اپنے پاس منتقل کر لے۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ عرف میں جس کو قبضہ تصور کیا جاتا ہو اس کا وقوع ہوجائے۔ عرف میں قبضہ کی شکل یہ ہوگی کہ کیش میمو اور رسید اس کے نام بن جائے۔ سیل ٹیکس، انکم ٹیکس کا کاغذ اس کے نام آجائے، کاغذ کے ساتھ لوگوں کی زبان پر بھی آجائے کہ یہ تو فلاں کا ہے، اس ٹیکس پرمٹ کاغذ پر اس کا نام درج ہوجائے۔

سرکاری مواخذہ، وراست ٹیکس (چنگی) وغیرہ سب اس سے متعلق ہوجائے۔ یہی ضمان میں آنے کی علامت ہے۔ اور یہی قبضہ معنوی ہے۔ صاحب الفقہ السنہ سید السابق کی اس عرفی قبضہ کے اعتبار سے حسی قبضہ کے بغیر اس کا فروخت کرنا جائز ہوگا۔

عقار کے قبضہ حکمی کے سلسلے میں فقہاء نے اس امر کا بھی اعتبار کیا ہے کہ اگر قریب ہے تو تخلیہ اور تمکین قبضہ شمار ہوگا، اور اگر بعید ہے تو تخلیہ قبضہ نہ ہوگا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: والصحيح ما ذكر في ظاهر الرواية لأنه إذا كان قريبا يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض أما إذا كان بعيدا لا يتصور القبض في الحال فلا تقام التخلية مقام القبض (۴/۵۶۱) صاحب درمختار نے بھی اسی قریب وبعید کا فرق ملحوظ رکھا ہے: و كان بعيداً لم يصر قابضاً (۴/۵۶۱)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ محیط وجامع شمس الائمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیہ مطلقاً قبضہ ہے، خواہ قریب ہو یا بعید ہو۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: و مقابله ما في المحيط وجامع شمس الأئمة أنه بالتخلية يصح القبض وإن كان العقار بعيدا غائباً عنهما عند أبي حنيفة (۴/۵۶۱)۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کی احادیث معلول بالعلۃ ہیں:

احادیث پاک میں جو قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کی روایتیں پائی جاتی ہیں وہ جمہور فقہاء محدثین کے نزدیک معلول بالعلۃ ہیں۔ اور اس پر تمام محققین فقہاء کے اقوال شاہد ہیں جن کی تفصیل یہاں پیش کی جاتی ہے:

صاحب ہدایہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی احادیث کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز۔ اور اس کی شرح کرتے ہوئے ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: والحديث الذي استدل به معلول به أي بغرر الانفساخ (۶/۵۱۳) اور اس معلول بالعلۃ کی دلیل واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والدليل عليه أن التصرف الذي لا يمتنع بالغرر نافذ في المبيع قبل القبض وهو العتق والتزوج عليه (۶/۵۱۳)۔

یعنی چونکہ حدیث معلول بالعلۃ ہے، کہ عدم جواز کی علت غرر انفساخ اور ہلاکت ہے۔ اور یہ بات حق اور تزوج میں نہیں پائی جاتی۔ اس علت کے پیش نظر قبل القبض حق اور تزویج جائز ہوگا۔ کیونکہ اس میں غرر اور ہلاکت کا احتمال نہیں۔ صاحب عنایہ ابن نجیم مصری اور اکثر اہل علم نے اس حدیث کے معلول ہونے کی صراحت کی ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلے میں احناف کا مسلک اور دلائل:

خیال رہے کہ امام محمد اور امام زفر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی کے سلسلہ میں عموم کے قائل ہیں۔ خواہ منقولات میں سے ہو یا عقار میں سے ہو، کسی کی بھی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست نہیں ہے۔ یہی قول حضرت امام شافعی کا ہے۔ امام ابو یوسف کا بھی قول اول یہی ہے۔ ابن ہمام فتح القدیر میں امام محمد کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رجوعا إلى إطلاق الحديث يعني عمومه .. وهو ما في حديث حكيم من قوله ﷺ لا تبيعن شيئا حتى تقبضه .. وللنهي عن ربح مالم يضمن .. ولو باع العقار بربح يلزم ربح مالم يضمن .. ولأن السبب هو البيع إنما يتم بالقبض ولهذا جعل الحادث بعد العقد قبل القبض كالحادث عند العقد .. والملك متأكد بتأكد السبب وفي هذا العقار والمنقول سواء۔

مطلب یہ ہے کہ نہی عام ہے، تمام اشیاء کو شامل ہے۔ مزید یہ کہ اس نہی کی علت خود حدیث پاک میں ہے کہ ربح مالم یضمن ممنوع ہے درست نہیں، لہذا عقار کی بیع قبضہ سے پہلے ربح مالم یضمن میں داخل ہو کر ناجائز ہوگی۔ مزید یہ کہ بیع کا اتمام قبضہ سے ہوتا ہے۔ اور جب قبضہ سے اتمام بیع ہوتا ہے تو اتمام بیع سے قبل اس کا تصرف کیسے درست ہوگا۔ تاوقتیکہ ملک جس کا سبب بیع ہے قبضہ سے تام اور مکمل نہ ہوگی، بیع درست نہ ہوگی۔ اور یہ علت منقول اور عقار دونوں کو شامل ہے، لہذا منقول و غیر منقول کسی کی بھی بیع جائز نہ ہوگی۔

شیخین کا قول مع دلائل:

حضرات شیخین قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی والی حدیث کو اشیائے منقول کے ساتھ خاص مانتے ہیں۔ اور اس نہی کا محل اشیائے منقول یا جو ہلاکت کے گمان غالب میں ہے اسے مانتے ہیں اسی وجہ سے زمین و کھیت کی بیع کو قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں۔ یہی مسلک حنابلہ کا، مالکیہ کا، امام بخاری کا، عثمان البتی کا اور علامہ نووی کے مطابق بیشتر فقہاء کا ہے۔ احناف کے نزدیک یہ حدیث چونکہ علت غرر کے ساتھ معلول ہے اس لئے جہاں غرر اور ہلاکت کا گمان غالب ہوتا ہے وہاں بیع اور تصرف قبل القبض کو ممنوع قرار دیتے ہیں، خواہ زمین اور کھیت ہی کیوں نہ ہو جس کی مثال آگے آرہی ہے۔ تکملہ فتح الملہم میں شیخین کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انهما يستثنيان العقار من عموم النهي لأن علة النهي منتفية . فإن الحديث الأخير حديث عبد الله بن عمرو دل على أن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح مالم يضمن وإنما يضمن الإنسان ما يخاف فيه الهلاك . وأما العقار فلا يخشى فيه ذلك

إلا نادرا حتى لو كان العقار على شط البحر أو كان المبيع علوا لا يجوز بيعه قبل القبض. كما في فتح القدير (۲۶۹/۵) لأن الهلاک فیه غیر نادر (ص۳۵۳)۔

اورصاحب ہدایہ نے شیخین کے استدلال کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: إن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه لأن الهلاک في العقار نادر بخلاف المنقول. والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز. اس کی شرح میں ابن ہمام صاحب الفتح فرماتے ہیں: والدليل عليه أن التصرف الذي لا يمتنع بالغرر نافذ في المبيع قبل القبض وهو العتق والتزوج عليه. ويجوز في المبيع قبل القبض العتق (ص۵۱۲) اس سے معلوم ہوا کہ غرر جہاں نہیں ہے، وہاں ممنوع نہیں ہے۔ چنانچہ عتق اور تزوج میں غرر کا سوال پیدا نہیں ہوتا، اس وجہ سے یہ نافذ ہو جائے گا۔

امام اعظم اور ابو یوسف کی جانب سے یہ جواب محققین احناف نے دیا ہے۔ جیسے صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے۔ اس پر ایک اعتراض واقع ہوتا ہے، جسے قریب قریب تمام شراح نے بیان کیا ہے کہ شیخین کا حدیث کو معلول قرار دے کر غرر نہ ہونے کی وجہ سے عقار کا مستثنیٰ کرنا یہ تعلیل فی مقابلۃ النص ہے اور یہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ عینی نے البنایہ میں جو بیان کیا ہے اسے یہاں ذکر کیا جاتا ہے "فإن قيل هذا التعليل معارض لمطلق النص فإن مطلقه يتناول العقار كما بينا"۔ اور صاحب عنایہ نے شرح ہدایہ میں اس طرح نقل کیا ہے:

واعترض بأنه تعليل في موضع النص وهو ما روى أنه عليه الصلوة والسلام نهى عن بيع مالم يقبض وهو عام والتعليل في موضع النص غير مقبول. صاحب فتح القدیر نے بھی اس اعتراض کو ذکر کیا ہے (۵۱۲/۶) جواب میں عنایہ کا قول سب سے زیادہ واضح ہے۔ چنانچہ وہ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: وأجيب بأنه عام دخله الخصوص لإجماعنا على جواز التصرف في الثمن والصداق قبل القبض ومثل هذا العام يجوز تخصيصه بالقياس فنحمله على المنقول كذا في المبسوط۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ حدیث عام ہے، مگر اجماع کے ذریعہ اس میں تخصیص ہو چکی ہے، چنانچہ ثمن اور مہر پر تصرف بیع قبضہ سے پہلے اجماعاً جائز ہے۔ جب اجماع سے اس میں تخصیص ہو چکی ہے، اور اجماع نے اس میں تخصیص کر دی ہے تو اب اس میں تخصیص کا احتمال ثابت ہو گیا۔ چنانچہ قیاس سے تخصیص کر دی گئی کہ یہ منقول کے حق میں ہے، عقار کے حق میں نہیں ہے۔ اور اس قیاس کی بنیاد خود شارع ہی کا قول غرر اور ہلاکت ہے۔ علامہ عینی البنایہ شرح ہدایہ میں بھی اسی طرح جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: قلنا الحديث مخصوص فإن بيع عقد المهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد والميراث والثمن قبل القبض يصح بالاتفاق (۳۲۳/۵)۔

جب حدیث نہی قبل القبض سے یہ امور اجماعاً مستثنیٰ ہیں تو اس میں استثناء اور تخصیص کا دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ عام خص عنه البعض کا قاعدہ فقہیہ اصول فقہ کی مشہور کتاب اصول الشاشی میں ہے: وأما العام الذي

خص عنه البعض محكمه أنه يجب العمل به في الباقي مع الاحتمالات فإذا قام الدليل على تخصيص الباقي يجوز تخصيصه بخبر الواحد أو القياس بوفيه فإذا قام الدليل الشرعي على وجود تلك العلة في غير هذا الفرد المعين ترجح جهة تخصيصه فيعمل به مع وجود الاحتمال (ص ۹۱)۔

چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں: فحينئذ يجوز تخصيصه بالقياس . والدليل عليه ثبوت حق الشفعة قبل القبض والشفيع يتملك، فلو كان العقار قبل القبض لا يحتمل الملك بدل لما جاز للشفيع الأخذ بالشفعة قبل القبض (۳۲۳/۲)۔

یعنی جب ایک تخصیص اجماع سے ثابت ہوگئی تو دوسری تخصیص بھی جائز ہوگی۔ اور تخصیص یا تو پہلے سے کر دی گئی ہے، چنانچہ حق شفعہ قبل القبض ثابت کر دیا گیا ہے۔ جس کا تعلق عقار سے ہے۔ اور قبل القبض عقار میں تملک کی صلاحیت نہ ہوتی تو حق شفعہ کا ثبوت اور اخذ قبل القبض جائز نہیں ہوتا۔ لہٰذا عقار میں ہم نے قبل القبض تصرف اور بیع کو جائز قرار دے دیا۔

خیال رہے کہ زمین کی بیع حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت طلحہؓ کے درمیان ثابت ہے جو قبل الرؤیۃ والقبض ہوا تھا۔ چنانچہ بیہقی کی سنن کبریٰ میں ہے۔ اور طحاوی کی معانی الآثار میں ہے: ان عثمانؓ ابتاع من طلحة أرضا بالمدينة ناقلة بأرض له بالكوفة فقال عثمان بعتك ما لم أره فقال طلحة إنما النظر لي لأني ابتعت مغيبا وأنت قد رأيت ما ابتعت فتحاكما إلى جبير بن مطعم فقضى على عثمان أن البيع جائز وأن النظر لطلحة لأنه ابتاع مغيبا۔

اس روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بغیر دیکھے اسے فروخت فرما دیا۔ ظاہر ہے جب دیکھا نہیں تو قبضہ کہاں ہوگا کہ قبضہ تو رؤیت کو مستلزم ہے۔ لہٰذا اس سے بیع قبل القبض کا ثبوت ہوگا۔ چنانچہ اعلاء السنن میں ہے:

وهو يقتضي جواز بيع العقار قبل القبض فإن عثمان باع أرضا له بالكوفة ولم يرها وهو ظاهر في أنه باعها ولم يقبضها فإن القبض يستلزم الرؤية حتما (۲۳۹/۱۴)۔

مزید تخصیص کی گنجائش:

اگر غرر اور ہلاکت کا نادر ہونا کسی منقول میں پایا جائے گا تو اس کا بھی استثناء اور اس کی بھی تخصیص جائز ہو جائے گی۔ مثلاً جہاز، موٹر، فیکٹریاں، بڑی بڑی فولادی مشینیں، جن میں غرر اور ہلاکت کا احتمال نہیں رہتا۔ ان میں بھی نہی سے مستثنیٰ ہونے کی گنجائش رہے گی۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلے میں مختلف ائمہ کی رائے:

قبل القبض بیع کے سلسلے میں احناف کے علاوہ دیگر ائمہ اربعہ وغیرہ کے مختلف اقوال ہیں:

يحل لي منها وما يحرم علي قال: يا ابن أخي لا تبيعن شيئا حتى تقبضه (سنن کبریٰ ۵/۳۱۳)۔

حنابلہ کا مسلک:

حضرات حنابلہ اپنے مشہور قول میں اسے طعام کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ چنانچہ تکملہ فتح الملہم میں ہے:

قال أحمد بن حنبل في أظهر روايته إنما يختص النهي بالطعام فلا يجوز بيعه قبل قبضه ويجوز فيما سواه (۱/۳۵۰)، یعنی احمد بن حنبل کے مشہور روایت میں ہے کہ نہی طعام کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ اس کی بیع جائز نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ کی جائز ہوگی۔ حنابلہ حدیث میں واقع شدہ لفظ طعام کی قید سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف طعام کے ساتھ خاص کرتے ہیں، باقی دیگر اشیاء میں قبل القبض تصرف کو جائز قرار دیتے ہیں۔ کما في التکملة: استدل الحنابلة بحديث الباب على أن النهي مقصور على الطعام لأن النبي ﷺ نص فيه الطعام (۱/۳۵۰) حنابلہ کہتے ہیں کہ نہی کے باب میں جو احادیث وارد ہیں وہ طعام کے ذکر کے ساتھ خاص ہیں۔ لہذا طعام ہی پر منحصر رہیں گی۔

قبضہ کے سلسلے میں دیگر ائمہ کی رائے:

ماقبل میں قبضہ کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا بیان تھا، اب ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر حضرات کے اقوال کا ذکر

قبضہ کے مسئلہ میں امام بخاری کے یہاں بہت وسعت ہے۔ وہ بیع وشراء میں قبضہ کی خصوصیت کے قائل نہیں ہیں۔ تحقیق قبضہ کے سلسلے میں ان کے یہاں بہت وسعت ہے۔ فیض الباری شرح بخاری میں علامہ انور شاہ کشمیری نوراللہ مرقدہ امام بخاری کا مسلک لکھتے ہیں:

وأما عند البخاري فلا يشترط عنده هذا ولا ذاك بل القبض عنده أعم منهما بأن المشتري لو أراده لم يمنعه البائع وإن بقي المبيع مشغولا بمتعه في الحالة الراهنة فكان القبض يحصل عنده بمجرد الإيجاب والقبول ولا يحتاج بعد ذلك إلى أمر آخر يسمى قبضا... إذا علمت هذا فاعلم أنه يعلم من تراجم البخاري أن القبض عنده لا يحتاج إلى التخلية ولا إلى النقل.. وإن تصرف المشتري يصح عنده قبل قبض المبيع بمعنى النقل..

عبارت مذکورہ سے بالکل صاف واضح اور عیاں ہے کہ امام بخاری کے نزدیک مشتری کے تصرف کرنے کے لئے صرف ایجاب وقبول کو ہو جانا کافی ہے، قبضہ کی قسم کا پایا جانا ضروری نہیں۔ لہذا قبضہ سے پہلے مشتری کسی قسم کا بھی تصرف کرسکتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قبضہ کے مفہوم میں امام بخاری کے یہاں بہت توسع اور عمومیت ہے۔ اس کے برخلاف حضرات شوافع کے یہاں کہ ہر شئے میں قبضہ ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ کشمیری لکھتے ہیں:

فأضيق المذاهب فيه مذهب الشافعي وأوسعها مذهب البخاري حضرات شوافع کا مذہب اس بارے میں تنگ ہے، امام بخاری کا بہت وسیع۔ ان ائمہ کے نزدیک تو بیع میں قبضہ کی ضرورت ہی نہیں۔ [illegible]

تصرفات قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں بیع میں بھی۔ اسی طرح تکملہ فتح الملہم میں ہے۔ قال عثمان البتی یجوز بیع کل شیء قبل قبضہ (۱؍۳۵۵) ابن عبدالبر مالکی نے اس قول کو سنت و اجماع کے خلاف قرار دیا ہے۔ چنانچہ تکملہ فتح الملہم میں ہے: ھذا قول مردود بالسنۃ والحجۃ المجمعۃ علی الطعام (۱؍۳۵۵) عثمان البتی کا قول سنت اور اجماع سے مردود ہے کہ وہ طعام کی بیع قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں۔ حسن بصری، حکم، سعید بن مسیب، حماد، اوزاعی، امام احمد اور اسحق راہویہ اس امر کے قائل ہیں کہ مکیلی اور موزونی اشیاء کا قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں، البتہ اس کے علاوہ تمام اشیاء کا فروخت کرنا درست ہے (اعلاء السنن ۱۴؍۲۴۷)۔

بیع قبل القبض کے سلسلے میں چار مشہور مسالک ہیں، صاحب اوجز نے اس سے زائد اقوال ذکر کئے ہیں۔

۱۔ اگر ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خریدکر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ یعنی فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا ہے بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار یعنی مشتری دوم کو روانہ کر دیتا ہے۔ اور ان کے درمیان یہ معاملہ طے پاتا ہے کہ مال روانہ ہونے کے بعد مشتری ثانی کے پاس پہنچنے سے قبل مال ہلاک ہو جائے تو اس کی ذمہ داری نہ بائع (فیکٹری) پر نہ مشتری ثانی پر، بلکہ مشتری اول پر عائد ہوتی ہے۔ اس صورت میں یہ مال مشتری ثانی کے پاس پہنچنے سے قبل مشتری اول کے ضمان میں رہا۔ جب ضمان میں رہا تو ربح مالم یضمن میں داخل نہ ہوا۔ مگر اس مشتری کا قبضہ حسی نہ ہوا۔ مگر قبضہ معنوی اور حکمی کے پائے جانے کی وجہ سے اس کا فروخت کرنا درست ہوا کہ نہیں۔ ذیل میں اس مسئلہ کو فقہی روشنی میں حل کیا جاتا ہے۔ اولاً ضمان کا مفہوم ذکر کیا جاتا ہے، پھر قبضہ حسی اور حکمی کے احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

ضمان کا مفہوم اور ضمان کے پائے جانے کی شکل:

کسی شئے کے ضمان میں آنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس کی تحویل اور اس کی قدرت انتفاع میں آ جائے۔ چنانچہ ضمان کی تعریف کرتے ہوئے علامہ وہبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ میں لکھا ہے ھو ما کان فیہ القابض مسئولا عن المقبوض تجاہ الغیر فیضمنہ اذا ھلک عندہ (۳؍۳۲۱) مطلب یہ کہ قابض کی مقبوض کے متعلق ذمہ داری عائد آ جائے۔ اور مقبوض کے متعلق سوال و جواب اسی پر عائد ہو۔ مثلاً کسی غصب وغیرہ۔

خیال رہے کہ عرف کے اعتبار سے اور مروجہ قانون اور عمل کے اعتبار سے جب مشتری نے ایجاب و قبول کر لیا ثمن کی تعیین، مبیع کا اقرار ہو گیا تو اب ساری ذمہ داری مشتری پر عائد ہوگی۔ کرایہ، محصول، چنگی کا ٹیکس، راستہ کا ٹیکس سب اس پر عائد ہوگا۔ عرفاً بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں مشتری کا مال ہے، بائع کا مال نہیں ہے۔ اس اعتبار سے تو یہ مشتری کے ضمان میں آ گیا۔ اور اب اس کا بلا قبضہ حسی کے فروخت کرنا ربح مالم یضمن میں داخل نہ ہوگا۔ مگر ہم جب ضمان کے شرعی مفہوم پر غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ضمان میں داخل ہونے کا کیا مفہوم ہے اور مبیع کا ضمان میں شمار کب ہوتا ہے، تو احادیث اور آثار صحابہ سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بغیر قبضہ کے ضمان میں داخل نہیں ہوتا ہے۔

چنانچہ اعلاء السنن میں ہے: باب یدخل المبیع فی ضمان المشتری بالقبض ولا یدخل فی ضمانه قبل القبض... اس کے بعد حضرت عثمان اور عبد الرحمن بن عوف کے درمیان پیش آمدہ واقعہ سے استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفیه دلالة علی اتفاق الصحابة علی أن المبیع لا یدخل فی ضمان المشتری قبل قبضه... سواء کان مکیلا او موزونا او غیرهما (۲۵۳/۱۴) مطلب یہ ہے کہ مشتری کا ضمان میں داخل ہونا قبضہ کرنا ہے۔ قبضہ میں ضمان کا مفہوم ہے۔ اسی طرح حسن البصری کے ایک اثر سے استدلال کیا گیا ہے۔ عن الحسن انه سئل عن رجل ابتاع من رجل طعاما والطعام فی بیت فامر به أن یغلق ویدفع المفتاح إلیه حتی یستوفیه فاحرق البیت معافیه من مال قال هو من صاحب الطعام من أجل أنه لم یستوفیه.

دیکھئے اس واقعہ میں بائع نے تخلیہ اور تمکین کر دیا، کنجی دے دی کہ وہ اپنا مال لے لے، تمکین اور تحویل کی صفت پائی گئی مگر اس نے اپنی تحویل میں حساً نہیں لیا تھا کہ وہ جل گیا، اس پر حسن البصریؒ نے بائع کا مال ہلاک قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ استیفاء اور قبضہ حسی سے ضمان میں داخل ہوتا ہے۔ ہاں اگر قبضہ سے مراد قبضہ حکمی لیا جائے تو پھر ضمان میں آجائے گا۔ اور یہاں حسن البصریؒ کے سوال میں جو صورت مذکور ہے اس میں افراز یعنی مبیع غیر مبیع سے ممتاز ہو کر تحویل اور تمکین میں جانا نہ پایا گیا۔ اس لئے اس سے قبضہ حکمی کا ثبوت نہ ہونا ہمارے لئے کوئی حرج نہ پیدا کرے گا۔ قبضہ حکمی پائے جانے کی صورت میں ضمان میں داخل ہو جائے گا۔ اور اس کا خرید ار تیسرے سے فروخت کرنا جائز ہوگا۔

قبضہ حکمی اور اس سے قبضہ کا ثبوت:

ماقبل قبضہ کی شرعی صورتوں میں یہ بحث مکمل طور پر آچکی ہے کہ قبضہ حکمی کو بھی شریعت نے قبضہ مانا ہے۔ اور قبضہ صرف حسی میں منحصر نہیں۔ چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: وبالجملة أن القبض فی المبیع والهبة والرهن یتحقق عندنا بالتخلیة والمکنة علی القبض ولا یحتاج الی القبض الحسی والنقل. پھر اس کی توضیح ایک جزئیہ سے بھی بخوبی ہو جاتی ہے: قالوا إنه باع فرسا فی الصحراء فإن کان المشتری یستطیع أن یقبضه بدون إعانة غیره تحقق القبض فکأنهم نظروا فیه إلی المکنة فقط ورأوها کالقبض. وقالوا إنه لو باع دارا او صندوقا و سلم مفاتیحه فهو قبض (۲۰۶/۳)۔

اولاً تو شاہ صاحب نے قاعدہ کلیہ بیان کیا کہ قدرت اور تمکین کا پایا جانا قبضہ ہے۔ حساً اسے اپنے قبضہ اور ید میں کرنا ضروری نہیں۔ اور اس کو فقہاء کے کلام سے ثابت کیا کہ دیکھئے اگر جنگل میں موجود گھوڑے کو بیچا اور مشتری بغیر کسی دوسرے کی اعانت کے اسے حاصل کرلے تو گویا قبضہ ہو گیا، اسی طرح کوئی بڑا بکس فروخت کیا اور اس کی کنجی حوالہ کر دی تو قبضہ ہو گیا۔ ظاہر ہے یہاں صرف قدرت اور تمکین ہی تو پائی گئی پھر بھی فقہاء نے اسے قبضہ تسلیم کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبضہ حکمی بھی موثر ہے۔

فقہاء کرام کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ حکمی کے شرعاً معتبر ہونے کے لئے کچھ شرطیں ہیں۔

چنانچہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

قال أبو حنيفة التخلية بين المبيع والمشتري تكون قبضا بشرائط ثلثة أحدها أن يقول البائع خليت بينك وبين المبيع فاقبضه ويقول المشتري قد قبضت. والثاني أن يكون البيع بحضرة المشتري بحيث يصل إلى أخذه من غير مانع، الثالث أن يكون المبيع مفرزا غير مشغول بحق الغير (خانيه على هامش الهنديه ۲/۱۵۸) مطلب یہ ہے کہ اولاً بائع تخلیہ اور تمکین دے، دے، مشتری قبول کرے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ لفظ خلیت کوئی ضروری نہیں بلکہ اذن و اجازت مراد ہے۔ ثانیاً کسی رکاوٹ کے بغیر مشتری اس پر قبضہ کر سکے۔ ثالثاً مبیع غیر مبیع سے ممتاز اور الگ کر دی جائے۔ اس عبارت کی روشنی میں موجودہ زمانہ کے طریقہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بائع کیش میمو رسید اشتراء حوالہ کر دے، مشتری یا اس کا وکیل اسے قبول کر کے قبضہ کر لے۔ مال مبیع موجود ہو کہ مشتری اگر فوراً اپنے انڈر میں کرنا چاہے تو کر لے یا کسی کو حوالہ مثلاً ٹرانسپورٹ وغیرہ کرنا چاہے تو کر لے۔ اور خریدا ہوا مال بالکل الگ ہو مشترک نہ ہو، یعنی اسے پہچان دیا ہو۔ اس کا مال الگ کر دیا گیا ہو ایسے طور پر کہ اگر اشارہ کیا جائے تو اشارہ صحیح واقع ہو جائے۔ اور کہنے والا کہہ سکے یہ مال فلاں کا ہے۔ تو اس صورت میں یہ مال قبضہ حکمی میں داخل ہو کر فروخت کرنا جائز ہو جائے گا۔

لہذا اگر یہ شکلیں پائی جا رہی ہیں تو خریدار نمبر (۱) کے ضمان اور قبضہ شرعی ہی پائے جانے کی وجہ سے فروخت کرنا اور نفع لینا جائز ہوگا، اور ربح مالم یضمن میں داخل نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ عرف اور ماحول میں بھی یہ مال مشتری کا مثل مقبوض کے سمجھا جاتا ہے، چونکہ کرایہ، ٹیکس، قانونی سوال وجواب یہ سب اسی مشتری سے متعلق ہوتا ہے۔ لہذا الفقہ الاسلامی کے موقف کے مطابق عرفاً قبضہ پائے جانے کی وجہ سے اس کا فروخت کرنا شرعاً درست ہوگا۔

بین الاقوامی تجارت کی صورت میں جس میں مال مشتری تک پہونچنے سے قبل ضائع ہو جائے تو بائع ضامن نہیں ہوتا ہے۔ یہ اس وقت درست ہے جبکہ مشتری کے ضمان میں وہ خریدا ہوا مال قبضہ کے ذریعہ سے آ جائے، خواہ قبضہ حسی نہ ہو حکمی ہی سہی، ماقبل میں قبضہ حکمی اور اس کی جو شرطیں بیان کی گئی ہیں اگر اس کے مطابق ہو تو بائع کا ضامن نہ ہونا درست ہے۔

پھر اس شخص کے مال کی وصولیابی سے قبل کسی تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا قبضہ شرعی سے قبل فروخت کر دینا ہے جو درست نہیں۔ پھر مال کی ہلاکت اور ضائع ہونے کی صورت میں مشتری اول کا ضامن نہ ہو کر مشتری ثانی جو تیسرا خریدار ہے ضامن ہونا بلا قبضہ شرعی کے ضامن بنانا ہے جو درست نہیں۔ یہ صورت شرعاً جائز نہیں۔ مشتری ثانی کا فروخت کرنا جبکہ مال سمندر میں ہے جو حالت غرر ہے، قبضہ شرعی اور بیع کے درست نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں کہ ربح مالم یضمن ہے، جو تیسرے خریدار سے خریدنا اور بلا قبضہ شرعی کے ضامن ہونا، بیع کیا قمار کی گویا صورت ہے، جو شرعاً جائز نہ ہوگی۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا عبد الرشید قاسمی

۱۔ شریعت اسلامیہ اور حضرات فقہاء وائمہ کی تشریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بیع قبل القبض ناجائز ہے اور شریعت نے اس کا شمار بیع فاسد میں کیا ہے۔

صح بیع عقار لا یخشی هلاکه قبل قبضه ولا یصح قبل قبضه بیع منقول الفسد بیع المنقول قبل قبضه (درمختار ۴/۱۶۲۔۱۶۳)۔

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی بنیاد عرف اور عادت پر ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نے قبضہ کی کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے بلکہ اسے لوگوں کے عرف اور عادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا کیونکہ قبضہ کا مقصود کسی چیز کا ضمان میں آنا اور ضمان سے نکلنا ہے یعنی کسی شی پر مشتری کا قبضہ ہو جائے تو بائع کے ضمان سے وہ چیز نکل جائے اور مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے، بہر حال کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی ہے بلکہ لوگوں کے تعامل پر چھوڑ دیا ہے، اسی لئے حضرات علماء، فقہاء اور ائمہ میں قبضہ کی حقیقت کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے ورنہ اختلاف کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔

۳۔ بالاتفاق جمہور علماء کے نزدیک اشیاء غیر منقولہ میں صرف تخلیہ قبضہ ہے اور حضرات علماء کے نزدیک اشیاء منقولہ میں قبضہ کی حقیقت کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، حضرات حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق کل چیزوں میں صرف تخلیہ قبضہ ہے یعنی بائع مشتری اور مبیع کے درمیان سے اپنا کنٹرول ختم کر دے اور مبیع پر مشتری کا کنٹرول ہو جائے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ارتفاع موانع سے تعبیر کیا جاتا ہے، البتہ حضرات حنفیہ اشیاء مثلیہ مشتری بالکیل والوزن میں صرف تخلیہ کو قبضہ ناقص مانتے ہیں، اور حضرات شوافع کے یہاں قبضہ کیلئے قبضہ بالید کی شرط ہے جس کی تفصیل مع دلائل بیان ہو چکی ہے، حنفیہ اشیاء مثلیہ مشتری بالکیل والوزن اور عددیہ متقاربہ مختلف فیہا کے علاوہ تمام منقولات اور غیر منقولات میں تخلیہ کو قبضہ مانتے ہیں، البتہ عددیات متقاربہ میں صاحبین اور امام اعظم کا اختلاف ہے۔

۴۔ بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بعلۃ ہیں، یہ اور بات ہے کہ حضرات ائمہ نے الگ الگ علتیں نکالی ہیں، حضرات شیخین فرماتے ہیں کہ بیع قبل القبض کی علت نہی غرر انفساخ عقد ثانی ہے، **عن أبی هریرة رضی الله عنه قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع الحصاة وعن بیع الغرر** (مسلم شریف تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۷)۔

یہی حدیث حضرات شیخین کے نزدیک علت نہی ہے، اور حضرت امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ علت

نہی ربح ما لم یضمن ہے، نهى رسول الله ﷺ عن ربح ما لم يضمن والبيع ما ليس عنده کی بنا پر ان ائمہ کے نزدیک یہی حدیث علت نہی ہے۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت حضرات شیخین کے نزدیک منقولات کے ساتھ خاص ہے اور ان مجتہدین کے نزدیک غیر منقولات اس سے مستثنیٰ ہیں۔

بیع قبل القبض کی علت نہی دو ہو سکتی ہیں، ایک ربح ما لم یضمن، دوسرے غرر انفساخ عقد۔ اور دونوں علتیں حدیث سے مستنبط ہیں، پاور بات یہ ہے کہ حضرات ائمہ نے دونوں حدیثوں کی ترجیح میں اختلاف کیا ہے، حضرات شیخین نے نهى عن بيع الغرر والی روایت سے ربح ما لم یضمن میں تخصیص پیدا کی ہے اور غرر انفساخ عقد والی حدیث کو خصوص نہ ہونے کی بنا پر ترجیح دی ہے، چونکہ ربح ما لم یضمن والی روایت میں تخصیص بالاتفاق جائز ہے مثلاً قدرت علی قبض الثمن اور تصرف فی المہر اور بدل الخلع وغیرہ سے، اور حضرت امام محمد اور امام شافعی نے علت کی حدیث ربح ما لم یضمن صرف منقولات کے ساتھ مخصوص نہیں کیا بلکہ غیر منقولات کو بھی اتفاقاً شامل ہونے کی بنا پر اس کے معنی میں داخل کرلیا اور ان ائمہ کے نزدیک منقولات اور غیر منقولات دونوں کی بیع قبل القبض ناجائز ہے۔

۶۔ واضح رہے کہ قبضہ کی اسلامی شریعت میں کوئی ذہنی حقیقت متعین نہیں ہے بلکہ قبضہ لوگوں کے عرف اور تعامل پر محمول کیا جائے گا اور قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع کے ضمان سے نکل کر مبیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے، جب مبیع مشتری کا ضمان ہو گیا تو اب اس کی بیع کرنا جائز ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع حلال ہے۔

۷۔ یہ بات واضح ہے کہ مشتری کے ضمان میں مبیع داخل ہی نہیں ہوتی ہے اس لئے بغیر قبضہ کے اس کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، بیع فاسد ہوگی اسی لئے اس کا فسخ واجب ہے اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کو صدقہ کرنا واجب ہے "وقال مشائخنا لا يطيب له بكل حال وهو المختار وإطلاق الجواب يدل على ذلك" (البحر الرائق ۱۱۵/۸)۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو اس طرح الگ کرکے رکھ دے اور موانع کو اٹھادے کہ مشتری جب چاہے اس میں تصرف کرسکے، بدائع میں ہے: "فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع و بين المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضا له (بدائع ۲۴۴/۵) تخلیہ اور تمام موانع کے ارتفاع کے باوجود اگر مشتری مبیع نہیں لے گیا تو بھی اسی کا قبضہ سمجھا جائے گا، کیونکہ قبضہ کے لئے حسی طور پر ہاتھ میں لینا اور بائع کے یہاں سے اسے منتقل کرلینا لازم نہیں ہے، بدائع میں ہے:

"ثم لا خلاف بين أصحابنا أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال" (بدائع ۲۴۴/۵)۔

اسی طرح ہر چیز میں قبضہ کے لئے جو تخلی اور ارتفاع موانع مطلوب ہے، اس کا مدار شریعت نے عرف و عادت پر چھوڑ دیا ہے، چنانچہ جس درجہ کا استیلاء اور عمل دخل لوگوں کے عرف و عادت میں قبضہ مانا جاتا ہے، اسی درجہ کا استیلاء اور عمل دخل ضروری ہوگا، بدائع میں ہے:

"ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا و عادة حقيقة (بدائع ۱۴۸/۵)۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں ائمہ کے مذاہب:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کے سلسلے میں ائمہ کی آراء مختلف ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غیر منقول اشیاء کے علاوہ تمام چیزوں میں تصرف کیلئے قبضہ شرط ہے، امام مالکؒ کے یہاں طعام ربوی کے علاوہ میں قبضہ شرط نہیں ہے، جب کہ امام شافعیؒ تمام مبیع میں قبضہ کو ضروری قرار دیتے ہیں، یہی رائے صاحبین، عبداللہ ابن عباس اور ثوری کی ہے، ایک رائے ابوعبید اور اسحٰق کی بھی ہے کہ جو اشیاء کیلی اور وزنی نہیں ہیں، ان کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست ہے، ابن حبیب عبدالعزیز بن ابوسلمہ اور ربیعہ، کیلی اور وزنی کے ساتھ عددی کا بھی اضافہ کرتے ہیں، امام احمدؒ، ابوثورؒ اور امام مالکؒ کی مشہور روایت یہ ہے کہ طعام ربوی ہوں یا غیر ربوی، دونوں میں قبضہ شرط ہے، ابن رشد نے لکھا ہے:

"وأما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في مذهب مالك في إجازته، وأما الطعام الربوي فلا خلاف في مذهبه أن القبض شرط في بيعه، وأما غير الربوي من الطعام

ضمان میں چلی جاتی ہے۔ بدایۃ المجتہد میں ہے:

"وأساس اعتبر الكيل والوزن، فلاتفاقهم أن المكيل والموزون لا يخرج من ضمان البائع إلى ضمان المشتري إلا بالكيل أو الوزن (بدایۃ المجتہد ۲/۱۰۹)۔

لہذا جس وقت بائع نے مشتری کے لئے اس کو الگ کیا مبیع مشتری کے ضمان میں چلی گئی اور اس نے جو فروختگی کا معاملہ کیا، وہ رسک لے کے کیا، اس لئے اسے "بیع مالم یضمن" قرار نہیں دیا جا سکتا، رہ گیا فیکٹری کا ڈائرکٹ مشتری ثانی کو مال روانہ کرنا تو یہ مشتری اول کے وکیل کی حیثیت سے ہے، جو شرعاً درست ہے۔

اس کے برعکس جب مال جہاز پر چڑھا دیا گیا، اور مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ہلاکت کا ذمہ بائع نے نہیں لیا، نیز مشتری نے بھی کوئی ذمہ داری نہیں لی، بلکہ مشتری ثانی کے سر سارا رسک ڈال دیا، ایسے میں مشتری اول کا قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں ہوگا۔ بلکہ "بیع مالم یضمن" کی ممانعت کی وجہ سے ایسی بیع ممنوع اور فاسد ہو گی۔

☆☆☆☆☆

۔ امام احمد بن حنبلؒ نے مکیل، موزون اور معدود شئی کے علاوہ ہر چیز کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو جائز فرمایا ہے۔

۔ امام شافعیؒ نے طعام ہو، یا غیر طعام کسی بھی شئی کے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔

۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے غیر منقول اشیاء کی بیع ''من غیر قبض'' کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے، اور منقولات کی بیع کو قبضہ سے پہلے منع کیا ہے، امام ابو یوسفؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے (بناء نقلا من التعلیق مجید ۱؍۳۳۱)۔

احناف کے مسلک میں امام صاحبؒ کا ارشاد ہی مفتیٰ بہ ہے: **صح بیع عقار لا یخشی هلاکه قبل قبضه فلا یصح اتفاقا ککتابة و إجارة و بیع قبل قبضه** (شرح تنویر الابصار ملتقطا ۴؍۲۵۰)

لا یصح بیع منقول قبل قبضه (فتاویٰ حامدیہ ۱؍۲۳۶)

۔ امام مالک کے مسلک کی دلیل رسول علیہ السلام کا غیر طعام میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو جائز فرمادینا ہے، لفظ طعام کا خصوصی طور پر منع میں ذکر غیر طعام کی اجازت کو واضح کرتا ہے۔

۔ امام شافعی کی دلیل ارشاد رسول علیہ السلام میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے منع فرمادینا ہے۔

۔ امام اعظم کے فتویٰ کی دلیل غیر منقول اشیاء کے تلف وہلاک ہونے کا امکان، بلکہ ضائع ہونے کا وقوع ہے اور غیر منقول جائداد میں بالعموم ایسا نہیں ہوتا ہے (تعلیق مجید ۱؍۳۳۱)

بیع کا معاملہ اس شخص کی جانب سے ہو رہا ہے جسے بیع کی شرعاً اجازت ہے (لمعات بر حاشیہ مشکوٰۃ ر ۲۴۷)

۶۔ جب منقول اشیاء میں قول مفتیٰ بہ کے پیش نظر ''من غیر قبض'' فروختگی جائز ہی نہیں ہے، تو درمیان کے یہ معاملات اور ضمان کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

۷۔ منقول اشیاء میں کیا جانے والا یہ معاملہ (بیع من غیر قبض) بھی جائز نہیں، تیسرے خریدار کا ضامن وذمہ دار ہونا بھی صحیح نہیں۔

(نوٹ) ان ہر دو سوال کے دلائل اوپر کے نمبرات میں درج ہیں۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید فروخت

شریعت کی روشنی میں

مولانا وحید الدین صاحب

بیع قبل القبض کی ممانعت کے بارے میں مختلف احادیث صحاح اور دوسری کتابوں میں صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہیں:

عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یقبضہ (رواہ البخاری و مسلم)۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے غلہ خریدا تو اس کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

وعن ابن عباسؓ قال: أما الذی نہی عنہ النبی ﷺ فہو الطعام ان یباع حتی یقبض قال ابن عباسؓ واحسب کل شئ مثلہ (رواہ البخاری و مسلم)۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بہرحال وہ چیز جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا سو وہ غلہ ہے کہ اس کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کیا جائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اور ہر چیز کو میں اسی کے مثل گمان کرتا ہوں۔ بخاری اور مسلم نے اس کو نقل کیا ہے۔

وعن جابرؓ قال، قال رسول اللہ ﷺ اذا ابتعت طعاما فلا تبعہ حتی تستوفیہ (رواہ مسلم)۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم غلہ خریدو تو اس کو قبضہ سے پہلے فروخت مت کرو۔ امام مسلمؒ نے اس کو نقل کیا ہے۔

وفی حدیث زید بن ثابتؓ قال: ان رسول اللہ ﷺ نہی ان تباع السلع حیث تبتاع حتی تحوزھا التجار الی رحالھم (رواہ ابن حبان فی صحیحہ، والحاکم فی المستدرک وصححہ)۔

حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ سامان جس وقت خریدے جاتے ہیں وہ فروخت کئے جائیں، یہاں تک کہ تاجر ان کو اپنے گھروں میں نقل کرلیں۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں اس کو نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

وروی عن حکیم بن حزام انہ قال: قلت یا رسول اللہ ﷺ انی رجل ابتاع ھذہ البیوع وابیعھا فما یحل لی منہا وما یحرم علی؟ قال لا تبیعن شیئا حتی تقبضہ (اخرجہ احمد فی مسندہ

الکبریٰ ورواه أحمد في مسنده وابن حبان في صحيحه)۔

حکیم ابن حزام سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ، میں خرید وفروخت کرنے والا (تاجر) ہوں تو میرے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ، کسی چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرو، امام نسائی نے اپنی سنن کبریٰ میں اس کی تخریج کی ہے اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کو نقل کیا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث ہیں جن میں فی الجملہ بیع قبل القبض کی ممانعت وارد ہوئی ہے، ان تمام روایات اور احادیث سے "بیع قبل القبض" کا عدم جواز واضح ہے اور فی الجملہ "بیع قبل القبض" کے عدم جواز پر تمام ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے۔

ہاں یہ حکم عام اور مطلق ہے کہ کسی بھی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، یا خاص اور مقید ہے کہ بعض چیزوں کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، اس میں ائمہ اربعہ اور دوسرے مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے، غالباً اس اختلاف کی بنیاد یہی ہے کہ اس باب میں روایات مختلف ہیں بعض مطلق اور بعض مقید ہیں، ہر امام نے اپنے اصول کے مطابق روایتوں کو اختیار کیا ہے۔

"بیع قبل القبض" بیع فاسد ہے:

احناف کے نزدیک بیع منہی عنہ کی تین قسمیں ہیں، باطل، فاسد، اور مکروہ۔

وذكر في البحر أن البيع المنهي عنه ثلاثة، باطل، وفاسد، ومكروه تحريماً (شامی ۱۰۰/۴)۔

البحر الرائق میں مذکور ہے کہ بیع منہی عنہ کی تین قسمیں ہیں، باطل، فاسد، اور مکروہ تحریمی۔

لہذا اب سوال یہ ہے کہ احناف کے نزدیک "بیع قبل القبض" ان اقسام ثلثہ میں سے کس قسم میں داخل ہے، یہاں ان اقسام ثلثہ کی تفصیل میں جائے بغیر صرف یہ ذکر کیا جارہا ہے کہ فقہاء کرامؒ نے اس بیع قبل القبض کو کس قسم میں شمار کیا ہے۔

درمختار میں ہے:

وفسد بيع المنقول قبل قبضه انتهى، ونفي الصحة يحتملهما فتدبر (شامی)۔

بیع منقول قبل القبض فاسد ہے، اور صحت کی نفی بطلان اور فساد دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔

اور علامہ شامیؒ نے "نفی الصحۃ" کے تحت ذکر کیا ہے:

(قوله فنفي الصحة) أي الواقع في المتن يحتملهما أي يحتمل البطلان والفساد والظاهر الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركني البيع الخ (شامی ۱۶۳/۴)۔

یعنی "نفي الصحة" جو متن میں موجود ہے اس میں بطلان اور فساد دونوں کا احتمال ہے، اور ظاہر ثانی

(فساد) ہے اس لئے کہ فساد کی علت غرر ہے جیسا کہ گذر چکا باوجود کہ ارکان بیع موجود ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں وضاحت کی ہے کہ "بیع قبل القبض" بیع فاسد ہے۔

صاحب بدائع علامہ کاسانی نے صحت بیع کی شرائط میں ایک شرط یہ ذکر کی ہے کہ منقول شی کو خریدنے والا جب اس منقول کو فروخت کرنا چاہے تو صحت بیع کیلئے اس منقول پر مشتری اول کا قبضہ شرط ہے، یعنی قبضہ سے پہلے اس منقول کو فروخت کرنا صحیح نہیں ہے۔

ومنها القبض في بيع المشتري المنقول فلا يصح بيعه قبل القبض لما روي أن النبي ﷺ نهى عن بيع ما لم يقبض والنهي يوجب فساد المنهي ولأنه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه (البدائع ۵:۱۸۰)

منقول خریدی ہوئی چیز کی بیع کیلئے شرائط صحت میں سے قبضہ کا ہونا ہے لہذا اس کی بیع قبل القبض صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ نبی پاک ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے "بیع مالم یقبض" سے منع فرمایا اور نہی فساد منہی کو ثابت کرتی ہے، اور اس لئے کہ یہ ایسی بیع ہے کہ اس میں معقود علیہ کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

علامہ کاسانی کا اس قبضہ کو بیع کی صحت کیلئے شرط قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ قبضہ سے پہلے فروخت کرنا غیر صحیح یعنی فاسد ہے نہ کہ باطل، یعنی ارکان بیع کے پائے جانے کی وجہ سے انعقاد تو پایا جائے گا لیکن غرر کی وجہ سے یہ انعقاد صحیح نہیں ہوگا۔

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ احناف کے نزدیک بیع قبل القبض بیع کی غیر صحیح دوسری قسم یعنی فاسد میں داخل ہے۔

۲۔ کتاب وسنت میں قبضہ کی کوئی جامع حقیقت متعین نہیں کی گئی ہے، مطلق قبضہ کا ذکر ہے۔

جیسا کہ "صاحب مہذب" نے شی منقول میں نقل اور غیر منقول میں تخلیہ کو قبضہ قرار دینے کی علت بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: شریعت میں قبضہ کا ذکر ہے لیکن مطلق ہے (اس کی کوئی جامع حقیقت متعین نہیں کی ہے) لہذا اس کو عرف پر محمول کیا جائے گا اور عرف منقول چیز میں نقل اور غیر منقول میں "تخلیہ" ہے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ نے قبضہ کے سلسلہ میں عرف کا اعتبار کیا ہے، غیر منقول میں عرف یہ ہے کہ تخلیہ سے قبضہ متحقق ہوتا ہے لہذا غیر منقول میں تخلیہ قبضہ ہے اور منقول میں قبضہ نقل یعنی دوسری جگہ منتقل کرنا ہے لہذا شی منقول میں انتقال قبضہ شمار کیا جائے گا۔

وقال المالكية والشافعية: قبض العقار كالأرض والبناء ونحوهما يكون بالتخلية بين المبيع وبين المشتري وتمكينه من التصرف فيه بتسليم المفاتيح إن وجدت، وقبض المنقول كالأمتعة والأنعام والدواب بحسب العرف الجاري بين الناس۔

مالکیہ اور شوافع نے کہا کہ عقار مثلاً زمین مکان وغیرہ کا قبضہ مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ اور مبیع میں

تصرف پر قدرت دینے سے ہوجاتا ہے، مثلاً چابیاں موجود ہوں تو ان کے حوالہ کرنے سے، اور منقول میں قبضہ مثلاً سامان چوپائے اور جانور اس عرف کے اعتبار سے شمار ہوگا جو لوگوں کے درمیان رائج ہو۔

وقال الحنابلة قبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلاً أو موزونا فقبضه بكيله ووزنه أي أنه يجب الرجوع في القبض إلى العرف (الفقہ الاسلامی ۴/۳۱۹)۔

اور حنابلہ نے کہا: ہر چیز کا قبضہ اس کے لحاظ سے ہوگا، اگر مکیلی، یا موزونی ہے تو اس کا قبضہ کیل اور وزن سے ہوگا، یعنی قبضہ کے سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

علامہ نوویؒ "مہذب" کی مذکورہ عبارت کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما الأحكام فقال أصحابنا، الرجوع في القبض إلى العرف وهو ثلاثة أقسام، أحدها العقار والثمر على الشجرة فقبضه بالتخلية، والثاني ما ينقل في العادة كالأخشاب والحبوب والحيتان ونحوها، فقبضه بالنقل إلى مكان الخ، والثالث ما يتناول باليد كالدراهم والدنانير والمنديل والثوب والإناء الخفيف والكتاب ونحوها فقبضه بالتناول بلا خلاف الخ. (المجموع شرح المہذب ۹/۳۰۱)۔

رہے عبارت مذکورہ میں بیان کردہ احکام تو ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ قبضہ کے سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہ تین قسم پر ہے، ایک یہ کہ عقار اور درخت کے اوپر پھل تو ان کا قبضہ "تخلیہ" سے ہوتا ہے، دوسری وہ چیز جو عموماً منتقل کی جاتی ہیں، جیسے لکڑیاں، غلے اور مچھلیاں وغیرہ، تو ان میں قبضہ دوسرے مکان کی طرف منتقل کرنے سے ہوگا، اور تیسری وہ چیزیں جو ہاتھ سے لی جاتی ہیں، مثلاً دراہم، دنانیر (روپے پیسے) تولیے، کپڑا، ہلکے برتن اور کتاب وغیرہ، تو ان چیزوں میں قبضہ بالاتفاق تناول سے ہوگا۔

الحاصل مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں قبضہ کے سلسلہ میں عرف کا لحاظ ہے، جن چیزوں میں تخلیہ کو قبضہ سمجھا جاتا ہے ان میں قبضہ کیلئے تخلیہ کافی ہے، اور جن چیزوں میں انتقال کو قبضہ شمار کرتے ہیں ان میں منتقل کرنے کو قبضہ کہا جائے گا، اور جن چیزوں میں قبضہ "تناول بالید" سے ہوتا ہے ان میں "تناول بالید" کو قبضہ گردانا جائے گا۔

احناف کے نزدیک قبضہ کی حقیقت کی تعیین کیلئے لغت کی طرف رجوع کیا گیا ہے کہ لغت میں تسلیم اور قبضہ کی کیا حقیقت ہے، کیونکہ ہر اصطلاحی معنی میں لغوی معنی ملحوظ ہوتا ہے۔

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ قبضہ کی تعریف ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں:

أما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع والمشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضا له (البدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

جہاں تک تسلیم اور قبضہ کی تفسیر کا تعلق ہے تو ہمارے نزدیک تسلیم اور قبضہ تخلیہ اور تخلی ہے، اور تخلیہ یہ ہے

کہ وہ مبیع اور مشتری کے درمیان سے ہٹ جائے دونوں کے درمیان سے مانع کو اس طرح دور کردے کہ مشتری اس میں تصرف پر قادر ہو جائے تو بائع کو تسلیم یعنی حوالہ کرنے والا اور مشتری کو اس پر قبضہ کرنے والا شمار کیا جائے گا۔

اس کے بعد علامہ کاسانیؒ نے قبضہ اور تسلیم کی اس تفسیر کی دلیل بیان فرمائی ہے کہ احناف کے یہاں تسلیم اور قبضہ کی مذکورہ تفسیر کیوں ہے۔

ولنا أن التسليم في اللغة عبارة عن جعله سالما خالصا يقال سلم فلان لفلان أي خلص له وقال الله تعالى "ورجلا سلما لرجل" أي سالما خالصا لا يشركه فيه أحد فتسليم المبيع إلى المشتري هو جعل المبيع سالما للمشتري أي خالصا له بحيث لا ينازعه فيه غيره وهذا يحصل بالتخلية فكانت التخلية تسليما من البائع والتخلي قبضا من المشتري (ايضا)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ تسلیم لغت میں کسی چیز کو سالم اور خالص بنا دینے کا نام ہے کہا جاتا ہے "سلم فلان لفلان" یعنی فلاں آدمی فلاں کے لئے خالص ہو گیا، اور خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "ورجلا سلما لرجل" یعنی ایک آدمی جو خالص ایک ہی کے لئے ہو کوئی اس میں اس کا شریک نہ ہو، لہذا مبیع کو مشتری کے حوالہ کرنا یعنی مبیع کو مشتری کے لئے سالم یعنی اس طرح خالص کر دینا کہ اس مبیع کے سلسلہ میں اس سے کوئی منازعت نہ کرے، اور یہ تخلیہ سے حاصل ہوتا ہے لہذا تخلیہ بائع کی جانب سے تسلیم اور تخلی مشتری کی طرف سے قبضہ ہوگا۔

علامہ کاسانیؒ کی اس عبارت میں وضاحت ہے کہ احناف نے تسلیم اور قبضہ کے شرعی معنی کی تعیین کے لئے لغوی معنی کا اعتبار کیا ہے، یعنی لغت میں تسلیم کے کیا معنی ہیں، اور اس معنی لغوی کے اعتبار سے "تسلیم مبیع" کے کیا معنی ہوں گے، اور یہ مفہوم کس چیز سے حاصل ہو سکتا ہے، چونکہ تخلیہ سے وہ لغوی مفہوم حاصل ہو جاتا ہے اس لئے احناف نے تخلیہ کو تسلیم مبیع کا شرعی مفہوم قرار دیا اور اس تخلیہ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے "تخلی" کو مشتری کی طرف سے قبضہ قرار دیا، لہذا احناف کے نزدیک تخلیہ سے قبضہ حاصل ہو جائے گا۔

علامہ کاسانیؒ نے تخلیہ سے قبضہ کے حصول کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے:

لأن التسليم واجب ومن عليه الواجب لا بد أن يكون له سبيل الخروج عن عهدة ما وجب عليه والذي في وسعه هو التخلية ورفع الموانع فأما الإقباض فليس في وسعه لأن القبض بالبراجم فعل اختياري للقابض فلو تعلق وجوب التسليم به لتعذر عليه الوفاء بالواجب وهذا لا يجوز (ايضا)۔

اس لئے کہ تسلیم واجب ہے اور جس پر واجب ہے اس کے لئے اس واجب سے اپنے ذمہ کو فارغ کرنے کے لئے کوئی راستہ ہونا ضروری ہے، اور جو چیز اس کی قدرت میں ہے وہ تخلیہ اور موانع کو دور کر دینا ہے، اقباض (قبضہ کرانا) یہ اس کی قدرت میں نہیں ہے اس لئے کہ ہاتھوں سے لینا یہ قابض کا اختیاری فعل ہے، اگر وجوب تسلیم کا تعلق اس فعل اختیاری سے ہو تو تسلیم کرنے والے پر واجب کو پورا کرنا متعذر ہو جائیگا اور یہ جائز نہیں ہے۔

یعنی تخلیہ کو حکماً قبضہ قرار دیا گیا اس لئے کہ بائع یا ہر وہ شخص جس کے ذمہ تسلیم واجب ہے اسکی قدرت میں "اقباض" یعنی قبضہ کرانا نہیں ہے، اس وجہ سے کہ "قبض بالید" قابض کا اختیاری فعل ہے، اس میں تسلیم جس پر واجب ہے اس کا کوئی اختیار نہیں تو اگر وجوب تسلیم کو اس اقباض کے ساتھ متعلق کیا جائے، یعنی اس پر "اقباض" واجب کیا جائے تو یہ "تکلیف ما لا یطاق" یا "تکلیف بقدرۃ الغیر" ہوگا اور یہ جائز نہیں، لہذا وہ چیز جو اس کے بس اور قدرت میں ہے اور وہ تخلیہ ہے اس کو اسی کا مکلف بنایا گیا تا کہ اس سے وہ اپنے ذمہ کو واجب سے فارغ کر سکے۔

تخلیہ کی حقیقت:

جس تخلیہ کو حکماً قبضہ قرار دیا گیا ہے اسکی حقیقت کیا ہے اور اس کے معنی کیا ہیں اور آیا ہر چیز کے اندر تخلیہ کی ایک ہی صورت ہوگی یا اشیاء کے اعتبار سے تخلیہ کی مختلف صورتیں ہوں گی؟

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے قبضہ کے تحقق کو بیان کرتے ہوئے تخلیہ کی حقیقت ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

فاعلم أولا أن القبض في المنقولات لا يتحقق عند الشافعية إلا بالنقل و التحويل، وعندنا بالتخلية بينه وبين المشتري أما أن التخلية ماذا هي؟ فهذا مما لايكاد ينضبط إلا بعد النظر إلى الجزئيات شيئا، ومعناها عندي رفع علائق ملكه وتمكينه للمشتري على أن يقبضه، وذلك قد يكون بالفعل وأخرى بالقول وتارة بالقرائن. (فیض الباری ۳/۲۰۶).

سب سے پہلے یہ جان لو کہ شوافع کے نزدیک منقول چیزوں میں قبضہ نقل اور تحویل ہی کے ذریعہ پایا جائے گا، اور ہمارے احناف کے نزدیک مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ سے بھی قبضہ متحقق ہو جائے گا، ہاں تخلیہ کیا چیز ہے تو اس کا بیان کرنا مشکل ہے الا یہ کہ جزئیات میں کچھ نظر کی جائے، اور میرے نزدیک تخلیہ کا معنی یہ ہے کہ اپنی ملکیت کے تمام تعلقات کو ختم کر کے مشتری کو قبضہ پر قدرت دے دینا، کبھی یہ فعلاً ہوگا، کبھی قولاً اور کبھی قرائن سے۔

علامہ کاسانیؒ نے ایک دوسری جگہ قبضہ کا معنی ذکر کیا ہے جس سے اس کی حقیقت واضح ہوتی ہے:

لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة وحقيقة (البدائع والصنائع ۵/۱۴۸).

قبضہ کے معنی تمکین، تخلی اور عرف وعادت اور حقیقت کے اعتبار سے جتنے موانع ہوں سب کو دور کرنا ہے۔

"درمختار" میں ہے کہ تسلیم تخلیہ سے اس وقت حاصل ہوگا جب مشتری قبضہ پر قادر ہو جائے، قبضہ سے کوئی مانع اور حائل نہ ہو:

ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع و لا حائل و شرط في الأجناس شرطا ثالثا و هو أن يقول: خليت بينك و بين المبيع (الدر المختار بهامش على رد المحتار).

پھر تسلیم تخلیہ سے اس طرح حاصل ہوگا کہ مشتری قبضہ پر قادر ہو جائے بلا کسی مانع اور حائل کے اور اجناس میں ایک تیسری شرط یہ بھی ہے کہ بائع "خليت بينك و بين المبيع" کہے۔

نہیں ہوگا، عقار کے قریب ہونے کی صورت میں چونکہ فی الحال قبضہ حقیقی ہو سکتا ہے، لہذا اس صورت میں تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا اور دوسری صورت میں جب عقار دور ہو تو فی الحال قبضہ حقیقی کا تصور نہیں ہے اس لئے تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

صاحب "فیض الباری" نے تخلیہ کی حقیقت کو چند جزئیات سے واضح کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

و بالجملة أن القبض في البيع و الهبة و الرهن يتحقق عندنا بالتخلية و المكنة على القبض و لا يحتاج إلى القبض الحسي أو النقل (فیض الباری ۳/۲۰۶)۔

خلاصہ یہ کہ قبضہ بیع، ہبہ اور رہن میں ہمارے نزدیک تخلیہ اور قبضہ پر قدرت سے متحقق ہو جائے گا، قبضہ حسی یا نقل کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ اس تخلیہ کی جس سے قبضہ پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے چند صورتیں ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

و حاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع (شامی ۴/۴۳)۔

حاصل یہ کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے، اگر بلا مشقت قبضہ پر قدرت حاصل ہو، لیکن یہ قبضہ حکمی مبیع کی حالت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔

تخلیہ قبضہ تام ہے یا ناقص:

تخلیہ (جس سے بلا مشقت قبضہ پر قدرت حاصل ہو جائے) کے حکماً قبضہ ثابت ہو جانے کے بعد دو مسئلے اور زیر بحث رہ جاتے ہیں: (۱) تخلیہ قبضہ تام ہے یا نہیں، (۲) جواز تصرف کے لئے قبضہ تام ضروری ہے یا مطلق قبضہ تصرف کے جائز ہونے کیلئے کافی ہے۔

اس بحث کو علامہ کاسانیؒ نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے، دوسرے حضرات نے بھی علامہ موصوف سے اس بحث کو نقل کیا ہے، مثلاً صاحب اعلاء السنن ہیں۔

اول الذکر مسئلہ سے متعلق علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ تمام احناف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام اموال میں تخلیہ سے اصل قبضہ حاصل ہو جائے گا، لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تخلیہ قبضہ تام ہے یا نہیں۔

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال و اختلفوا في أنها هل هي قبض تام أم لا (بدائع ۵/۲۴۴)۔

تمام احناف کے مابین اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام اموال میں تخلیہ سے اصل قبضہ حاصل ہو جائے گا، لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تخلیہ قبضہ تام ہے یا نہیں۔

اس کے بعد اس اختلاف کا حاصل ذکر فرمایا ہے، جس کو انہی کی عبارت میں ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا

ہے

وحاصل الكلام فيه أن المبيع لا يخلو إما أن يكون له مثل وإما أن يكون مما لا مثل له فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف وإن كان مما له مثل فإن باعه مجازفة فكذلك لأنه لا يعتبر معرفة القدر في بيع المجازفة، وإن باع مكايلة أو موازنة في المكيل والموزون وخلى فلا خلاف في أن المبيع يخرج من ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري ولا خلاف في أنه لا يجوز للمشتري بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن لانعدام القبض بانعدام الكيل او الوزن أو شرعا غير معقول المعنى مع حصول القبض بتمامه بالتخلية (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۴۴).

حاصل یہ کہ مبیع دو حال سے خالی نہیں، مثلی ہوگی یا غیر مثلی، اگر غیر مثلی مذروعات یا معدودات متفاوتہ میں سے ہو تو بلا اختلاف تخلیہ اس میں قبضہ تام ہے (تخلیہ سے مبیع بائع کے ضمان سے نکل جائے گی اور مشتری کے لئے اس کو آگے فروخت کرنا یا اس سے نفع اٹھانا جائز ہے) اور اگر مبیع مثلی ہے اور اس کی بیع جزافاً ہوئی ہے تو بھی یہی حکم ہے (تخلیہ سے بالاتفاق قبضہ حاصل ہو جائے گا) اس لئے کہ بیع جزافاً میں مقدار کی معرفت معتبر نہیں ہوتی لیکن اگر کیلی یا وزنی چیز کو کیل یا وزن کی شرط کے ساتھ فروخت کیا اور تخلیہ کر دیا تو اس صورت میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مبیع بائع کے ضمان سے خارج ہو جائے گی اور مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی اور اسی طرح اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ مشتری کے لئے کیل یا وزن سے پہلے اس کو فروخت کرنا یا اس سے انتفاع جائز نہیں ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ تصرف کی حرمت کیل یا وزن سے پہلے کیل اور وزن کے نہ پائے جانے کی وجہ سے قبضہ کے معدوم ہونے کی بنا پر ہے یا تخلیہ سے قبضہ تام حاصل ہو جانے کے باوجود تصرف کی حرمت شرعاً غیر معقول المعنی ہے۔

اس کے بعد علامہ کاسانی مشائخ احناف کا یہ اختلاف تحریر فرماتے ہیں:

قال بعض مشايخنا إنها تثبت شرعا غير معقول المعنى، وقال بعضهم الحرمة لمكان انعدام القبض على التمام بالكيل أو الوزن، وكما لا يجوز التصرف في المبيع المنقول بدون قبضه أصلا لا يجوز بدون قبضه بتمامه (أيضا).

بعض مشائخ احناف کا قول یہ ہے کہ تصرف کی حرمت کا ثبوت شرعاً غیر معقول المعنی (امر تعبدی) ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ کیل یا وزن کے ذریعہ قبضہ تام کے معدوم ہونے کی وجہ سے ہے اور جس طرح منقول مبیع کے اندر اصل قبضہ کے بغیر تصرف ناجائز ہے، قبضہ تام کے بغیر بھی ناجائز ہے۔

پھر مشائخ کی دونوں جماعتوں کی دلیل ذکر فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وجه قول الأولين ما ذكرنا أن معنى التسلم والتسليم يحصل بالتخلية لأن المشتري يصير سالما خالصا للمشتري على وجه يتهيأ له تقلبه والتصرف فيه على حسب مشيئته وإرادته

دوسرے بعض مشائخ کی رائے ہے کہ اگر مبیع غیر مثلی مذروعات اور معدودات متفاوتہ میں سے ہے یا مثلی ہے لیکن بیع کیلی یا وزنی کی شرط کے ساتھ نہیں ہوئی ہے تو تخلیہ سے قبضہ تام حاصل ہو جائے گا اور اس میں اس کے لئے ہر طرح تصرف کرنا اور انتفاع جائز ہوگا، لیکن اگر مبیع مثلی ہے اور بیع کیل اور وزن کی شرط کے ساتھ ہوئی ہے تو محض تخلیہ سے قبل الکیل والوزن قبضہ تام حاصل نہیں ہوگا لہذا کیل اور وزن سے پہلے اس میں تصرف جائز نہیں ہوگا، علامہ کاسانی کے نزدیک یہ قول راجح ہے اسی لئے اول الذکر حضرات کی دلیل کا ان کی دلیل کے تحت جواب بھی دیا ہے۔

نیز ان عبارتوں سے دوسرا مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ مشائخ کی دونوں جماعتوں کے نزدیک قبضہ تام کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے جس طرح اصل قبضہ کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے، ہاں ایک جماعت نے تخلیہ کو مطلقاً قبضہ تام شمار کیا ہے اور دوسری جماعت نے ایک صورت میں تخلیہ کو قبضہ تام نہیں شمار کیا ہے، بلکہ تخلیہ سے محض قبضہ متحقق ہوگا، اور کیل ووزن سے قبضہ تام ہو جائے گا۔

۳۔ قبضہ کی نوعیت میں اختلاف:

تمام ائمہ کرام کے نزدیک اشیاء کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت میں اختلاف ہوگا، احناف کے نزدیک بھی اگرچہ تمام احوال میں تخلیہ سے قبضہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن مبیع کی حالت کے اعتبار سے تخلیہ کی نوعیت مختلف ہوگی، جیسا کہ شامی کے حوالے سے ماقبل میں یہ بات گذر چکی ہے۔

وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع

حاصل یہ کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے اگر بلا مشقت وکلفت قبضہ پر قدرت حاصل ہو جائے، لیکن یہ قبضہ حکمی مبیع کی حالت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔

اس کے بعد علامہ شامی نے کچھ امثلہ اور جزئیات اس اختلاف کی وضاحت کیلئے ذکر کی ہیں۔

ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فيما يظهر وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض وفي نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض (شامی ۴/۳۳۳)۔

لہذا گیہوں یا اس طرح کی چیز جو گھر میں ہو کنجی کا دینا جب کہ اس سے بلا مشقت کھولنا ممکن ہو قبضہ ہے، اور دار کے مانند چیز میں اس کے بند کرنے پر قدرت کا ہونا قبضہ ہے، اس طرح کہ وہ اسی شہر میں ہو، اور گائے، بیل وغیرہ جو چراگاہ میں ہوں ان کا اس طرح ہونا کہ وہ نظر آرہے ہوں ان کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہو قبضہ ہے، اور کپڑے وغیرہ میں کپڑے کا اس طرح ہونا کہ اگر ہاتھ بڑھایا جائے تو ہاتھ پہونچ جائے قبضہ ہے، اور گھوڑے یا پرندے وغیرہ میں جو گھر کے اندر ہوں بلا کسی مددگار کے گھر سے ان کے پکڑنے کا ممکن ہونا قبضہ ہے۔

اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک عرف کے اختلاف سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی، جیسا کہ ماقبل میں "المجموع" اور "الفقہ الاسلامی" وغیرہ کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

نیز صاحب "بذل المجہود" نے خطابی کا قول ذکر کیا ہے:

قال الخطابي القبوض يختلف في الأشياء بحسب اختلافها في أنفسها، فمنها ما يكون بأن يوضع المبيع في يد صاحبه ومنها ما يكون بأن يكتال وذلك فيما بيع من الكيل كيلاً فأما ما يباع منه جزافاً صبرة مصبوبة على الأرض فالقبض أن ينقل ويحول من مكانه (بذل المجہود ۲۹۲/۴)۔

علامہ خطابی نے فرمایا کہ اشیاء کی ذات میں اختلاف کے اعتبار سے قبضہ بھی مختلف ہوتا ہے، قبضہ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مبیع مالک کے ہاتھ میں رکھ دی جائے، اور مبیع مشتری کے درمیان تخلیہ سے بھی قبضہ ہوجاتا ہے، اور ایک صورت یہ ہے کہ مبیع کو اس کی جگہ سے منتقل کر دیا جائے، اور ایک چوتھی صورت یہ ہے کہ کیل کرنے سے قبضہ حاصل ہوتا ہے، اور یہ اس صورت میں جب کہ کسی مکیلی شی کو کیل کی شرط پر بیچا جائے لیکن اس صورت میں جب جزافاً زمین پر لگے ہوئے ڈھیر کے اعتبار سے فروخت کیا جائے تو پھر قبضہ منتقل کرنے سے ہوگا۔

۲۔ بیع قبل القبض کی ممانعت سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں:

حضرت ابن عباسؓ سے اس نہی کے سبب کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں ربا ہے۔

وسئل عن ابن عباسؓ عن سبب هذا النهي فقال الدراهم بالدراهم والطعام ربا، قال الشوكاني وذلك لأنه إذا اشترى طعاما بمائة دينار ودفعها للبائع ولم يقبض منه الطعام ثم باع الطعام إلى آخر فكأنه اشترى منه بذهبه ذهباً أكثر (اعلاء السنن ۲۲۵/۱۴)۔

حضرت ابن عباسؓ سے اس نہی کے سبب کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: دراہم دراہم کے بدلے ہوئے اور غلہ ربا ہے، شوکانیؒ نے کہا اور وہ اس لئے کہ اس نے (مشتری) جب سو دینار میں غلہ خریدا اور سو دینار بائع کو دیدیا، اور غلہ پر قبضہ نہیں کیا پھر غلہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا تو گویا اس مشتری نے بائع سے اپنے سونے کے بدلے زیادہ سونا خریدا۔

علامہ شوکانیؒ اس تعلیل کے بارے میں فرماتے ہیں:

وهذا التعليل أجود مما علل به النهي لأن الصحابة أعرف بمقاصد الرسول ﷺ (ایضاً)۔

یہ تعلیل دوسری تمام تعلیلوں سے عمدہ ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سرکار دو عالم ﷺ کے مقاصد سے زیادہ واقف ہیں۔

ان مسائل کی اصل یہ ہے کہ بیع قبل القبض (کی ممانعت) کیا معلل بالعلۃ ہے یا نہیں اور ما قبل میں ہمارے کلام کے اندر یہ گذر چکا کہ یہ غیر معلل ہے اور یہ حکم تعبدی ہے، اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں غرر کی وجہ سے اس لئے کہ مبیع کے ہلاک ہوجانے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

الحاصل حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عام ائمہ کرام کی رائے یہی ہے کہ یہ حکم معلل بالعلۃ ہے، ہاں تعیین علت میں اختلاف ہے۔

بیع قبل القبض کے سلسلہ میں ائمہ کرامؒ کے مذاہب:

۵۔ علامہ نوویؒ نے "المجموع شرح المہذب" میں ابن المنذرؒ سے اور "صاحب بذل المجہود" نے خطابی سے بیع قبل القبض کے سلسلہ میں علماء کے مذاہب نقل کئے ہیں، یہاں بذل المجہود سے عبارت نقل کی جارہی ہے:

قال الخطابي أجمع أهل العلم على أن الطعام لا يجوز بيعه قبل القبض واختلفوا فيما عداه من الأشياء فقال أبو حنيفة وأبو يوسفؒ ما عدا الطعام بمنزلة الطعام إلا الدور والأراضي فإن بيعها قبل قبضها وغير الطعام من السلعة والدور والعقار سواء لا يجوز بيع شيء منها حتى يقبض وهو قول ابن عباسؓ وقال مالك ابن انس ما عدا المأكول والمشروب جائز أن يباع قبل أن يقبض وقال الأوزاعي وأحمد بن الحنبل وإسحق يجوز بيع كل شيء منها خلا المكيل والموزون روى ذلك عن ابن المسيب والحسن بصري والحكم وحماد، انتهى (بذل المجہود ۲۸۴/۴)۔

علامہ خطابیؒ نے کہا کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ غلہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، غلہ کے علاوہ دوسری اشیاء میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ دار اور اراضی کے سوا غلہ کے علاوہ تمام چیزیں غلہ ہی کے درجہ میں ہیں، دار اور اراضی کی بیع قبل القبض جائز ہے، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ غلہ اور غلہ کے علاوہ تمام چیزیں، خواہ سامان ہو یا دار ہو یا عقار ہو سب برابر ہیں کسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے، امام مالکؒ نے فرمایا کہ ماکول اور مشروب کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے، امام اوزاعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاقؒ نے فرمایا کہ مکیلی اور موزونی چیز کے علاوہ ان میں سے ہر چیز کی بیع جائز ہے، حضرت ابن المسیب، حسن بصری، حکم اور حمادؒ سے یہی قول مروی ہے۔

یعنی بیع قبل القبض کے سلسلہ میں علماء کے چار مذاہب ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک عقار کے علاوہ کسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

۲۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

۳۔ امام مالکؒ کے نزدیک ماکول اور مشروب کی بیع جائز نہیں، اس کے علاوہ تمام چیزوں کی جائز

ہے۔

ص۔ امام اوزاعی، امام احمد بن حنبل اور اسحاق کے نزدیک مکیلی اور موزونی کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے، صرف مکیلی اور موزونی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، حضرت سعید بن المسیب، حسن البصری، حکم اور حماد سے بھی یہی مروی ہے۔

دلائل:

حضرت امام شافعیؒ اور امام محمدؒ اپنے مسلک پر حضرت حکیم بن حزام اور زید بن ثابتؓ کی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں، علامہ نوویؒ "شرح مہذب" میں تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارے اصحاب (شوافع) نے حضرت حکیم بن حزامؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ: نہ فروخت کرو جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلو، اور یہ حدیث حسن ہے، جیسا کہ شروع فصل میں بیان گذر چکا اور زید بن ثابتؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سامانوں کو فروخت کرنے سے خریدنے کے وقت منع فرمایا، جب تک کہ تاجران کو اپنے گھروں میں منتقل نہ کرلیں، ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے (شرح مہذب ۹ر۲۶۹)۔

امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ روایتیں عام ہیں لہذا یہ حکم عام ہوگا، اس میں تخصیص نہیں کی جائے گی، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے بھی انہیں روایتوں سے استدلال کیا ہے، لیکن ان کے نزدیک یہ حکم عام نہیں، بلکہ "عـام لـم يـخـص مـنـه البعض" ہے، علت نہی (قبضہ سے پہلے بیع کے ہلاک ہوجانے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہوجانے کا اندیشہ) کی وجہ سے یہ حکم منقول کے ساتھ خاص ہوگا، غیر منقول کی بیع قبل القبض جائز ہوگی، شیخینؒ پر یہاں اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ نص تعلیل کے مقابلہ میں ہے، کیونکہ یہ نص کے عموم کی تخصیص ہے، لہذا قیاس اور معنی کو نص پر ترجیح دینا لازم آئے گا، حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

صاحب فتح القدیر نے یہ سوال اور اس کا جواب ذکر کیا ہے کہ یہ نص "عـام خـص مـنـه البعض" ہے، لہذا علت کی وجہ سے مزید اس میں تخصیص ہو سکتی ہے، ہاں اگر یہ "عـام لـم يـخـص مـنـه البعض" ہوتا تو اس میں تخصیص اور تعلیل جائز نہ ہوتی، لہذا علت کی وجہ سے تخصیص کی جاسکتی ہے۔

نیز عقار کی قبل القبض بیع کے جواز پر دلیل وہ روایت بھی ہے جس کو صاحب "اعلاء السنن" نے "شرح مہذب" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، لہذا احناف اس روایت کی وجہ سے بھی اس حکم کو منقول کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

امام مالکؒ اور ان کے موافقین حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس، نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی ان روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں طعام کی بیع قبل القبض سے ممانعت ہے، اس طرح کہ طعام کی تخصیص اور تصریح اس بات کی دلیل ہے کہ طعام کے علاوہ کا حکم یہ نہیں ہے۔

قالوا فالتنصيص في هذه الأحاديث يدل على أن غيره بخلافه (شرح المہذب ۹ر۲۶۹)۔

انہوں نے کہا کہ ان احادیث میں طعام کی تصریح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ غیر طعام اس کے بر خلاف ہے۔

نیز وراثت یا وصیت کے ذریعہ ملکیت میں آنے والی چیز پر قیاس سے بھی استدلال کرتے ہیں، نیز مبیع کے قبل القبض اعتاق اور اجارہ پر دینے کے جواز پر بھی قیاس کرتے ہیں۔

امام مالکؒ کے ان روایتوں سے استدلال کا مطلب یہ ہوگا کہ طعام ان احادیث میں ماکول اور مشروب کے معنی میں ہے۔

بعض علماء نے امام مالکؒ کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ مکیلی، موزونی اور معدودی کے علاوہ دوسری چیزوں کی بیع قبل القبض جائز ہے، یعنی امام احمد بن حنبل کا جو مذہب نقل کیا گیا ہے وہی امام مالکؒ کا بھی ہے جیسا کہ تکملہ فتح الملہم میں ہے:

قال مالکؒ إنما يمتنع البيع قبل القبض في المكيل والموزون من الطعام خاصة وقال سحنون وابن حبيب من المالكية، انه يمتنع في كل مكيل أو موزون أو معدود الخ (۱/۳۵۱)۔

اس قول کے اعتبار سے امام مالکؒ کا استدلال اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کا اپنے مذہب پر استدلال انہیں روایتوں سے ہوگا جن میں طعام کی قبل القبض بیع سے منع کیا گیا ہے، اس طرح سے کہ طعام سے مکیلی یا موزونی چیز لیں گے، اور طعام کی تخصیص یہ دلیل ہے کہ غیر طعام کی بیع قبل القبض جائز ہے، جیسا کہ "المغنی" میں ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے:

والذي يمنع من بيعه قبل قبضه هو الطعام وذلك لأن النبي ﷺ نهى عن بيع الطعام قبل قبضه، فيفهم من هذا أن بيع ما سواه قبل قبضه مباح، والطعام في ذلك الوقت كان مستعملا غالبا فيما يكال ويوزن وقيس عليهما المعدود والمزروع لاحتياجها عن توفيه (بحوالہ حاشیہ حلیۃ العلماء ۴/۹۷)۔

وہ چیز جس کی بیع قبل القبض ناجائز ہے وہ طعام ہے اور یہ اس لئے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے طعام کی بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے، لہذا اس سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ طعام کے علاوہ کی بیع قبل القبض جائز ہے، اور طعام اس وقت عموماً کیلی اور وزنی چیز کیلئے استعمال کیا جاتا تھا، اور مکیلی و موزونی پر معدود اور مزروع کو بھی قیاس کر لیا گیا، اس لئے کہ حق کی ادائیگی کیلئے ان کی ضرورت پڑتی ہے۔

۲۔ کیا ضمان میں آجانا تصرف کے جواز کیلئے کافی ہے:

قبضہ کی حقیقت کی بحث میں (سوال کے جواب میں) یہ بات گذر چکی ہے کہ قبضہ کیلئے حسی یا نقل کی ضرورت نہیں ہے۔

ولا يحتاج إلى القبض الحسي أو النقل (فیض الباری ۳/۲۰۹)۔

یعنی تخلیہ سے قبضہ متحقق ہو جائے گا، حسی قبضہ یا نقل کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن محض ضمان میں آجانے کی وجہ سے انتفاع اور تصرف جائز ہو ایسا بھی نہیں ہے، اس لئے کہ ماقبل میں قبضہ ہی کی بحث میں تخلیہ کے قبضہ تام یا ناقص ہونے کی تفصیل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ جس صورت میں تخلیہ سے قبضہ تام حاصل نہ ہو، بلکہ قبضہ ناقص ہی رہے تو مبیع مشتری کے ضمان میں تو آجائے گی، لیکن اس میں تصرف کرنا یا اس سے انتفاع قبضہ تام سے پہلے مشتری کیلئے جائز نہیں ہے۔

وإن باع مكايلة أو موزونة في المكيل أو الموزون وخلى فلا خلاف في أن المبيع يخرج من ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري ولا خلاف في أنه لا يجوز للمشتري بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن (البدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

اگر مکیلی یا موزونی چیز کو کیل یا وزن کی شرط پر فروخت کیا اور تخلیہ پایا گیا تو اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اور اس بات میں بھی اختلاف نہیں کہ مشتری کیلئے کیل یا وزن سے پہلے اس کا فروخت کرنا اور انتفاع جائز نہیں۔

لہٰذا محض ضمان میں آجانے کی وجہ سے اس کی خرید وفروخت کو جائز نہیں کہا جا سکتا، نیز محض خریدنے کی وجہ سے شیٔ ضمان میں آجائے گی یہ بھی محتاج دلیل ہے، جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ محض خریدنے سے احناف کے نزدیک شیٔ مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوگی۔

لیکن اس کے باوجود یہ خرید وفروخت جائز ہے، اس لئے کہ خریدار نمبر ا کے حکم واجازت سے فیکٹری جب وہ مال کسی ٹرانسپورٹ یا نقل وحمل والی کمپنی کے حوالہ کرے گی تو وہ ٹرانسپورٹ کمپنی یا نقل وحمل والی کمپنی اس خریدار نمبر ا کی اجیر یا وکیل قرار پائے گی، اور اجیر یا وکیل کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار ہوتا ہے، لہٰذا اجیر یا وکیل کے قبضہ میں آتے ہی گویا مشتری کے قبضہ میں آجائے گی، اس طرح اس خریدار کی فروختگی دوسرے نمبر کے خریدار سے جائز ہوگی اور اس کے ضمان میں داخل ہونے کی وجہ سے خریدار نمبر ۲ کے پاس پہونچنے سے پہلے اگر ہلاک ہوگئی تو ہلاکت اس خریدار نمبر ا کے مال سے شمار ہوگی۔

''عالمگیری'' میں اس طرح کا ایک مسئلہ مذکور ہے۔

إذا قال المشتري للبائع ابعث إلى ابني واستأجر البائع رجلاً يحمله إلى ابنه فهذا ليس بقبض والأجر على البائع إلا أن يقول استأجر على من تحمله فقبض الأجير يكون قبض المشتري الخ (عالمگیری ۳/۱۹)۔

جب مشتری نے بائع سے کہا کہ (مبیع میرے بیٹے کے پاس بھیج دو، اور بائع نے ایک آدمی کو اجرت پر لیا جو اس کو مشتری کے بیٹے کے پاس پہونچادے تو یہ قبضہ نہیں ہے اور اجرت بائع کے ذمہ ہوگی، ہاں اگر مشتری یہ کہے کہ میرے لئے اس شخص کو اجرت پر لے لو جو سامان پہونچادے تو اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ ہوگا۔

اسی طرح ایک دوسری عبارت اور ہے:

فإن قال المشتري للبائع زن لي في هذا الإناء كذا وكذا وابعث به مع غلامه أو قال مع غلامي ففعل فانكسر الإناء في الطريق قال هو من مال البائع حتى يقول ادفعه إلى غلامه أو إلى غلامي فإذا قال ذلك فهو وكيل فإذا دفعه إليه فكأنه دفعه إلى المشتري فيكون الهلاك عليه كذا في المحيط (ایضاً)۔

جب مشتری بائع سے کہے کہ میرے لئے اس برتن میں اتنا اتنا تول دو اور اس کو اپنے غلام کے ساتھ بھیج دو، یا کہا میرے غلام کے ذریعہ لہذا بائع نے ایسا ہی کیا پھر برتن راستہ میں ٹوٹ گیا تو یہ (نقصان) بائع کے مال سے ہوگا یہاں تک کہ مشتری یہ کہے کہ وہ مبیع میرے غلام یا اپنے غلام کو دیدو، جب مشتری نے یہ کہا ہو تو وہ غلام وکیل ہے جب بائع نے اس کو دیدیا تو گویا مشتری کو دیدیا لہذا ہلاکت مشتری کے ذمہ ہوگی جیسا کہ محیط میں ہے۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اگر بائع نے خود مشتری کے حکم کے بغیر کسی کو اجرت پر لے کر مبیع مشتری یا اس کے وکیل وغیرہ کے پاس بھجوادیا تو یہ اجیر بائع ہی کا ہوگا، ہاں اگر مشتری کے حکم سے کسی کو اجرت پر لیا ہے تو وہ مشتری کا اجیر ہوگا اور اس کا قبضہ مشتری کا قبضہ ہوگا، یا مشتری نے کوئی ایسی بات کہی جس سے بھجوانے کی ذمہ داری بائع ہی کے ذمہ ڈالدی تو بائع جس شخص کے ذریعہ بھجوائے گا وہ مشتری کا وکیل نہیں ہوگا لہذا اس سے اگر مال ہلاک ہو جائے گا تو بائع ہی کے مال سے ہلاک شمار کیا جائے گا، اور اگر بائع کے ذمہ نہیں ڈالا ہے تو جس کو دینے کا حکم دیا ہے اس کو دے کر بائع بری ہو جائے گا اور اس کا قبضہ مشتری کا قبضہ ہوگا، اگر ہلاک ہو جائے گی تو مشتری کے مال سے ہلاکت شمار ہوگی۔

فیکٹری سے اس طرح خرید کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کو جب کہ مبیع پر خود قبضہ نہیں کیا ہے، "إدارة المباحث الفقهية" جمعیۃ علماء ہند کے پانچویں فقہی اجتماع میں مفتیان کرام کی ایک بھاری تعداد نے جائز قرار دیا۔

اس اجتماع میں مفتیان کرام کی متفقہ رائے سے جو تجویز پاس ہوئی اس کا متن درج ذیل ہے۔

تجویز (۵) قبضہ سے بیع:

کسی دوکاندار کے پاس کوئی خریدار کسی مال کا آرڈر دیتا ہے، وہ دوکاندار کسی بڑی کمپنی سے بذریعہ ٹیلیفون یا فیکس اس کا مطلوبہ مال خریدار کے پاس بھجوا دیتا ہے تو یہ معاملہ جائز ہے، اسی طرح جو مال بازار میں آتا ہے اس کی خرید وفروخت عام مسلمانوں کیلئے درست ہے (بعض صورتوں میں دوکاندار کو کمپنی کا وکیل، بعض صورتوں میں کمپنی کو دوکاندار کا وکیل اور بعض صورتوں میں خود خریدار کو دوکاندار کی طرف سے وکیل بالقبض مان کر یہ معاملہ حدود جواز میں رہے گا اور دوکاندار جو نفع حاصل کرے گا وہ اصالۃً یا وکالۃً جائز قرار دیا جائے گا)، ماخوذ از تجاویز پانچواں فقہی اجتماع منعقدہ ۷ے ۱۸ر ۱۹ر رجب المرجب ۱۴۱۹ھ

۷۔ سوال ۹ کے جواب سے اتنی بات تو معلوم ہوگئی کہ مشتری مال کے وصول سے پہلے جب کہ مال سمندر میں

ہے تیسرے کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہے۔ لیکن مال کے ضائع ہونے کی صورت میں تیسرے شخص کا ضامن ہونا یا تیسرے شخص کو ضامن بنانا جائز ہے یا نہیں، یعنی تیسرا شخص جبکہ اس کا قبضہ نہیں پایا گیا محض یہ معاملہ کرنے سے ضامن ہوجائے گا اور مشتری اول کے ضمان سے وہ شی نکل جائے گی یا نہیں؟ یا تیسرا شخص اس مشتری سے معاملہ کرلینے کی وجہ سے قبضہ کرنے والا شمار ہوگا یا نہیں؟

احناف کے نزدیک محض معاملہ کرنے سے مبیع مشتری کے ضمان میں نہیں آئے گی جب تک کہ مشتری یا اس کے وکیل وغیرہ کا قبضہ یا بائع کی طرف سے اس طرح کا تخلیہ جس سے مشتری بلا کلفت قبضہ پر قادر ہوجائے یا کوئی اور ایسا فعل جب تک مشتری کی طرف سے نہ پایا جائے جس کو قبضہ شمار کیا جاتا ہے۔

لہٰذا صورت مذکورہ میں مال کے ضائع ہوجانے کی صورت میں تیسرا شخص ضامن نہیں ہوگا، علامہ ابن العربی مالکی صاحب "عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی" کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک نفس عقد ہی سے ضمان حاصل ہوجاتا ہے۔

وعندنا أن المبيع بنفس العقد دخل في قبضه وحصل في ضمانه.

اور ہمارے نزدیک نفس عقد سے مبیع قبضہ میں داخل ہوجائے گی اور ضمان میں آجائے گی۔

مالکیہ کے اس مذہب کے اعتبار سے ان کے نزدیک اس تیسرے شخص سے معاملہ کرنا اور اس کا ضامن ہونا درست ہے، لیکن احناف کے نزدیک محض عقد سے مبیع ضمان میں نہیں آئے گی۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا محمد ابراہیم گجیا، سورت

سوال یہ ہے کہ شرع میں قبضہ کی حقیقت کیا ہے؟

اس سلسلہ میں ایضاح المسائل میں بدائع کے حوالہ سے بہت ہی اچھی وضاحت فرمائی گئی ہے، ایضاح کی عبارت ملاحظہ ہو: کسی شی پر قبضہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے قبضہ کرکے لایا جائے، یا بائع کے یہاں سے حقیقی طور پر منتقل کردیا جائے، بلکہ قبضہ کے مفہوم میں داخل ہونے کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ بائع مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کرکے رکھ دے کہ خریدار جب چاہے اپنی مرضی سے اپنی چیز اٹھا کر لیجا سکے، اور اس طرح اٹھا کر لیجانے میں اس پر کوئی رکاوٹ اور پابندی پیش نہ آئے، لہذا اگر بائع نے مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کردیا ہے کہ خریدار جب چاہے لے جاسکتا ہے، اور اس درمیان اگر مبیع بائع کی طرف سے بغیر کسی تعدی کے ہلاک ہوجائے، یا ضائع ہوجائے تو بائع پر کوئی تاوان نہ ہوگا، بلکہ خریدار کی ملکیت میں سے اس کے گھر میں ہلاک ہوجانے کے حکم میں ہوگا۔

بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ولا یشترط القبض بالبراجم، لأن معنی القبض هو التمکین والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة وحقیقة الخ.

قبضہ حاصل ہونے کیلئے ہاتھ سے قبضہ کرکے لانا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کا معنی صرف قبضہ کرنے پر قادر ہونا ہے، اور بائع کا مشتری کے سامنے سامان چھوڑ دینا ہے، اور لوگوں کے عرف میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ صحیح معنی میں قبضہ رکاوٹ دور ہوجانے کو کہتے ہیں۔

صاحب بدائع نے آگے چل کر مزید وضاحت فرمائی ہے:

ثم لا خلاف بین أصحابنا في أن أصل القبض یحصل بالتخلیة في سائر الأموال.

حضرات فقہاء احناف کے مابین اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں بائع کی طرف سے محض اختیار دینے اور سامنے رکھ دینے سے حاصل ہوجاتا ہے۔

آگے صاحب بدائع کی اور وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

تفسیر التسلیم والقبض، فالتسلیم والقبض عندنا هو التخلیة والتخلي وهو أن یخلي

بلا خلاف۔

اگر اشیاء مثلی نہ ہوں، بلکہ ذرعی اور عددی ہوں تو انہیں الگ کر کے اختیار دینے سے بالاتفاق مکمل قبضہ حاصل ہو جاتا ہے۔

غیر منقول اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت:

غیر منقول اشیاء، جیسے زمین، مکان، پلاٹ وغیرہ جائداد کا صرف سودا اور معاملہ طے ہو جانے کے بعد خریدار کیلئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا جائز اور درست ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ویجوز بیع العقار قبل القبض عند ابی حنیفة وابی یوسف۔

اور الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں ہے:

اما بیع الأعیان غیر المنقولة قبل القبض کبیع الأرض والنخیل والدور ونحو ذلک.

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث کا معلول بالعلۃ ہونا:

شامی میں ہے:

(ولعدم الغرر) ای غرر انفساخ العقد علی تقریر الهلاک، وعلله بقوله لندرة هلاک العقار حتی لو کان علواً او علی شط نهر ونحوه کان کمنقول فلا یصح اتفاقاً.

معلوم ہوا کہ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت والی حدیث کی نص کی علت "غرر انفساخ العقد علی تقریر الهلاک" ہے۔

کیونکہ جب مبیع قبضہ سے پہلے ہلاک ہو جائے گی تو بیع فسخ ہو کر اصل مالک بائع کی طرف عود کرے گی، اور گویا کہ مشتری بائع کی ملکیت کو فروخت کرنے والا شمار ہوگا۔

تخریج زیلعی علی احادیث الہدایہ میں ہے:

عن حکیم بن حزامؓ قال:

قلت: یا رسول الله إن رجلاً ابتاع هذه البیوع وابیعها فما یحل لی منها وما یحرم، قال لا تبع شیئاً حتی تقبضه.

واما تایده بالمعقول کما فی الهدایة غرر انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک لأنه إذا هلک قبل القبض ینفسخ البیع وعاد إلی قدیم ملک البائع، فیکون المشتری بائعاً ملک غیره

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی جو ممانعت ہے اس کے عام ہونے نہ ہونے میں ائمہ فقہ کے مختلف اقوال ہیں، علامہ عبدالحی صاحب فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے اپنے موطا امام محمد کے حاشیہ میں اس اختلاف کو تحریر فرمایا ہے، ملاحظہ

فرمائیں:

اختلفوا في هذه المسئلة فقال مالك يجوز جميع التصرفات في غير الطعام قبل القبض، لورود التخصيص في الأحاديث بالطعام وقال أحمد: إن كان المبيع مكيلا او موزونا او معدودا لم يجز بيعه قبل القبض، وفي غيره يجوز، وقال زفر ومحمد والشافعي لا يجوز بيع شيئ قبل القبض طعاما كان أو غيره، لإطلاق الأحاديث وذهب أبو حنيفة وأبو يوسف إلى جواز بيع غير المنقول قبل القبض لأن النهي معلول بغرر انفساخ العقد بخوف الهلاك، وهو في العقار وغيره نادر، وفي المنقولات غير نادر كذا في البناية (التعليق الممجد)۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک احادیث میں طعام کی قید کی وجہ سے طعام کے علاوہ میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز رہے گی، اور حضرت امام احمد علیہ الرحمہ کے یہاں مکیلات، موزونات اور معدودات میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، اور امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام زفرؒ کے نزدیک طعام اور غیر طعام ہر ایک میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، کیونکہ احادیث میں نہ طعام کی قید ہے نہ غیر طعام کی۔

اور شیخین علیہما الرحمہ کے نزدیک عقار میں جائز ہے، کیونکہ عقار میں ''غرر انفساخ العقد'' نادر ہے، اور منقولات میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ناجائز ہے، کیونکہ اس میں ''غرر انفساخ العقد'' نادر نہیں ہے۔

ے: دوسری صورت جس میں بین الاقوامی تجارت میں شپنگ کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا، اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جب کہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کردے، اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں دوسرا شخص اس کا ضامن نہیں ہوگا، بلکہ تیسرا شخص ضامن ہوگا تو اس صورت کے جواز کی ایک شکل یہ ہے جس کو مفتی اعظم صاحب ''احسن الفتاویٰ'' نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر مال پہنچانے کا کرایہ خریدار نمبر ایک ادا کرتا ہے تو اس کے اذن سے بائع کا کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دینا یہ مشتری کا قبضہ شمار ہوگا، اگرچہ مشتری نے کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد بیع جائز ہے۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا منظور احمد قاسمی

۱۔ہ۔ قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو مختلف احادیث مروی ہیں، ان کے پیش نظر جمہور فقہاء کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض ناجائز تو ضرور ہے، لیکن آیا اس کا شمار بیع باطل میں ہے یا بیع فاسد میں یا بیع مکروہ میں؟ اس سلسلہ میں بعض فقہی عبارات سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اشیاء منقولہ میں بیع قبل القبض باطل ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے: وقبل القبض فی المنقول لا ینعقد اصلا (۳۲/۶) کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے بیع اصلاً منعقد ہوتی ہی نہیں۔ چنانچہ بیع باطل کی تعریف فقہاء بھی یہی کرتے ہیں کہ جو بیع اصل ووصف کے اعتبار سے درست نہ ہو۔ الباطل ھو ما لا یکون صحیحا اصلا ووصفا (عنایہ علی الفتح ۴۲/۶) اور صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں: ھو ما لا یکون مشروعا لا باصلہ ولا بوصفہ (۶۹/۶) اور کفایہ میں ہے: وقبل القبض لا یدری أتم البیع فیصیر بائعا ملک نفسہ أم ینفسخ بائعا ملک غیرہ فلا یصح فتمکن فیہ غرر فکان باطلا (کفایہ علی الفتح ۱۳۶/۶) کفایہ کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض باطل ہے۔

نیز یہ تو مسلم بات ہے کہ جن کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض درست نہیں ہے وہ انفساخ عقد کے غرر کی وجہ سے ہے یعنی اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض میں یہ اندیشہ ہے کہ مبیع کے ہلاک ہوجانے کی وجہ سے اول عقد بیع ہی فسخ ہوجائے، گویا بیع قبل القبض غرر ہے۔ اور جس طرح سے آپ ؐ سے بیع قبل القبض کے متعلق نہی وارد ہے، اسی طرح سے بیع غرر کے متعلق بھی نہی وارد ہے اور التعریفات الفقہیہ میں بیع غرر کی تعریف کرتے ہوئے بہت سے معاملے کو بیع غرر میں شمار کیا ہے، مثلاً آبق کی بیع، مجہول، معدوم کی بیع، غیر مقدور التسلیم کی بیع اور اس چیز کی بیع جس پر ابھی بائع کی ملکیت تام نہ ہوئی ہو، پھر اس کے بعد صراحت ہے کہ فکل ھذا بیعہ باطل (قواعد الفقہ ۳۱۲) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض بیع باطل میں شمار ہوتی ہے۔

رہی بات اشیاء غیر منقولہ میں بیع قبل القبض کی تو یہ ائمہ احناف میں سے امام صاحب ؒ اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمد ؒ کے نزدیک درست نہیں ہے۔ دراصل امام محمد ؒ نہی عام قبض والی حدیث کو اپنے اطلاق پر رکھتے ہیں، اور وہ فرماتے ہیں کہ غیر مقبوضہ کی بیع مطلق ممنوع ہے خواہ وہ اشیاء منقولہ میں ہو یا غیر منقولہ میں... اور شیخین بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث کو معلول بالعلۃ کہتے ہیں کہ اصل میں بیع قبل القبض کی ممانعت مبیع کے

ہلاک ہوجانے سے معقد اول کے فسخ ہوجانے کے اندیشے اور غرر کی وجہ سے ہے اور اشیاء منقول کی ہلاکت بہت ممکن ہے۔اس لئے انفساخ عقد اور غرر کی علت کی وجہ سے اس میں بیع قبل القبض ممنوع ہے۔اور چونکہ غیر منقول کی ہلاکت نادر ہے اور النادر کالمعدوم ہے۔اس لئے اس میں انفساخ عقد اور غرر کی علت معدوم ہونے کی وجہ سے بیع قبل القبض درست ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں اس کی صراحت ہے ویجوز بیع العقار قبل القبض عند ابی حنیفة وابی یوسف (ہدایہ ۵۸/۳)۔

وصح بیع العقار لا یخشی هلاکه قبل قبضه من بائعه لعدم الغرر ولندرة هلاک العقار (درمختار علی الشامی ۱۴۷/۵)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک عام ہے،اس ممانعت میں اشیاء منقول وغیر منقول سب داخل ہیں اس دلیل کی بنیاد پر جو اوپر مذکور ہوئی ہے یعنی اطلاق حدیث اور وہ حدیث یہ ہے،جس کو صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے: لا تبعن شیئا حتی تقبضه۔

اور شیخین کے نزدیک بیع قبل القبض کی ممانعت میں صرف اشیاء منقول داخل ہیں،ان حضرات کی دلیل بھی گذشتہ سطور پر مذکور ہوچکی ہے۔

اس باب میں امام مالک کا مذہب صاحب فتح القدیر نے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک صرف کھانے کی اشیاء میں بیع قبل القبض جائز نہیں ہے،باقی تمام اشیاء میں خواہ وہ منقول ہوں یا غیر منقول ہر طرح کا تصرف قبل القبض درست ہے۔اور امام مالک کی دلیل صاحب فتح القدیر نے یہ ذکر کی ہے کہ: لانه ﷺ خص الطعام بالنهی فی حدیث رواه مالک عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه، اخرجه الشيخان وفی لفظ حتی یقبضه (۱۳۶/۹)۔

شریعت اسلامی میں قبضہ کی کیا حقیقت ہے؟ اس سلسلہ میں کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین کی ہے یا نہیں؟ بندہ کو ایسی کوئی صراحت کتاب وسنت میں نہیں مل سکی ہے،البتہ فقہاء کی عبارات اس سلسلہ میں خصوصا علامہ شامی کی تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں ہے،بلکہ مختلف چیزوں کے قبضہ کی مختلف صورتیں ہیں،لیکن اتنی بات تو ضرور ہر چیز کے قبضہ کی حقیقت میں قدرے مشترک ہے کہ بائع مبیع کو ایسے طور پر فارغ کردے اور مبیع کو ایسی پوزیشن میں کردے کہ مشتری کو اس پر قبضہ کرنا بغیر کسی الجھن وتردد کے ممکن ہو اور وہ مبیع بائع کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو،جیسا کہ درمختار علی الشامی (۵۶۱/۴) میں ہے: ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل ۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس عبارت کی شرح میں کئی چیزوں پر قبضہ کے تحقق کی مختلف صورتیں لکھی ہیں،اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں ہے اور نہ ہی ہر چیز میں قبضہ حسی شرط ہے،بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعا بھی قبضہ مانا جائے۔البتہ اتنی

بات تو بہرحال ہر شی کے قبضہ کے سلسلہ میں ملحوظ رہے گی کہ بیع کے بعد وہ شی ایسی حالت میں ہو کہ مشتری اس پر قبضہ بغیر کسی تکلف کے کرلے اور وہ مبیع بائع کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، کیونکہ اگر قبضہ کی بابت اتنی بات بھی ملحوظ نہ ہو تو قبضہ وتسلیم کا معنی ہی متحقق نہ ہوگا۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ خواہ اشیاء منقول ہوں یا غیر منقول دونوں میں ایک معنی مشترک ہوگا جو قبضہ وتسلیم کی تعریف ہے۔ اب اس قبضہ کا تحقق اشیاء منقول میں کب ہوگا، اور اشیاء غیر منقول میں کب ہوگا؟ تو اس کا تعلق عرف سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا جس کے بارے میں عرف ہوگا اسی کو اس شی کے متعلق قبضہ شمار کریں گے، اتنی بات بدیہی ہے کہ ساری چیزوں میں قبضہ حسی شرط نہیں ہے۔

۶۔ مذکورہ صورت میں جبکہ خریدار (۱) فیکٹری سے مال خرید کر اس پر قبضہ حسی کرنے سے پہلے خریدار (۲) کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے تو اگر مبیع خریدار (۲) کے ہاتھ فروخت کرنے سے پہلے خریدار (۱) کے ضمان میں آجاتی ہے تو گویا اس نے مال مضمون کی بیع خریدار (۲) سے کی ہے، اور مال مضمون پر نفع لیا ہے۔ اب یہاں پر گو کہ مال مبیع پر خریدار (۱) کا قبضہ حسی نہیں ہوا ہے لیکن آج کل تجار کے درمیان یہ عرف ہے کہ یہ مبیع خریدار (۱) کے ضمان میں پہونچ جاتی ہے، اس لئے ضمان کو قبضہ حسی سمجھ کر اس خرید وفروخت کو جائز قرار دینا چاہئے۔ چنانچہ خرید وفروخت کے سلسلہ میں تجار کے درمیان کوئی عرف ہو تو اس کا اعتبار بھی ہوتا ہے، جیسا کہ عرف خاص کی مثال دیتے ہوئے صاحب المدخل نے لکھا ہے: **و ذلک کعرف التجار فما یعد عیبا ینقص الثمن فی البضاعة المبیعة أو لا یعد عیبا** (۸۳۹/۲)۔

تجار کے درمیان کا عرف گو کہ عرف خاص ہے عرف عام نہیں ہے، پھر بھی آج کل مذکورہ صورت میں عرف خاص کا دائرہ بہت وسیع ہے اور دن بدن وسیع تر ہوتا جارہا ہے، اس لئے اس عرف خاص پر قیاس کرنا درست ہے، جیسا کہ آٹھویں فقہی سیمینار میں یہ بات علماء کے درمیان تجویز ہوچکی ہے کہ اگر عرف خاص کا دائرہ بہت وسیع ہے تو اس کی بناء پر قیاس درست ہے۔ مزید یہ کہ اس صورت کو اگر جائز قرار دیا جائے تو امت مسلمہ کو ضرر لاحق ہوگا کیونکہ آج کل خرید وفروخت کی کچھ صورت حال ایسی ہوتی جارہی ہے کہ اس میں قبضہ حسی کو لازم قرار دینا ضرر کے مرادف ہے، مثلاً آج کل بھاری اور بڑی تجارتیں اور متعاقدین کے درمیان بہت دور دراز کا فاصلہ ہوتا، اس لئے "الضرر یزال" اور "الضرورات تبیح المحظورات" کے پیش نظر بھی یہ صورت جائز ہونی چاہئے۔

۷۔ وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت شپنگ (جہاز پر مال چڑھ جانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے اور مشتری تک مال پہونچنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا ہے، تو اگر یہ مال مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں آجاتا ہے تجار کے عرف میں، تو پھر اس مال مضمون کی فروخت مشتری کے لئے جائز ہونی چاہئے، اس دلیل کی وجہ سے جو چھ نمبر کے سوال کے جواب میں گذری۔ اور اگر اس مشتری نے جبکہ مال ابھی سمندر میں ہو تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کردیا تو یہ فروخت کرنا تو درست ہے، لیکن چونکہ تیسرے شخص کے ضمان

میں اس مال کے پہنچنے کی کوئی علامت نہیں ہے، اس لئے اس مال کے ضائع ہو جانے پر تیسرے شخص کا ضامن ہونا درست نہیں معلوم ہوتا۔۔البتہ اگر وہ مال مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے

ضمان میں نہیں آیا ہے تو ایسی صورت میں مشتری اول نے مشتری ثانی کو بیچ دیا ہے تو یہ بیع درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے گویا قبضہ سے پہلے مبیع کو فروخت کر دیا ہے اور ایسی چیز سے نفع حاصل کیا ہے جس کا ضامن نہیں ہوا تھا، اور حدیث میں ربح مالم یضمن کی ممانعت ہے۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے متعلق مسائل

مولانا عبداللطیف پالنپوری، گجرات

۱۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے اور یہ بیع فاسد ہوگی، ومن اشتری شیئا مما ینقل ویحول لم یجز لہ بیعہ حتی یقبضہ لأنہ علیہ السلام نہی عن بیع مالم یقبض (ھدایۃ) والنہی یقتضی الفساد فیکون البیع فاسداً قبل القبض (عنایہ علی ہامش الفتح ۲۶۵/۵)۔

۲۔ قبضہ کی دو قسمیں ہیں (۱) حسی (۲) حکمی، حسی قبضہ یہ ہے کہ مبیع حقیقۃً مشتری کے قبضہ وتصرف میں آجائے، اور حکمی قبضہ کی صورت تخلیہ ہے، اور "تخلیہ" یہ ہے کہ بائع مشتری کو مبیع اس طرح سپرد کرے کہ مشتری اس کے قبضہ پر بغیر کسی حائل ومانع کے قادر ہو، یعنی مبیع سامنے حاضر ہو اور غیر کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، اور بائع مشتری کو اس کے قبضہ کی اجازت دیدے، پس اگر مشتری کو قبضہ کی اجازت نہیں دی، یا اجازت دی لیکن وہ مبیع دور تھی تو بھی قبضہ صحیح نہ ہوگا۔

ثم التسلیم یکون بالتخلیۃ علی وجہ یتمکن من القبض بلا مانع ولا حائل وشرط فی الأجناس شرطا ثالثا وھو أن یقول: خلیت بینک وبین المبیع فلو لم یقلہ أو کان بعیداً لم یصر قابضا، والناس عنہ غافلون، فإنھم یشترون قریۃ و یقرون بالتسلیم والقبض وھو لا یصح بہ القبض علی الصحیح (درمختار علی رد المحتار ۴۳/۴)۔

شریعت میں قبضہ کی کوئی صورت متعین نہیں، بلکہ قبضہ کا مدار عرف پر ہے، لیکن یہ عرفی قبضہ اس وقت معتبر ہوگا جب کہ قبضہ حسی، یا حکمی کے دائرے میں آتا ہو، مبیع کا صرف مشتری کے ضمان میں آجانا قبضہ کیلئے کافی نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی ایسی چیز ہو کہ اس میں حسی یا حکمی قبضہ ممکن نہ ہو تو ضمان میں آنے سے بھی قبضہ شمار کیا جائے گا۔

۳۔ اشیاء منقول وغیر منقول میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہ ہوگا، دونوں میں حسی اور حکمی قبضہ معتبر ہوگا۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور نہی کی دو علتیں ہیں، (۱) قبضہ سے پہلے مبیع کا مقدور التسلیم نہ ہونا، کیونکہ ممکن ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہوجائے جس کی بناء پر بائع مشتری کو قبضہ نہ کراسکے اور یہ غرر ہے جس کی بناء پر بیع جائز نہیں ہے (۲) دوسری علت یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی اور "ربح مالم یضمن" جائز نہیں، والغرر المنہی عنہ غرر انفساخ العقد، والحدیث

معلول به (هداية) فإن الحديث الأخير حديث عبدالله بن عمرو دل على أن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح مالم يضمن (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کے بارے میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں (۱) امام احمدؒ کی ظاہر روایت یہ ہے کہ طعام (غلہ) کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ممنوع ہے، اور اس کے علاوہ کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے (۲) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ طعام (غلہ) میں سے مکیلی اور موزونی چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ممنوع ہے (۳) امام شافعیؒ اور احناف میں سے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ طعام اور غیر طعام منقول اور غیر منقول ہر ایک کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت حرام ہے (۴) امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تمام منقولات کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ممنوع ہے، اور وہ عقار جس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز ہے، اور اگر عقار کی ہلاکت کا اندیشہ ہو مثلاً سمندر کے کنارے ہو تو اس کی بیع بھی قبل القبض جائز نہیں ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰)۔

دلائل:

امام احمدؒ کی دلیل: عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۰)۔

امام مالکؒ کی دلیل: ابن عباسؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يكتاله (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۳)۔

امام شافعی اور امام محمدؒ کی دلیل:

(۱) أخرج أبو داؤد "عن ابن عمرؓ قال ..... فإن رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم" فقد عمم هذا الحديث الحكم في سائر السلع.

(۲) عن حكيم بن حزام قال: "قلت يا رسول الله إني أبتاع هذه البيوع، فما يحل لي منها وما يحرم علي؟ قال: يا ابن أخي لا تبيعن شيئا حتى تقبضه".

(۳) عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله ﷺ قال "لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح مالم يضمن ولا بيع ماليس عندك" فنهى فيه رسول الله ﷺ عن ربح مالم يضمن، والبيع قبل القبض يتضمنه لأن المبيع لا يأتي في ضمان المشتري حتى تقبضه فإن باعه قبل ذلك بالربح كان ذلك ربحا لما لم يضمنه (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۲)۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل: وبعين هذه الدلائل الثلاثة يستدل أبو حنيفةؒ وأبو يوسفؒ غير أنهما يستثنيان العقار من عموم النهي لأن علة النهي منتفية فيه فإن الحديث الأخير، حديث عبد الله بن عمرو، دل على أن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم

ربح مالم يضمن وإنما يضمن الإنسان ما يخاف فيه الهلاك وأما العقار فلا يخشىٰ فيه ذلک إلا نادراً حتى لو كان العقار على شط البحر أو كان المبيع علوا لا يجوز بيعه قبل القبض كما في فتح القدير لأن الهلاک فيه غير نادر (تکملہ فتح الملہم ۱؍۳۵۳)۔

۶۔ فیکٹری سے خرید کردہ مال براہِ راست دوسرے خریدار کے ہاتھ بیچنا صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ مال پر حسی، یا حکمی قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے، جب حسی یا حکمی قبضہ ممکن ہو تو ضمان کو قبضہ کے قائم مقام نہیں سمجھا جائے گا، البتہ اس بیع کے جواز کی دو صورتیں ہیں (۱) مال پہونچنے سے پہلے بیع نہ کرے، بلکہ وعدہ بیع کرے اور بیع مال پہونچنے کے بعد کرے، اس صورت میں جانبین میں سے کوئی انکار کردے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، بیع پراسے مجبور نہیں کیا جاسکتا (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے، اسی طرح اگر مال پہونچانے کا کرایہ خریدار ادا کرتا ہے تو اس کی اجازت سے بائع کا کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دیدینا مشتری کا قبضہ شمار ہوگا، اگرچہ کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد بیع جائز ہے۔

قال في الهندية : إذا قال المشتري للبائع ابعث إلى ابني واستأجر البائع رجلا يحمله إلى ابنه فهذا ليس بقبض والأجر على البائع إلا أن يقول استأجر من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشتري إن صدقه أنه استأجره ودفع إليه وإن أنكر استيجاره والدفع إليه فالقول قوله كذا في التتارخانية (عالمگیری ۳؍۱۹) (احسن الفتاوی ۶؍۵۲۶)۔

۷۔ اس صورت میں بھی چونکہ قبل القبض بیع کرنا پایا جاتا ہے اس لئے جائز نہیں ہے، قال العبد الضعيف عفا الله عنه وقد ظهرت في زماننا حكمة أخرى لهذا الحكم وهي أن البيع قبل القبض في زماننا يحدث غلاءً في السوق وكثيرا ما يفعله تجار زماننا في التجارة الدولية فنشاهد اليوم أن الباخرة تجري بالبضائع من اليابان، مثلاً فيبيعه الذي يصدره إلى غيره ثم هو إلى ثان والثاني إلى ثالث وهكذا فتجري على البضاعة الواحدة بياعات ربما تجاوز عشرة وكل ذلک قبل وصول الباخرة إلى الميناء وينتج ذلک أن البضاعة التي كانت قيمتها بضع ربيات في اليابان لا تصل إلى سوق بلادنا إلا بعد ما تصير قيمته مأة أو أكثر لأن كل تاجر يشتريها قبل الوصول يبيعها بربح إلى غيره وتصير الأرباح كلها بأيدي تجرة معدودين ويصير الغلاء نصيب العامة ولا حول ولا قوة إلا بالله (تکملہ فتح الملہم ۱؍۳۵۶)۔

فقط والله تعالى أعلم بالصواب .

☆☆☆☆☆

عقد کہ جس کے رکن میں کوئی خلل نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ (کسی اور چیز) میں خلل ہو، مثلاً مبیع کو سپرد کرنے اور قبضہ کرنے میں جو دونوں عقد سے واجب ہوتے ہیں، وغیرہ تو یہ عقد فاسد ہے۔

اب رہی بات یہ کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت فاسد ہے یا باطل، تو اس سلسلہ میں دونوں قول ملتے ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ باطل ہے اور بعض فساد کے قائل ہیں، چنانچہ مفتی ابوالسعود مصری فرماتے ہیں: (قوله اى لا يصح بيع المنقول) نفى الصحة يحتمل ثبوت فساد العقد وبطلانه صرّح بالأول فى المواهب وبالثانى فى الجوهرة شرنبلاليه ومثل ما فى المواهب فى الزيلعى (فتح المعين على شرح الكنز ۲/۵۹۳)۔

نیز صاحب عنایہ فرماتے ہیں:

النهى يقتضى الفساد فيكون البيع فاسداً قبل القبض (عنایہ مع الفتح ۶/۱۳۷)۔

نیز ہدایہ کے مندرجہ بالا حاشیہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت بیع فاسد ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے، اسلئے کہ یہاں رکن بیع میں کچھ خرابی نہیں بلکہ صرف وصف بیع میں خرابی ہے جو فساد ہی کا مقتضی ہے، واللہ اعلم۔

۳۔ قبضہ کی حقیقت اور مفہوم صرف اتنا ہے کہ بائع شئی مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کردے کہ مشتری (خریدار) جب بھی چاہے اس شئی مبیع کو اپنی مرضی سے اٹھا کر لیجا سکے، اور اختیار سے اٹھا کر لیجانے میں اس کو کوئی مانع پیش نہ آئے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

التسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلى وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلّما للمبيع والمشترى قابضا له (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴، ہندیہ ۳/۱۶)۔

خریدار کو مبیع سونپنے اور اس پر قبضہ کرنے کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ تخلیہ اور تخلی ہو جائے اور تخلیہ، تخلی کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو مشتری کے لئے اس طرح پیش کرے کہ درمیان سے رکاوٹ اس طرح دور ہو جائے کہ مشتری کو مبیع میں تصرف کرنے پر پوری طرح قدرت حاصل ہو جائے، یہی کہا جائے گا کہ بائع نے مبیع سونپ دی اور مشتری نے قبضہ کر لیا۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلى وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة (بدائع الصنائع ۵/۱۴۸)۔

حصول قبضہ کیلئے ہاتھ سے قبضہ کرنا کوئی شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ مشتری قبضہ پر قادر ہو اور بائع مشتری کے سامان کو چھوڑ دے اور یہ کہ عرف و عادت میں صحیح معنی میں موانع ختم ہو جائیں۔

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں:

کامل (۲) قبضہ ناقص۔ قبضہ کامل یہ ہے کہ بائع جب شیٔ مبیع کو الگ کردے (تخلیہ کردے) اور وہ شیٔ مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے تو صرف اس قدر سے مشتری اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے۔

اور قبضہ ناقص یہ ہے کہ صرف بائع کے تخلیہ اور مشتری کے ضمان میں داخل ہونے سے مشتری کیلئے اس میں تصرف کرنے کا کوئی جواز نہ ہو۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت سے متعلق احادیث معلول بالعلت ہیں، اور ممانعت کی علت یہ ہے کہ قبل القبض اگر بیع کی جائے تو ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی وہ مبیع ہلاک ہو جائے اور مبیع کی ہلاکت عقد کو فسخ کردیتی ہے، تو بیع قبل القبض میں قبضہ سے پہلے ہلاکت مبیع کے ذریعہ عقد بیع کے ختم ہو جانے کا غرر ہے اور نبی کریم ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ کی سند سے مروی ہے (بخاری ۱/۲۸۶ مسلم ۲/۲)۔

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

وعلة النهي هو غرر انفساخ العقد بالهلاک قبل القبض (اعلاء السنن ۱۴/۲۳۲)۔

مفتی ابو السعود مصری فرماتے ہیں:

وما رووه معلول بغرر انفساخ العقد بالهلاک قبل القبض (فتح المعین ۲/۵۹۳، وہکذا فی الاوجز ۵/۹۷، فتح القدیر ۶/۱۳۸)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت عام نہیں بلکہ اس میں استثناءات وتخصیصات بھی ہیں، چنانچہ طعام (جس کا ممانعت والی حدیث میں صراحتاً ذکر آیا ہے) کے سلسلہ میں تمام فقہاء متفق ہیں کہ اس کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں، اور طعام کے علاوہ بقیہ اشیاء میں اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں چار مذاہب ہیں:

(۱) یہ ہے کہ مکانات اور زمین وجائداد کے علاوہ بقیہ تمام اشیاء کا حکم بھی وہی ہے جو طعام کا ہے یعنی ان کی بیع بھی قبل القبض جائز نہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا مذہب ہے۔

(۲) طعام وغیر طعام تمام مبیعات کا حکم یکساں ہے خواہ زمین وجائداد ہو یا مکان اور دکانیں وغیرہ، یعنی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی اجازت نہیں، یہ امام شافعیؒ اور امام محمد بن الحسن شیبانیؒ کا مسلک ہے، حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

(۳) ماکولات ومشروبات کے علاوہ بقیہ تمام اشیاء کو قبل القبض فروخت کرنے کی اجازت ہے، یہ امام مالکؒ کا مسلک ہے۔

(۴) مکیلی اور موزونی اشیاء کے علاوہ تمام اشیاء قبل القبض فروخت کی جاسکتی ہیں، معدودی اشیاء کا حکم بھی مکیلی وموزونی کی طرح ہے، یہ امام اوزاعی، امام احمد بن حنبل، اسحق، سعید بن المسیب، حسن البصری، حماد اور حکم کا مذہب ہے (بذل المجہود ۴/۲۸۶، ہکذا فی الاوجز ۵/۹۷، ہکذا فی اعلاء السنن ۱۴/۲۳۶)۔

شوافع کی دلیل:

امام شافعیؒ اور امام محمدؒ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کے عموم سے متعلق تین دلیلیں پیش کرتے ہیں، دو نقلی دلیلیں اور ایک قیاسی، پہلی نقلی دلیل یہ ہے کہ ممانعت والی حدیث میں اطلاق ہے، چنانچہ حضرت حکیم بن حزامؓ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا تبیعن شیئا حتی تقبضها (رواہ النسائی بحوالہ اعلاء السنن ۱۴/ ۲۳۲) نیز ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں حضرت حکیم بن حزامؓ کی یہ حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے: "إذا ابتعت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه" (حوالہ بالا) نیز حضرت ابن عباسؓ سے بخاری ومسلم نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبضہ سے پہلے طعام کی بیع سے منع فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "واحسب کل شیٔ مثله" (بخاری ۱/ ۲۸۶، مسلم ۲/ ۵، واللفظ لہ)۔

دوسری نقلی دلیل یہ ہے کہ جب تک کوئی چیز مشتری کے ضمان میں نہ داخل ہو اس وقت تک نبی کریم ﷺ نے اس سے نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے، لہذا عقار کو قبل القبض بیچنے کی صورت میں ربح مالم یضمن لازم آتا ہے لہذا اس کو بھی قبل القبض بیچنے کی اجازت نہیں ہو سکتی، چنانچہ ترمذی وابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح ما لم یضمن (ترمذی ۱/ ۱۴۸، ابوداؤد مع البذل ۴/ ۲۸۷)۔

تیسری قیاسی دلیل یہ ہے کہ کسی شئ کو قبل القبض اجارہ پر دینا جائز نہیں، لہذا اسی طرح بیع بھی جائز نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

(قوله یجوز بیع العقار ...... وقال محمد لا یجوز وهو قول الشافعیؒ (رجوعا إلی اطلاق الحدیث) یعنی عمومه وهو ما فی حدیث حکیم بن حزامؓ من قوله ﷺ "لا تبیعن شیئا حتی تقبضه" وللنهی عن ربح ما لم یضمن، ولو باع العقار بربح یلزم ربح ما لم یضمن، وصار بیع العقار کإجارته وإجارته قبل قبضه لا تجوز فکذا بیعه (فتح القدیر ۶/ ۱۳۷، بدائع الصنائع ۵/ ۹۷، البحر ۶/ ۱۱۶)۔

مالکیہ کی دلیل:

امام مالکؒ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کو طعام کے ساتھ خاص کرتے ہیں، کیونکہ ممانعت والی حدیثوں میں صرف طعام کا لفظ آیا ہے، لہذا ممانعت حکم طعام ہی کے ساتھ خاص ہوگا، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام أن یباع حتی یقبض (حوالہ بالا) ایسے ہی حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إذا ابتعت طعاما فلا تبعه حتی تستوفیه (رواہ مسلم ۲/ ۶)۔

مذکورہ بالا تمام حدیثوں میں ممانعت کا حکم طعام کے ساتھ خاص آیا ہے، معلوم ہوا کہ طعام کے علاوہ بقیہ

وإن كان (المبيع) مما له مثل .... فإن باع مكايلة أو موازنة في المكيل والموزون وخلّى فلا خلاف في أن المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشترى....... وكذا لا خلاف في أن لا يجوز للمشترى بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن (بدائع ۲۴۳/۴)۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

فأما جواز التصرف فيه فيستدعي قبضاً كاملاً لورود النهي عن بيع ما لم يقبض والقبض المطلق هو القبض الكامل (بدائع ۲۴۵/۵)

علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

وإن كاله أو وزنه بعد العقد بحضرة المشترى مرة ، فيه اختلاف المشائخ ، قال عامتهم : كفاه ذلك حتى يحل للمشترى التصرف فيه قبل كيله ووزنه إذا قبضه وعند البعض لابد من الكيل أو الوزن مرتين احتجاجا بظاهر الحديث والصحيح قول العامة لأن الغرض من الكيل والوزن صيرورة المبيع معلوماً وقد حصل بذلك الكيل واتصل به القبض (فتح القدير ۱۳۱/۶ ،ہدایہ مع الفتح ۱۳۱/۶ ، بدائع ۲۴۵/۵)۔

ایک جگہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

أما إذا اشتراه مجازفة مبيع صبرة فله أن يتصرف فيه قبل الكيل والوزن ، لأن كل المشار إليه له فلا يتصور اختلاط الملكين (فتح القدير ۱۳۰/۶ ، بدائع ۲۴۳/۵)۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مبیع غیر مثلی ہو، جیسے مذروعات ومعدودات متفاوتہ، ایسی اشیاء میں صرف تخلیہ سے بالاتفاق قبضہ تام حاصل ہو جائے گا اور بغیر شمار اور پیمائش کئے ہی مشتری کیلئے ہر قسم کا تصرف جائز ہو جائے گا۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف ، حتى لو اشترى مذروعا مذارعة أو معدودا معاددة ووجدت التخلية يخرج عن ضمان البائع ويجوز له بيعه والانتفاع به قبل الذرع والعدد بلا خلاف (بدائع الصنائع ۲۴۳/۵)۔

اب رہ گئی بات معدودات متقاربہ کی تو اس میں ہمارے ائمہ کرام مختلف ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کا حکم مبیع مثلی جیسا ہے، لہذا وہ بار شمار کئے بغیر مشتری کیلئے ان کی بیع جائز نہ ہوگی، لیکن حضرات صاحبین کے نزدیک معدودات متقاربہ کا حکم مبیع غیر مثلی جیسا ہے، یعنی صرف تخلیہ سے قبضہ تام حاصل ہو جائے گا، اور مشتری کیلئے ہر قسم کا تصرف جائز ہوگا۔

علامہ علاء الدین کاسانی فرماتے ہیں:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا ابراہیم بن محمد یزدوروی

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض ناجائز ہے، اس ناجائز بیع کا شمار بیع فاسد میں ہے۔

ما روی أن النبی ﷺ نهى عن بيع ما لم يقبض والنهی يوجب فساد المنهی عنه (احکام المعاملات المالیہ ر۲۹۱)۔

اشترى دارا أو عبدا أو عرضا وتركها في يد البائع فباعها وربح فالبيع باطل فإن أجازه المشتری ففاسد أيضا لأنه بيع المبيع قبل القبض ويجب فسخه (البحر الرائق ۸ر۱۱۷)۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت تخلیہ ہے، یہ متفق علیہ بات ہے کہ اصل قبضہ تمام قسم کے اموال میں تخلیہ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، جس چیز کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو تخلیہ تصور کیا جائے گا وہی قبضہ ہوگا۔

لا خلاف أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال.

کون سی چیز پر کیسے قبضہ متصور کیا جائے گا اس کی بہترین صورتیں (التنویر والدر ورد المحتار ۴ر۲۹، اور بدائع الصنائع ۵ر۲۴۴) میں مذکور ہیں جو عام طور پر مشہور ہیں۔

۳۔ احناف کے نزدیک اشیاء منقول اور غیر منقول میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

التسليم في اللغة عبارة عن جعله سالما خالصا يقال: سلم فلان لفلان اى خلص له، قال الله تعالى: (ورجلا سلما لرجل) اى سالما خالصا لا يشركه فيه أحد. فتسليم المبيع إلى المشتری هو جعل المبيع سالما للمشتری اى خالصا له بحيث لا ينازعه فيه غيره وهذا يحصل بالتخلية فكانت التخلية تسليما من البائع والتخلی قبضا من المشتری (احکام المعاملات المالیہ ر۲۹۱)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور علت نہی ہلاکت کا اعتبار کرتے ہوئے عقد کے فسخ ہونے کا غرر ہے، "لا يصح بيع المنقول لنهيه ﷺ عن بيع ما لم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك" (البحر الرائق ۸ر۱۱۸)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے اشیاء منقولہ کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے، کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے، لیکن اشیاء غیر منقولہ یعنی زمین کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام مالکؒ کے نزدیک

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اور اس کے چند اہم پہلو

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، گجرات

۱۔ مبیع پر قبضہ ہونے سے قبل دوسرے کے ہاتھ اس کی فروختگی شریعت میں جائز نہیں ہے، "بیع قبل القبض" کے بارے میں فرمایا کہ:

ومنها بيع ما هو مملوك له، لكن قبل القبض۔ اور بیع فاسد کے مختلف انواع واقسام میں سے ایک یہ ہے کہ مبیع جو مشتری کی ملک ہے قبل القبض فروخت کیا جائے (تحفۃ الفقہاء ۲/۴۸) اور بیع فاسد کے عدم جواز کی وضاحت کرتے ہوئے ایک جگہ علامہ سمرقندی (۵۳۹ھ) رقم طراز ہیں کہ:

ومنها أن المبيع إذا كان لا يقدر على تسليمه وقت العقد، مثل الطير الذي طار عن يده .... يكون البيع فاسدا، ولو قدر على التسليم في المجلس، لا يعود إلى الجواز، لأنه وقع فاسدا (تحفۃ الفقہاء ۲/۴۸)۔

من جملہ بیع فاسد میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مبیع کہ عقد کے وقت قبضہ کرانے پر قدرت نہ ہو، مثلاً ایک پرندہ جو بائع کے ہاتھ سے فرار ہو چکا اس کی فروختگی، تو یہ بیع فاسد ہوگی، اور اگر مجلس عقد ہی میں بائع تسلیم پر قادر بھی ہو جائے تو جائز نہ ہوگا، کیونکہ عقد کا وقوع فساد پر ہی ہے۔

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ صاحب مال یعنی مشتری وغیرہ اس پر قابض ہو جائے اور اس پر ہر طرح سے تصرف کر سکتا ہو، چنانچہ حدیث شریف میں اس کی عمدہ وضاحت پائی جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه وفي رواية: حتى يستوفيه، وفي رواية: التفصيل هكذا، عن ابن عمر قال كنا في زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فيبعث علينا من يأمرنا بانتقاله من المكان الذي ابتعناه فيه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه، وعنه هكذا: وكنا نشتري الطعام من الركبان جزافا فنهانا رسول الله ﷺ أن نبيعه حتى ننقله من مكانه (مسلم شریف ۲/۵)۔

والمعروف أن القبض والاستيفاء بمعنى واحد، والقبض فهو أن يأتي الشيء بحرزه وضمانه (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۵۱، قواعد الفقہ ۴۲۲)۔

جس نے کھانے کی اشیاء خریدا تو تاوقتیکہ اس پر قابض نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی فروختگی کی اجازت

اور غیر منقولی اشیاء میں احناف میں سے حضرات شیخین کے یہاں اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ عقار کے ہلاک ہونے کا خوف نہ ہو۔ تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرات احناف میں سے حضرت امام محمدؒ کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ جملہ اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، خواہ طعام ہو یا غیر طعام، منقولی ہو کہ غیر منقولی، ان کے قول کا مستدل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے، جو بظاہر ان کے قول کی دلیل بن رہا ہے، روایت یہ ہے کہ: عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه، قال ابن عباس: واحسب كل شيء مثله (تکملة فتح الملہم ۱/ ۳۵۰)۔

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی غلہ خریدے تو قبل القبض اس کی بیع نہ کرے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے اس پر فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ معاملہ جملہ اشیاء میں ہے، یہی وہ بات ہے جس سے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ استدلال کرتے ہیں مزید تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

۲۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں منقولی اشیاء میں بیع قبل القبض جائز نہیں، لیکن غیر منقولی اشیاء میں جس کے ہلاک ہونے کا خوف نہ ہو ایسی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۱، بحوالہ فتح القدیر ۵/ ۲۶۹) مزید تفصیل ادلہ کے تحت آرہی ہے۔

۳۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک سوائے طعام کے دوسری جملہ اشیاء خواہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ قبل القبض مبیع کی بیع جائز ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۱، کتاب الفقہ ۲/ ۲۳۵) مزید تفصیل ادلہ کے ضمن میں آرہی ہے۔

۴۔ حضرت امام احمد بن حنبل کی سب سے زیادہ ظاہر روایت یہ ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت صرف طعام سے متعلق ہے، باقی اس کے سوا جملہ اشیاء منقولہ ہو کہ غیر منقولہ ہر ایک کی قبل القبض بیع جائز ہے، جیسا کہ مذہب حنبلی کے سب سے بڑے ترجمان ابن قدامہ نے مغنی میں اس کی وضاحت فرمائی ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۰)۔

ادلہ مذاہب اربعہ:

حضرت امام شافعی کی دلیل ذیل کی تین روایتیں ہیں:

۱۔ عن ابن عمر قال: ابتعت زيتا في السوق فلما استوجبته لقيني رجل فأعطاني به ربحا حسنا، فأردت أن أضرب على يده، فأخذ رجل من خلفي بذراعي، فالتفت، فإذا زيد بن ثابت، فقال: لا تبعه حيث ابتعته، حتى تحوزه إلى رحلك، فإن رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع، حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (فقد عمم هذا الحديث الحكم في سائر السلع)۔

۲۔ عن حكيم بن حزام قال: قلت: يا رسول الله! إني أبتاع هذه البيوع، فما يحل لي منها وما يحرم علي؟ قال: يا ابن أخي لا تبيعن شيئاً حتى تقبضه، وفي رواية ابان: إذا اشتريت بيعاً فلا تبعه حتى تقبضه

۳۔ عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح ما لم يضمن، ولا بيع ما ليس عندك، أخرجه الترمذي في باب كراهية بيع ما ليس عنده، وقال هذا حديث حسن

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے بازار میں زیت خریدی اور جب مکمل طور پر میں اس کا مستحق ہو گیا تو ایک شخص سے ہماری ملاقات ہوگئی جو مجھ سے زیادتی منافع کے ساتھ اس کی قیمت دے کر لینا چاہا، اور میں نے بھی ارادہ کر لیا کہ اس کے ہاتھ ہی فروخت کر دوں، اسی اثناء میں جانب خلف سے ایک شخص نے میرے بازو پکڑ لئے، میں نے جو دیکھا تو وہ حضرت زید بن ثابت تھے، انہوں نے فرمایا جس چیز کی تم نے جہاں خریدی ہے وہاں فروخت نہ کرو تا آنکہ وہ تیری ملکیت میں نہ آجائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ جہاں تم سامان خریدو وہیں بیچو، مگر یہ کہ وہ تیرے پاس منتقل ہو جائے اور تیری ملکیت میں آجائے۔

اس حدیث شریف سے استدلال اس طور پر ہے کہ یہ حدیث شریف تمام اشیاء و سامان کو عام اور شامل ہے، طعام پر انحصار نہیں، لہذا تمام اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی، خواہ وہ شی عقار اور غیر منقولی ہو یا غیر عقار اور منقولی ہو۔

(۲) حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں اس طرح سے خرید و فروخت کرتا ہوں، سو اس میں کونسی صورت حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اومیرے بھتیجے! کسی بھی شی کی بیع قبل القبض نہ کیا کرو، اور حضرت ابان کی روایت میں ہے کہ جب تو کسی چیز کو خریدے تو قبل القبض اس کی بیع نہ کرو۔

اس حدیث شریف میں بھی قبل القبض کی ممانعت تمام ہی اشیاء کو شامل ہے، جیسا کہ حدیث کا ظاہر کسی سے مخفی نہیں ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بیع اور سلف حلال نہیں، اور نہ ہی بیع میں دو شرطیں، اور نہ ہی ایسا منافع جائز ہے جس کا ضمان نہ ہوا ہو، اور نہ ہی ایسی شی کی بیع جو تیرے پاس نہ ہو، ترمذی کی روایت میں بیع کی کراہت کے باب میں یہ ہے کہ ایسی چیزوں کی بیع درست نہیں جو اس کے پاس نہ ہو۔

اس حدیث شریف سے استدلال اس طور پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "ربح مالم یضمن" سے منع فرمایا ہے، اور بیع قبل القبض "ربح مالم یضمن" کو شامل ہے، کیونکہ مبیع مشتری کے ضمان میں بعد القبض ہی ہو سکتا ہے، لیکن اگر منافع کے ساتھ قبل القبض فروخت کر دیا تو یہ "ربح مالم یضمن" ہو جائے گا یعنی ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا

ضامن نہ ہوا ہو، اور یہ علت قبل القبض کی صورت میں ہر ایک کو عام ہے خواہ طعام ہو یا غیر طعام ہو، لہذا منقولی اشیاء ہو یا غیر منقولی اشیاء، بیع قبل القبض کسی حال میں درست نہیں (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۲، ۳۵۳)۔

حنفیہ کے دلائل:

حضرات احناف کے دلائل بعینہ وہی ہیں جو حضرات شوافع کے ہیں، الا یہ کہ حضرات احناف نے عقار کو نہی کے عموم سے مستثنیٰ کیا ہے، کیونکہ نہی کی علت عقار میں منتفی ہے، کیونکہ متذکرہ تین حدیثوں میں اخیر حدیث جو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ مبیع کے بیچنے کی ممانعت قبل القبض "ربح مالم یضمن" (یعنی ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) کو مستلزم ہے (جو علت نہی ہے) اور انسان پر ہلاکت کی صورت میں ضمان ایسی چیزوں ہی میں تو ہو سکتا ہے جس کے بارے میں ہلاکت کا خطرہ ہو، اور عقار اور اراضی وغیرہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، لیکن اگر کوئی عقار کی قسم ایسی شکل کی ہو جو خطرہ کے دہانے پر ہے، جیسے سمندر کے کنارے جس کے کٹ کر سمندر میں مل جانے کا خطرہ ہے، تو اس صورت میں پھر یہ عقار جو اس صفت مذکورہ کے ساتھ ہو قبل القبض جائز نہیں ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۳ بحوالہ فتح القدیر ۵/ ۲۶۹)۔

مالکیہ کی دلیل:

حضرت امام مالک کی دلیل وہ حدیث شریف ہے جس میں بیع نا پنے سے قبل کی ممانعت ہے، اور وہ حدیث شریف یہ ہے: من اشتری طعاما فلا یبعہ حتی یکتالہ (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۷، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۳۳۵)۔

حنابلہ کی دلیل:

حضرات حنابلہ نے اپنی دلیل میں حدیث باب کو پیش کیا ہے جو اوپر مذکور ہوئی اس طور پر کہ اس میں نہی مقصور علی الطعام ہے، آنحضرتؐ کا طعام کی صراحت خود اس بات پر واضح دلیل ہے کہ غیر طعام خواہ منقولی ہو یا غیر منقولی بیع قبل القبض ہے۔

(تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۱، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۲۳۶)

۴، ۵۔ ان دونوں سوالوں کے جوابات نمبر ۳ کے تحت تفصیلاً مذکور ہو چکے ہیں اس لئے اعادہ کی حاجت نہیں۔

۶۔ مذکورہ بیع کا طریقہ درست نہیں ہے، اور اگرچہ بائع بعد والے مشتری کیلئے بصورت ہلاکت اشیاء دوران راہ اپنی ضمانت کے بموجب اس کا بدل پیش کرتا ہے، لیکن ضمانت کو قبضہ حسی کے قائم مقام جیسے قبضہ کی تعریف کے جو مذکور ہوئی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ راہ چلتے اشیاء یعنی مبیع کے ساتھ حادثہ کا پیش آ جانا یہ ایک اتفاقی امر ہے، جس کو قبضہ کے قائم مقام کسی صورت نہیں کیا جا سکتا، لہذا فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے ضمان کو قبضہ حسی نہیں قرار دیا جائے گا (بعض لوگوں نے اس کو قبضہ حکمی قرار دے کر جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور راقم کو اس سے اتفاق نہیں ہے، جب کہ قبضہ حسی پایا جانا بہت حد تک ممکن ہے، ہاں اگر دشواری کی صورت ہے تو

گنجائش ہے) اور دوسرے شخص کے ہاتھ اس کی فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے گا، لیکن یہ بات حضرات شوافع اور احناف کے یہاں ہے، دوسرے مذاہب جن میں اس کی گنجائش ہے اور معاملات میں ناگوارشی کو بھی گوارا کر لیا جاتا ہے اس لئے حضرات احناف کے یہاں بھی اس کی گنجائش نکلتی ہے، البتہ اسی وقت جب کہ اس کا خاصا رواج ہو چکا ہے، جائز قرار دیا جانا چاہئے۔

۳۔ ظاہر ہے کہ بحث منقولی اشیاء سے ہے، البتہ اگر طعام کے قبیل سے ہے تو بالاتفاق ائمہ اربعہ میں سے کسی کے یہاں جائز نہیں ہے، طعام کے علاوہ ہے لیکن منقولی ہی ہے، حضرات احناف و حضرات شوافع کے یہاں بالکل جائز نہیں ہے، کیونکہ علت نہی "ربح ما لم یضمن" پائی جارہی ہے، باقی دوسرے مذاہب میں اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ پوری پوری وضاحت نمبر۳ کے تحت آچکی ہے، اب جہاں تک موجودہ دور میں اس کا سلسلہ عموماً یوں ہی ہوتا جارہا ہے، ساتھ ساتھ مبیع کے بازار میں پہنچنے سے قبل ہی متعدد مشتریوں کے درمیان میں آجانے کی وجہ سے اشیاء میں گرانی حساب سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

یا یوں اس کے معاملات کے باب میں ناگوارشی کو بھی گوارا کر لیا جاتا ہے، اس لئے فتوی جائز کا ہونا چاہئے۔

☆☆☆☆☆
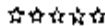
قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا اقبال قاسمی، دربھنگہ

۱۔ بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث:

اس سے متعلق احادیث دو قسم کی ہیں: ۱۔ مقید ۲۔ مطلق

۱۔ مقید: یہ وہ احادیث ہیں جن میں غلہ کی بیع کا قبضہ سے پہلے عدم جواز مذکور ہے، اور اس قسم کی احادیث کے راوی چھ صحابہ ہیں، حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ اور حکیم بن حزام، اور اتحاد مفہوم کے ساتھ سب راویوں کے الفاظ حدیث معمولی اختلاف کے ساتھ تقریباً یکساں ہیں، مفہوم یہ ہے کہ جو شخص غلہ خریدے اور اس کو قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچے، اور جو اس قسم کی خرید وفروخت عہد نبوی میں کرتے تھے ان کو حکم دیا جاتا تھا کہ جب تک غلہ کو خرید کر کسی دوسری جگہ اپنے مکان یا خیمہ میں یا مارکیٹ سے باہر منتقل نہ کرلیں کسی دوسرے کو نہ بیچیں، وہ روایات یہ ہیں:

"من ابتاع أو اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه حتى يستوفيه، حتى يكتاله، حتى يستوفيه ويقبضه، أنهم كانوا يضربون على عهد رسول الله ﷺ إذا اشتروا طعاماً جزافاً أن يبيعوه في مكانه حتى يحولوه، حتى يؤووه إلى رحالهم، وفي رواية كنا في زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فيبعث علينا من يأمرنا بانتقاله من المكان الذي ابتعناه فيه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه" (مسلم شریف ۲؍۵)۔

۲۔ مطلق: یہ وہ احادیث ہیں جن میں طعام (غلہ) کی کوئی قید نہیں ہے، بلکہ مطلقاً سامان اور اشیاء کو قبضہ سے پہلے بیچنے کی ممانعت ہے اور اسی فہرست میں ان صحابہ کے اقوال بھی ہیں جو طعام والی روایت کے راوی ہونے کے باوجود نہی کو تمام اشیاء کیلئے عام خیال کرتے ہیں، اور طعام اور غیر طعام میں کوئی فرق نہیں تصور کرتے ہیں، وہ احادیث یہ ہیں:

۱۔ "يقول زيد بن ثابت إن رسول الله ﷺ نهانا أن نبيع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم"۔

"زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اس جگہ سامان کو فروخت کرنے سے منع فرمایا جہاں اس کو خریدا گیا ہے، جب تک تاجر اس کو اپنے مکان میں منتقل نہ کرلے"۔

۲۔ "أن حكيم بن حزام قال أخذ النبي ﷺ بيدي فقال إذا ابتعت شيئاً فلا تبعه حتى تقبضه"

''حکیم بن حزام نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جب تو کسی چیز کو خریدے تو قبضہ سے پہلے اس کو مت فروخت کر''۔

۳۔ ''عن یعلی بن حکیم بن حزام ان اباہ سأل النبی ﷺ فقال: انی اشتریت بیوعاً فما یحل لی منہا قال: اذا اشتریت بیعاً فلا تبعہ حتی تقبضہ''۔

''یعلی حضرت حزام سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ میں چند چیزیں خریدتا ہوں تو میرے لئے اس کو کس طرح بیچنا جائز ہے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تو کسی چیز کو خریدے تو اس کو قبضہ سے پہلے مت بیچ''۔

۴۔ ''عن ابن عباس قال: اما الذی نہی عنہ رسول اللہ ﷺ فبیع الطعام ان یستوفی قال ابن عباس: برایہ واحسب کل شیء مثلہ'' (شرح معانی الآثار ۲/۲۰۱۔۲۰۲)۔

''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول نے جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ غلہ کو قبضہ سے پہلے بیچنا ہے اور خود میرا خیال یہ ہے کہ ہر چیز غلہ ہی کی طرح ہے''۔

یہ وہ روایتیں ہیں جن میں طعام کی قید مذکور نہیں ہے، اور طعام غیر طعام میں کوئی فرق بیان نہیں کیا ہے''۔

ائمہ کے مذاہب اور ان کے دلائل:

بیع قبل القبض کی بابت بنیادی طور پر ائمہ کے تین اقوال ہیں۔

۱۔ کھانے پینے والی چیزوں میں قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں اور بقیہ چیزوں میں بیع جائز ہے، یہ حضرت امام مالکؒ اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے۔

۲۔ مطلقاً ناجائز ہے، چاہے منقولی اشیاء ہوں یا غیر منقولی، مثلاً گیہوں، روزانہ چیزیں ہوں یا جائداد، مکان وغیرہ، یہ امام شافعی، محمد اور زفر کا مذہب ہے۔

۳۔ منقولی اشیاء، مثلاً غلہ، لوہا، پیتل، سونا، چاندی، کپڑا، خواہ مطعومات ہوں یا غیر مطعومات ان میں ناجائز اور غیر منقولی اشیاء مثلاً زمین جائداد، مکان وغیرہ میں جائز، یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا مختار مسلک ہے۔

ان میں سے ہر ایک کے دلائل بالترتیب یہ ہیں:

پہلی دلیل:

حضرت امام مالکؒ کی دلیل پہلی قسم کی احادیث ہیں، جن میں طعام کی قید لگی ہوئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر غیر طعام کی بیع قبضہ سے پہلے ناجائز ہوتی تو پھر اللہ کے رسول ﷺ طعام کی تخصیص نہ فرماتے گویا ان کے نزدیک یہ احادیث معلول بالعلۃ نہیں ہیں اور بیع کے ناجائز ہونے کا حکم امر تعبدی ہے جس پر دوسری چیز کو قیاس کرنا درست نہیں، یا معلول بالعلۃ القاصرہ ہیں، جو امر تعبدی کے حکم میں ہوتا ہے۔

دوسری دلیل:

حضرت امام شافعی، امام محمد اور امام زفر کی پہلی دلیل دوسری قسم کی احادیث ہے جس میں طعام کی کوئی تخصیص نہیں ہے، اور وہ طعام اور غیر طعام سب کو شامل ہے، چاہے وہ ان چیزوں میں سے ہو جن کو منتقل کیا جا سکے یا نہ کیا جا سکے، جیسے زمین، جائداد وغیرہ، دوسری دلیل یہ کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن جابرؓ طعام والی روایتوں کے راوی ہیں اس کے باوجود ان کے نزدیک طعام اور غیر طعام دونوں کا حکم ایک ہے اور صحابہ حدیث کے منشاء اور مفہوم کو زیادہ سمجھتے ہیں، "نیل الاوطار" میں یہ عبارت ہے:

الصحابة أعرف بمقاصد الرسول (نیل الاوطار: ۱۹۰/۵)۔

"صحابہ منشاء نبوی کو زیادہ پہچانتے ہیں"۔

باقی احادیث میں طعام کی قید تمثیلاً ہے تخصیصاً نہیں، اور نصوص میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ مقید ذکر کیا جاتا ہے اور مراد مطلق ہوتا ہے، قرآن پاک میں "سورہ مائدہ" میں اللہ نے محرم کو حالت احرام میں عمداً شکار کو قتل کرنے سے منع کیا ہے، اور جو آدمی عمداً ایسا کرے اس کی سزا یہ بیان کی ہے کہ اسی جیسا جانور، یا پرندہ لا کر دینا ہے، ارشاد باری ہے۔ " ومن قتله منكم متعمداً جزاء مثل ما قتل الخ ، حالانکہ بحالت احرام خطاً قتل کرنے کا بھی بالاتفاق یہی حکم ہے اور عمد کا ذکر خطا کے منافی نہیں ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں:

"ان ذكره العمد لا ينفي الخطأ فكذلك ذكره الطعام في النهي عن بيعه قبل القبض لا ينفي غير الطعام (شرح معانی الآثار: ۲۰۲/۲)۔

تیسری دلیل:

شبہ ربا کا تحقق ہے، کیونکہ جب مشتری نے خریدی ہوئی چیز کو قبضہ سے پہلے بیچ دیا تو یہ بالکل روپے کو روپے کے بدلے بیچنے کے مشابہ ہو گیا، مثلاً زید نے ایک سامان کو ایک سو دینار میں خرید کر روپے بائع کے حوالہ کر دیا اور ابھی تک زید نے اس سامان پر قبضہ بھی نہیں کیا تھا کہ اتنے میں وہ سامان ایک سو بیس میں کسی دوسرے شخص کو بیچ ڈالا تو یہ بالکل ایک سو دینار کو ایک سو بیس دینار کے بدلے بیچنے کے مشابہ ہے، اور یہ علت طعام اور غیر طعام سب میں جاری ہوتی ہے، لہذا حکم بھی عام ہوگا، اور یہ علت خود حضرت ابن عباس نے حضرت طاؤس سے بیان کی تھی، اور صاحب "نیل الاوطار" نے اس علت کو بہت ہی عمدہ کہا ہے۔

" عن ابن عباس أن طاؤساً سأله عن سبب النهي فأجابه بأنها إذا باع المشتري المبيع قبل قبضه وتأخر المبيع في يد البائع صار كأنه باعه دراهم بدراهم فإذا اشترى طعاماً بمائة دينار مثلاً دفعها إلى البائع ولم يقبض ومنه الطعام ثم باع الطعام من شخص آخر بمائة وعشرين مثلاً صار كأنه اشترى بذهبه ذهبا أكثر منه أي اشتراه بمائة وعشرين .... وهو التعليل أجود ما علل به النهي لأن الصحابة أعرف بمقاصد الرسول "(نیل الاوطار: ۱۹۰/۵)۔

چوتھی دلیل:

وہ ہے جس کو امام طحاوی نے بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ طعام کی بیع قبضہ سے پہلے ناجائز ہونے کی علت "ربح مالم یضمن" ہے اور جب قبضہ کر لیا تو اس کے ضمان میں آ گیا لہذا اب نفع حاصل کرنا درست ہوگا اور اس کی خرید وفروخت کا مکمل اختیار ہوگا اور یہ علت بعینہ دوسری چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے، کیونکہ کسی بھی خریدی ہوئی چیز کو قبضہ سے پہلے بیچ کر نفع حاصل کرنا مال غیر مضمون سے نفع حاصل کرنا ہے اور اللہ کے رسول نے "ربح مالم یضمن" (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) سے منع کیا ہے اور اس میں طعام اور غیر طعام سب داخل ہیں اور ضامن بننے سے پہلے کسی بھی شخص کیلئے نفع اٹھانا درست نہیں، لہذا وہ تمام خریدی ہوئی چیزیں جس کا نفع خریدار کیلئے مباح ہوا اس کو بیچنا بھی مباح ہوگا اور جس کا نفع جائز نہ ہوا اس کو بیچنا بھی خریدار کیلئے جائز نہ ہوگا، امام طحاوی کے الفاظ یہ ہیں:

" وفي ذلك حجة أخرى وذلك أن المعنى الذي حرم به على المشتري الطعام بيعه قبل قبضه هو أن لا يطيب له ربح ما في ضمان غيره فإذا قبضه صار في ضمانه فطاب له ربحه فجاز أن يبيعه متى أحب والعروض المبيعة هذا المعنى بعينه موجود فيها " (شرح معانی الآثار، ۲۰۲/۲)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام یوسفؒ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ پہلی دلیل آیت باری تعالیٰ "احل الله البيع" جو مطلقاً بغیر قبضہ کی قید کے جواز بیع پر دلالت کرتا ہے لیکن خبر آحاد کی بناء پر منقولی اشیاء میں تخصیص کر لی گئی ہے، اور غیر منقولی اشیاء میں آیت کے عموم کے تحت بیع قبل القبض جائز رہی۔

۲۔ دوسری دلیل: دوسری قسم کی احادیث ہیں جن میں طعام کی قید نہیں ہے، اور اس ممانعت کی علت صرف "ربح مالم یضمن" نہیں بلکہ "ربح مالم یضمن" اور "غرر" کا مجموعہ ہے، "ربح مالم یضمن" کی تفصیل گذر چکی ہے اور "غرر" کی شرعی تعریف یہ ہے کہ "غرر" وہ چیز ہے جس کا انجام معلوم نہ ہو اور اس کے بارے میں یقین کے ساتھ نہ بتایا جا سکتا ہو کہ وہ چیز وجود میں آ سکے گی یا نہیں، بلکہ وجود اور عدم دونوں کا اندیشہ ہو مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں:

" الغرر ما طوى عنك علمه، وفي المبسوط الغرر ما يكون مستور العاقبة وفي المغرب الخطر الذي لا يدرى ما يكون أم لا " (حاشیہ ہدایہ ۳۳/۳)۔

اور قبل القبض بیع کرنے میں غرر یہ ہے کہ بائع اول نے تو قطعی طور پر اپنے سامان کو بیچا ہے، چاہے خریدار کے قبضہ کے بعد بیع تام ہو جائے، یا قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہو کر بیع فسخ ہو جائے اور بائع کی ملکیت لوٹ آئے، لیکن خریدار اگر قبضہ سے پہلے کسی دوسرے شخص کو بیچتا ہے تو یہ اندیشہ اور خطرہ ہے کہ وہ اپنی مملوکہ چیز کو بیچ رہا ہے یا دوسرے کی مملوکہ چیز کو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بائع اول کے پاس وہ چیز ہلاک ہو جائے اور اس کا قبضہ نہ ہو سکے اس صورت میں بیع فسخ ہونے کی وجہ سے وہ بائع کے سامان کو بیچنے والا ہو جائے گا، اور دوسرے کے مملوکہ چیز کو بلا وکالت اور بلا اصالت بیچنا جائز نہیں، اور

جس بیع میں ایسا خطرہ اور اندیشہ لگا ہوا ہو اس کی بیع جائز نہیں اور قبضہ کرنے کے بعد یہ اندیشہ نہیں ہے، حدیث میں ہے:
نهى رسول الله ﷺ عن بيوع الغرر (ترمذی شریف ۱؍۲۳۲)۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

ومن اشترى شيئاً مما ينقل ويحول لم يجز بيعه حتى يقبضه لأنه نهى عن بيع ما لم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك "(ہدایہ ۳؍۵۸)۔

چونکہ علت مذکورہ ان ہی چیزوں میں متحقق ہوگی جن کا ہلاک ہونا کثیر الوقوع ہے، جیسے منقول اشیاء، لہٰذا اس میں قبضہ سے پہلے بیع ناجائز ہوگی اور جن چیزوں کی ہلاکت نادر الوقوع ہے، جیسے غیر منقول اشیاء زمین، جائداد وغیرہ، تو علت مذکورہ کے پائے جانے کی وجہ سے اس کی بیع جائز ہوگی، جیسے زمین یا مکان دریا سے قریب ہو اور اندیشہ ہو کہ کہیں وہ زمین دریا بن جائے یا ریت نہ بھر جائے جس کی وجہ سے قابل انتفاع نہ ہے، ہدایہ میں ہے:

" ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف ...... ولا غرر فيه لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملاً بدلائل الجواز، وفي الحاشية قوله نادر حتى قال بعض أصحابنا في موضع لا يؤمن عليه ذلك لا يجوز عنده كذا في المنقول (ہدایہ ۳؍۵۸)۔

اور جب علت نہی غرر انفساخ عقد ہے تو جہاں کہیں یہ علت پائی جائے گی وہاں قبضہ سے پہلے تصرف ناجائز ہوگا، جیسے بیع میں مبیع اور اجارہ میں اجرت اگر عین ہو تو اجرت میں تصرف کرنا قبضہ سے پہلے ناجائز ہے، اسی طرح اگر دین کی جانب سے عین پر صلح ہوا ہو تو بدل صلح میں قبضہ سے پہلے تصرف ناجائز ہوگا، کیونکہ مبیع، اجرت، اور بدل صلح پر قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں عقد کے فسخ ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر عوض کے ہلاک ہونے کی صورت میں عقد علی حالہ باقی رہتا ہے تو پھر اس میں تصرف کرنا قبضہ سے پہلے اس کو بیچنا، ہبہ کرنا، اجارہ پر دینا اور اس کے علاوہ ہر قسم کا تصرف جائز ہے، یہاں تک کہ امام محمدؒ نے تصریح کی ہے کہ جو تصرف قبضہ کے بغیر تام نہیں ہوتا، جیسے ہبہ، صدقہ، رہن اور قرض وہ بھی جائز ہے اور جس کو ہبہ، صدقہ کیا گیا ہے اس کا قبضہ اولاً واہب اور مقرض کا نائب بن کر ہوگا، پھر ثانیاً وہ اپنے لئے قبضہ کرے گا، اسی کو علامہ شامی "فتح القدیر" کے حوالے سے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

وقال في الفتح: الأصل أن كل عقد ينفسخ بهلاك العوض قبل القبض لم يجز التصرف في ذلك العوض قبل قبضه كالمبيع في البيع والأجرة إذا كانت عينا في الإجارة وبدل الصلح عن الدين إذا كان عينا لا يجوز بيع شيء من ذلك ولا أن يشرك فيه غيره، وأما لا ينفسخ بهلاك العوض فالتصرف فيه قبل القبض جائز كالمهر إذا كان عينا وبدل الخلع والعتق على مال وبدل الصلح عن دم العمد كل ذلك إذا كان عينا يجوز بيعه وهبته وإجارته قبل قبضه وسائر التصرفات" (رد المحتار ۴؍۱۸۱)۔

۳۔ بیع قبل القبض کی احادیث معلول بالعلۃ ہیں:

فقہاء اصولیین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ نصوص شرعیہ عملیہ میں اصل تعلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام ہی احکام شرعیہ فرعیہ کی بنیاد علتوں پر رکھی ہے، کسی بھی حکم کو بغیر علت کے بیکار مشروع نہیں کیا ہے، عبدالوہاب خلاف لکھتے ہیں:

"أن الأحكام الشرعية العملية جميعها إنما شرعت لمصالح الناس ولعلل بنيت عليها وما شرع حكم منها عبثاً لغير علة" (اصول الفقہ للخلاف: ۶۳)۔

اب علت نہی کیا ہے؟ تو حضرت امام شافعیؒ، امام محمدؒ کے نزدیک مال غیر مضمون سے نفع حاصل کرنا ہے، اور امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال غیر مضمون پر نفع اور غرر انفساخ عقد کا مجموعہ ہے، جب کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک طعام کی بیع کا حکم امر تعبدی ہے جس پر دوسری چیزوں کو قیاس کرکے عدم جواز بیع کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، علامہ انور شاہ کشمیری تحریر کرتے ہیں:

"وأما الحديث ففيه ذكر الطعام فنقح فيه الشيخان المناط وقررا المناط أن يكون شيئاً منقولاً وقصر الحجازيون الحكم على الطعام" (العرف الشذی علی الترمذی ۱/۲۴۳)۔

اور ہم صاحب ہدایہ اور امام طحاویؒ کے حوالے سے نص کا معلول بالعلۃ ہونا ثابت کرچکے ہیں، لہٰذا اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

۴۔ بیع قبل القبض باطل ہے یا فاسد؟

قبل اس کے کہ ہم قبضہ سے پہلے بیع کو باطل، یا فاسد ثابت کریں، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم دونوں کی شرعی تعریف اور حکم بیان کریں، تاکہ دونوں کا فرق واضح ہوکر سامنے آجائے اور فاسد، یا باطل کا حکم لگانا ہمارے لئے سہل ہوجائے، چنانچہ مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی "ہدایہ" کے حاشیہ میں بہت جامع اور مختصر انداز میں تحریر فرماتے ہیں کہ بیع باطل وہ بیع ہے جو اصل اور وصف دونوں اعتبار سے ناجائز ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ ارکان عقد اور محل عقد میں کوئی نقص اور خلل ہو، مثلاً ایجاب وقبول میں عدم موافقت، ثمن اور مبیع کا مال نہ ہونا، یا بیع کے بعد خریدار کے مالک نہ ہونے کی شرط وغیرہ، اس کا حکم یہ ہے کہ مشتری کی ملکیت خریدی ہوئی چیز پر ثابت نہیں ہوگی، خواہ وہ قبضہ کرے، یا نہ کرے، لہٰذا اگر مردار کے عوض غلام کو خرید کر آزاد کردیا تو آزاد نہ ہوگا، اور بیع فاسد وہ بیع ہے جو اصل کے اعتبار سے مشروع ہو اور وصف کے اعتبار سے غیر مشروع، اس کی علامت یہ ہے کہ نقص اور خلل ارکان بیع میں نہ ہو، مثلاً ایسے شرائط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں، اور ان سے بیع کی افادیت پر زد پڑتی ہو، یا عوضین کے لینے دینے میں بیجا شرط لگانا، اس کا حکم یہ ہے کہ مبیع پر جب مشتری قبضہ کرلے گا تو وہ مالک ہوجائے گا، اگرچہ اس قسم کے عقد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری کے اختیار میں ہے اور فاسد میں مبیع پر قبضہ کرلینے سے چونکہ ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اس لئے اگر غلام کو شراب کے بدلے خرید کر آزاد کردیا تو آزاد ہوجائے گا، مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھتے ہیں:

" والباطل فلا يصح أصلاً ووصفاً ولا يفيد الملک بوجه ...... والفاسد ما يصح أصلاً ووصفاً وهو يفيد الملک عند اتصال القبض به ...... فكل ما أورث خللاً في ركنه فهو باطل وكل ما ليس كذلک بل أورث خللاً في غيره ...... فهو فاسد " (حاشیہ ہدایہ ۳/۳۳)۔

اس تفصیل کے بعد ہم اصل بحث کو شروع کرتے ہیں کہ قبضہ سے پہلے بیع فاسد ہے، یا باطل؟ ہم جواب دیں گے کہ اس بارے میں کتب فقہیہ میں دونوں طرح کی عبارتیں ملتی ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل ہے، جیسا صاحب درمختار نے جوہرہ کے حوالے سے لکھا ہے۔

" بخلاف بيعه قبله فإنه باطل مطلقاً ، جوهرة " (درمختار ۴/۱۶۲)۔

جبکہ زیادہ تر عبارتوں سے اس کے فاسد ہونے کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ خود صاحب "درمختار" نے گذشتہ عبارتوں سے متصل "مواہب" کے حوالے سے بیان کیا ہے:

" وفي المواهب وفسد بيع المنقول قبل قبضه (ایضاً)"۔

علامہ نووی شرح مسلم میں " كانوا يضربون إذا باعوه " کے تحت لکھتے ہیں:

" هذا دليل على أن ولي الأمر يعزر من تعاطى بيعاً فاسداً " (شرح النووی علی المسلم ۲/۵)۔

" عہد نبوی میں بیع قبل القبض پر پٹائی ہونا دلیل ہے اس پر کہ حکومت کے ذمہ داران بیع فاسد کرنے والوں کی تعزیر کر سکتے ہیں"۔

صاحب فتاویٰ ہندیہ بیع کی شرائط صحت کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ومنها القبض في بيع المشترى المنقول وفي الدين فبيع الدين قبل قبضه فاسد كالمسلم فيه " (ہندیہ ۳/۳ ۔۔۔ ردالمحتار ۴/۱۶۲)۔

" خریدار کیلئے منقول اشیاء، اور دین کو بیچنے کی ایک شرط قبضہ کرنا ہے، لہٰذا دین کو قبضہ سے پہلے بیچنا فاسد ہے، جیسا کہ مسلم فیہ کو بیچنا"۔

اور جن فقہاء نے لا یصح کا لفظ استعمال کیا ہے، وہ اگرچہ فساد اور بطلان دونوں کو جامع ہے لیکن فساد کا معنی مراد لینا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ فساد کی علت " غرر " ہے، جو خارجی شی ہے اور صلب عقد میں داخل نہیں ہے، اور بیع کے تمام ارکان، ایجاب وقبول متعاقدین کی اہلیت اور عوضین کی مالیت اس میں پائے جا رہے ہیں، صرف ایک خارجی چیز قبضہ مفقود ہے اور جس بیع میں تمام ارکان موجود ہوں اور ان کے صلب میں کوئی نقص اور خلل نہ ہو، بلکہ نقص اگر کسی خارجی چیز میں ہو تو وہ بیع فاسد ہوتی ہے، باطل نہیں، لہٰذا اس کو باطل قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا، علامہ ابن عابدین شامیؒ صاحب "درمختار" کے قول " ونفى الصحة يحتمله " کے ذیل میں لکھتے ہیں:

" قوله ونفي الصحة .. أي الواقع في المتن يحتملهما أي يحتمل البطلان والفساد والظاهر الثاني لأن العلة الفساد الغرر مع وجود ركني البيع (ردالمحتار ۴/۱۶۲)۔

باقی جن لوگوں نے باطل کہا ہے تو ان کے کلام کو فاسد پر محمول کیا جا سکتا ہے، کیونکہ فساد اور بطلان ایک دوسرے کی جگہ پر بہت کثرت سے مستعمل ہوتے ہیں، صاحب ہدایہ نے فاسد کی تعبیر باطل سے کی ہے۔

"وبیع أم الولد والمدبر والمکاتب فاسد معناہ باطل" (ہدایہ ۳؍۴۳)۔

اور "رد المحتار" میں اس کی تصریح ہے:

"وکثیرا ما یطلق الباطل علی الفاسد" (رد المحتار ۴؍۱۸۲)۔

۵۔ قبضہ کی حقیقت:

کسی چیز پر قبضہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے قبضہ کر کے بائع کے یہاں سے منتقل کر لیا جائے بلکہ قبضہ کی حقیقت تخلیہ اور تسلیم ہے کہ بائع مبیع کو اپنے مال سے اس طرح خالی کر کے الگ کر دے کہ خریدار جب چاہے اپنی مرضی سے بلا روک ٹوک اس پر تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، نیز مبیع کے ساتھ کسی دوسرے کا حق وابستہ نہ ہو جس کی وجہ سے وہ روک ٹوک کر سکے اور ہر چیز پر قبضہ اور قدرت تسلیم اس کے مناسب حال ہوا کرتی ہے اور اس کی کوئی ایک تحدید نہیں کی جا سکتی ہے جو تمام چیزوں میں یکساں صادق آئے، چنانچہ مثلی، غیر مثلی، منقولی اور غیر منقولی ان سب پر قبضہ کی الگ الگ شکلیں ہیں، مثلاً بجلی کا کرنٹ اور میٹر وغیرہ جو خریدار کے گھر میں لگایا جاتا ہے، یہ اس کے مناسب قبضہ اور تسلیم ہے اور مشتری کا زمین میں بیج ڈالنا، سینچائی کرنا، جوتنا، رجسٹری کرانا، یہ زمین کے مناسب قبضہ ہے، منقولی اشیاء کو اپنے برتن میں ڈالنا، بائع کے مکان سے منتقل کرا لینا، اپنے وکیل کو سامان اٹھا لینے کا حکم دینا وغیرہ، یہ منقولی اشیاء پر قبضہ ہے، بدائع میں ہے:

"ولا یشترط القبض بالبراجم لأن معنی القبض ہو التمکین والتخلی وارتفاع الموانع عرفا وعادۃ حقیقۃ" (بدائع ۵؍۱۴۸)۔

"انگلی کے پوروں سے قبضہ کرنا شرط نہیں ہے اس لئے کہ قبضہ کی حقیقت قدرت دینا، سامان کو خریدار کے سامنے چھوڑ دینا اور عرفاً، عادۃً حقیقۃً رکاوٹ اور موانع کا دور ہو جانا ہے۔"

رد المحتار میں ہے:

"وحاصلہ أن التخلیۃ قبض حکما لو مع القدرۃ علیہ بلا کلفۃ لکن یختلف بحسب حال المبیع" (رد المحتار ۴؍۳۷)۔

"خلاصہ یہ ہے کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے اگر وہ اس پر بغیر مشقت کے قادر ہو لیکن وہ بیچ خریدی ہوئی چیز کے مناسب حال مختلف ہوتا رہے گا"۔

قبضہ سے متعلق بعض اہم مسائل:

۱۔ اگر کسی دوکاندار سے کہا کہ یہ تیل کی شیشی میرے گھر بھیج دو، اس نے بھیج دیا، وہ شیشی راستے میں گر کر ٹوٹ گئی تو یہ نقصان کس کا شمار ہوگا؟ اس بارے میں شیخ ابو بکر محمد بن فضل نے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا

ہے کہ اگر خریدار نے کہا تھا کہ میرے غلام کے ہاتھ سے بھیج دینا اس نے ایسا ہی کیا تو یہ مشتری کا نقصان ہوا، اور اگر کہا تھا کہ اپنے غلام کے ہاتھ سے بھیج دینا اور اس نے اپنے غلام کے ہاتھ ہی سے بھیجا تو یہ نقصان دوکاندار کا ہوگا، کیونکہ مشتری کا غلام مشتری کے درجہ میں ہے اور بائع کا غلام بائع کے درجہ میں ہے (ہندیہ)

۲۔ خریدار نے دوکاندار سے ایک برتن دے کر کہا کہ اس میں اتنا تیل وزن کر کے اپنے غلام کے ہاتھ، یا میرے غلام کے ہاتھ سے بھیج دینا اس نے حکم کے مطابق تیل بھیج دیا، راستہ میں گر کر برتن ٹوٹ گیا تو یہ نقصان دوکاندار کا ہوا، ہاں اگر مشتری نے یہ کہا کہ میرے غلام کو، یا اپنے غلام کو دیدینا اور اس نے دیدیا تو ٹوٹ جانے کی صورت میں نقصان خریدار کا ہوا، کیونکہ یہ الفاظ وکالت کے ہم معنی ہیں، اور وکیل کو دیدینا موکل (خریدار) کو دینے کی طرح ہے (ہندیہ)۔

۳۔ خریدار نے بیچنے والے سے کہا یہ سامان میرے لڑکے کے پاس بھیج دینا بائع نے ایک آدمی کو مزدور رکھ کر اس کے لڑکے کے پاس بھیج دیا تو یہ قبضہ نہیں ہوا اور مزدور کی مزدوری بائع پر لازم ہوگی ہاں اگر یہ کہے کہ میرے لئے ایسے شخص کو مزدوری پر رکھ لینا جو اس کو لے جائے تو مزدور کا قبضہ خود خریدار کا قبضہ شمار ہوگا اگر خریدار تائید وتصدیق کر دے کہ ہاں میں نے اس کو کرایہ پر رکھ کر سامان حوالہ کیا ہے اور اس صورت میں مزدوری خریدار کے ذمہ ہوگی (ہندیہ)۔

۴۔ ایک شخص نے گائے یا بکری خرید کر بیچنے والے سے کہا کہ اس جانور کو لے کر اپنے گھر چلے جانا میں بعد میں آکر اس کو اپنے گھر لے آؤں گا، بیچنے والا اس کو اپنے گھر لایا اور اس کی موت ہوگئی تو یہ نقصان بیچنے والے کا ہوا اور ایسی صورت میں اگر وہ جانور کو سپرد کر دینے کا دعویدار ہو اور اس کے پاس گواہ نہ ہو تو خریدار کی بات معتبر ہوگی اور اس سے قسم لیا جائے گا (ہندیہ)۔

۵۔ ایک شخص نے بیچنے والے کے مکان پر بیمار جانور خرید کر کہا کہ رات بھر یہیں رہے گا اور تم مطمئن رہو کہ اس کو بیچ کر اگر جانور کی موت واقع ہوگئی تو میرا جانور مرے گا اس کے بعد وہ جانور مر گیا تو شرعی اعتبار سے بائع کا جانور مرا ہے مشتری کا نہیں (ہندیہ)

۶۔ ایک شخص نے کپڑا خریدا لیکن نہ قبضہ اور نہ روپئے دیا اور کہا کہ مجھے آپ پر اعتماد نہیں کہیں آپ دوسرے کو نہ بیچ دیں اس لئے وہ کپڑا فلاں کو دیدیجئے میں آکر روپئے دے دوں گا، بائع نے وہ کپڑا فلاں کو دیدیا اس کے پاس سے کپڑا ضائع ہو گیا تو وہ کپڑا بائع کا ضائع ہوا، کیونکہ جس شخص کو کپڑا دیا گیا ہے، وہ بائع کی خاطر ثمن کو وصول کرنے کیلئے کپڑے کو روکے ہوئے ہے اس لئے اس کا قبضہ خود بائع کا قبضہ شمار ہوگا (ہندیہ)۔

۷۔ بائع نے خریدی ہوئی چیز مشتری کے اہل وعیال کو دے دیا تو ان کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار نہ ہوگا اور ہلاک

ہونے کی صورت میں بیع فسخ ہو جائے گی (اور ثمن مشتری پر لازم نہ ہوگا) (ہندیہ)۔

۸۔ مشتری نے بائع کو مبیع پر قبضہ کرنے کا حکم دے دیا تو بائع کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار نہ ہوگا اسی طرح اگر خرید کر بائع ہی کو ودیعت، عاریت، اجارہ پر دے دیا تو اس کو مشتری کا قبضہ شمار نہیں کریں گے اور اجرت واجب نہیں ہوگی، یہ سب اہم مسائل عالمگیری میں ہیں (فتاوی ہندیہ ۳/۱۹۔۲۰)۔

۹۔ ایک چیز کو خریدا لیکن قبضہ نہیں کیا، یہاں تک کہ بائع نے کسی اور شخص کو زیادہ روپے میں بیچ دیا اور مشتری نے اس کی اجازت دے دی تو یہ جائز نہیں اس لئے کہ یہ قبضہ سے پہلے بیچنا ہے (شامی ۴/۱۸۲)۔

۶۔ منقولی اور غیر منقولی اشیاء پر قبضہ کی نوعیت:

احناف کے نزدیک منقولی اور غیر منقولی اشیاء میں قبضہ کے اعتبار سے کوئی ایسا فرق نہیں ہے جس کو حد فاصل قرار دیا جائے، بنیادی چیز تخلیہ اور تسلیم ہے اور اس کی حقیقت کو بیان کرنا معتذر اور مشکل ہے اور ہر چیز کا قبضہ اس کے مناسب حال ہوگا اگر زمین ہو تو اس کا قبضہ زمین کو خالی کر دینا جو تا، ہتھیا لی کرنا بیع ذالدیہ، اس کے علاوہ ہر وہ تصور جس سے بائع کا قبضہ ختم ہو جائے اور اس زمانے میں رجسٹری کو اصل قبضہ تصور کیا جاتا ہے، اور رجسٹری کے بعد گرچہ مشتری نے کسی بھی قسم کا تصرف نہ کیا ہو اس کے قبضہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، حالانکہ شریعت اسلام میں رجسٹری کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لیکن عصر حاضر میں احتیاطاً رجسٹری ضرور کروا لینی چاہئے، تاکہ بعد میں کسی بھی قسم کا بائع دعویدار نہ ہو سکے اور مفاسد کا سد باب ہو سکے، اور دوکان کا قبضہ یہ ہے کہ بائع اپنے سامان کو خالی کر دے اور چابی مشتری کے حوالہ کر دے، یا گھر روم خالی کر دے اور چابی مشتری کے حوالہ کر دے، یا وہ اپنا کوئی سامان رکھ دے، یا اس کی مرمت قلعی وغیرہ کروا دے یا اس کے مناسب قبضہ ہے، اور کیلی یا وزنی چیزوں کو کیل کر کے، یا وزن کر کے مشتری کے برتن میں ڈال دے، اس کے ہاتھ میں پکڑا دے، یا وہاں سے منتقل کرا لے، یہ کیلی وزنی چیزوں کا قبضہ ہے، ایک غلام کو خرید کر کہا کہ میرے ساتھ چل وہ اس کے ساتھ چلا قبضہ ہو گیا، اسی طرح وہ کاندار نے کپڑا پھاڑ کر دے دیا تو قبضہ ہو گیا ان سب مسائل میں بنیادی چیز بائع کا مشتری کو مکمل قدرت دے دینا ہے۔

البتہ حنابلہ کے نزدیک اگر مبیع روپے دینار یا دراہم ہوں تو اس کا قبضہ ہاتھ سے لے لینے سے ہوگا اور کپڑے کو منتقل کرنے اور حیوان کو اپنی جگہ سے ہٹا دینے اور چلا دینے سے ہو جائے گا اور زمین وجائداد کا قبضہ ہر قسم کی رکاوٹ کو ختم کر دینے سے ہوگا۔

۷۔ بیع قبل القبض کی بعض مروجہ شکلیں:

عصر حاضر میں قبضہ سے پہلے بیع مالی تجارت کا ایک اہم عنصر بن گئی ہے، بلکہ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ اصل جگہ سے روانہ ہو کر منزل مقصود تک پہونچنے سے پہلے ہی مال کی باقاعدہ بیع در بیع ہو جاتی ہے اور درمیان کا ہر بائع اپنا نفع وصول کر لیتا ہے، اس بیع قبل القبض سے ممانعت فرمائی ہے، بیع قبل القبض کی مروجہ شکلوں میں وہ دو شکلیں بھی بہت عام اور کثیر الوقوع ہیں جو مرسلہ سوالوں میں درج ہیں اور ان کے جواب یہ ہیں ۱۔ اگر ایک شخص کسی فیکٹری سے مال

خرید کر اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دے اور معاملہ یہ طے پائے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر۲۔ کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری خریدار نمبر۱۔ پر آئے گی، تو اس صورت کے جواز کی شرعاً کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ہے، اور یہ بیع فاسد ہوگی، لیکن جب خریدار نمبر۲۔ کے قبضہ میں آجائے گی تو شرعاً اس کی ملکیت متحقق ہو جائے گی، کیونکہ یہ معاملہ زیادہ سے زیادہ بیع فاسد کا ہے جس میں قبضہ کرنے کے بعد ملکیت آجاتی ہے، لیکن اگر خریدار نمبر۱۔ فیکٹری کے مالک سے یہ کہے کہ وہ مال کسی کو مزدور رکھ کر، یا مال بردار کمپنی کے ذریعہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، چنانچہ مالک فیکٹری نے وہ مال کسی شخص کو مزدور رکھ کر اس کی، یا مال بردار کمپنی کی تحویل میں دیدیا اس کے بعد خریدار نمبر۱۔ خریدار نمبر۲۔ کو بیچ دیتا ہے تو یہ درست ہے، اور اس صورت میں مزدور کو، یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض قرار دیں گے۔

"إذا قال المشتري للبائع ابعث إلى ابني واستأجر البائع رجلا يحمله إلى ابنه فهذا ليس بقبض والأجر على البائع إلا أن يقول استأجر علي من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشتري (ہندیہ:۳/۱۹)۔

۲۔ اگر مشتری نے مال خریدنے کے بعد بائع سے یہ کہا کہ میرا مال مال بردار جہاز کے ذریعہ بھیج دینا، اور کسی خاص جہاز کی تعیین بھی نہ کی اور جہاز خرچ اپنے ذمہ لیا اور بائع نے حکم کے مطابق جہاز پر مال چڑھا دیا تو ایسی صورت میں مال کی وصولی سے قبل اور مال بردار جہاز کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد کسی تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کرنا اور اس کو ضامن بنانا شرعاً جائز اور درست ہے اور مال بردار جہاز کمپنی وکیل بالقبض ہوگی، جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کے حوالے سے ابھی گذرا۔

۸۔ بیع قبل القبض کی جائز شکلیں:

مال پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں لہٰذا وہ منافع بھی حلال نہیں، اس کی تصحیح کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی کو، یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنا دے، اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے، جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

۲۔ مال پہنچنے سے قبل بیع نہ کرے بلکہ وعدہ بیع کرے، بیع مال پہنچنے کے بعد کرے، اس صورت میں جانبین میں سے کوئی انکار کر دے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ائمہ اربعہ میں سے امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مطعومات کے علاوہ باقی تمام منقولات، غیر منقولات میں بیع قبل القبض جائز ہے اور اگر مطعومات کو بھی تول اور وزن کے بجائے اندازے سے بیچا جائے تو ان کی بیع بھی قبل القبض جائز ہے۔

"المالكية قالوا: يصح للمشتري أن يتصرف في المبيع قبل قبضه بالبيع سواء كان المبيع أعيانا منقولة أو عينا ثابتة كالأرض والنخيل ونحوهما إلا الطعام كالقمح والفاكهة فإنه لا

یصح بیعہ قبل قبضہ إلا إذا اشتراہ جزافاً بدون کیل أو وزن أو عد" (الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۲/۲۳۵)۔

امام مالکؒ کے اس قول پر عمل کرنے سے بھی کافی حد تک معاملہ آسان ہو جاتا ہے، اور حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک بیع قبل القبض جائز ہے اور اس میں تخلیہ کی بھی ضرورت نہیں ہے، نفس ایجاب وقبول ہی کو وہ قبضہ کے درجہ میں رکھتے ہیں، چنانچہ فیض الباری میں ہے:

"إذا علمت هذا فاعلم أنه يعلم من تراجم البخاري أن القبض عنده لا يحتاج إلى التخلية ولا إلى النقل وإن تصرف المشتري يصح عنده قبل قبض المبيع" (فیض الباری ۳/۲۰۲)۔

فیصلے کے وقت آج کے حالات کو سامنے رکھ کر حضرت امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کے مذہب کی طرف بھی نگاہ رکھنی چاہئے، نیز یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ بیع قبل القبض چونکہ فاسد ہے اور فاسد پر قبضہ کرنے سے ملکیت متحقق ہو جاتی ہے اس لئے خریدار نمبر ۲۔ قبضہ کے بعد مالک ہو جائے گا اور اس کے بعد اس کیلئے ہر قسم کا تصرف درست رہے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

مولانا تنویر احمد قاسمی

۱۔ شرعاً قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اگر اشیائے مملوکہ میں ہے تو یہ بیع غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے "بیع فاسد" میں داخل ہے۔ هو كل بيع فاته شرط من شرائط الصحة (بدائع ۵/۲۹۹، طبع رشیدیہ پاکستان) لیکن اگر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اشیائے مملوکہ میں نہیں ہے تو اس وقت مبیع مال متقوم کے علاوہ مباح الاصل ہے تو ایسی شکل میں شرائط انعقاد میں سے "شرط محلیت" مفقود ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہوگی: واما البيع الباطل فهو كل بيع فاته شرط من شرائط الانعقاد من الأهلية والمحلية وغيرها (بدائع ۴/۳۰۵)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: (قوله لبطلان بيع المعدوم) إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه (شامی ۴/۱۰۵، طبع بیروت)۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع مشتری کو مبیع پر قابو دیدے اور مبیع پر قابو پانے کیلئے جو موانع من جانب البائع ہو سکتے ہوں اسے دور کر دیا جائے، اگر چہ تخلی کے سلسلہ میں یہ رفع موانع عرفاً اور عادۃً جس طریقے سے متصور ہوں ان سبھی صورتوں میں قبضہ شرعی متحقق ہوگا، قبضہ کی حقیقت صرف قبضہ حسی ہی نہیں ہے، بلکہ مبیع اس طرح ہو کہ دوسرے کے حق میں مشغول نہ ہو، بلکہ وہ مبیع مفرز یعنی علاحدہ اور جدا ہو۔

ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي، وارتفاع الموانع عرفا وعادة (بدائع ۵/۱۴۸) وقوله بلا مانع، بأن يكون مفرزا غير مشغول بحق غيره وفي التاتارخانية ولو باع دارا وسلمها إلى المشتري وله فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليما حتى يسلمها فارغة وكذا لو باع ارضا وفيها زرع (شامی ۴/۴۳)

۳۔ مبیع دو طرح کے ہوتے ہیں: اشیاء منقول، اور غیر منقول۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قبضہ کی نوعیت اشیاء منقول وغیر منقول میں جدا جدا ہے یا ایک ہی ہے، اس سلسلہ میں باوجود تتبع وتلاش کے کوئی صریح نص فقہی پر واقفیت اور کامیابی نہیں مل سکی، تاہم علامہ شامی نے درمختار کی عبارت "ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع وحائل" کے تحت قبضہ کی حقیقت وماہیت کی وضاحت وصراحت میں اشیائے منقول وغیر منقول دونوں طرح کی مثال تحریر فرمائی ہیں، جس سے بطریقہ ظن غالب کہا جا سکتا ہے کہ قبضہ کی نوعیت منقول وغیر منقول دونوں میں یکساں ہیں، مثلاً:

مبیع پر قبضہ شرعی اس وقت ہوگا جبکہ وہ مبیع جدا اور علاحدہ اس طور پر ہو کہ دوسرے کا حق مشغول نہ ہو، یعنی وہ مبیع دوسرے کے حق سے خالی وعاری ہو، لہٰذا اشیاء غیر منقول میں صاحب مکان، یا صاحب ارض مبیع دار یا مبیع ارض کو مشتری کے حوالہ اس طور پر کیا کہ اس مکان میں بائع کا یا کسی اور کا کسی قسم کا کوئی سامان (خواہ وہ قلیل ہو، یا کثیر) موجود اور رکھا ہوا ہے، یا اس زمین میں بائع کی فصل آباد اور لگی ہوئی ہے، تو اس طرح کی بیع غیر کے حق سے جدا نہ ہونے اور غیر کے حق میں مشغول ہونے کی وجہ سے اسے تسلیم مبیع اور قبضہ علی المبیع نہیں کہہ سکتے۔

(قوله بلا مانع) بأن يكون مفرز غير مشغول بحق غيره، وفي الملتقط ولو باع دارا و يسلمها إلى المشتري وله فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليما حتى يسلمها فارغة وكذا لو باع أرضا وفيها زرع (شامی ۴؍۴۳)۔

ایسا ہی اشیاء منقول میں پرندہ یا گھوڑا وغیرہ، بائع نے اس طرح فروخت کیا کہ وہ مبیع بند دروازہ میں ہے، مشتری نے بائع کی طرف سے قبضہ کی اجازت مل جانے پر دروازہ کھولا، دروازہ کھولنے کے بعد بغیر دوسرے کی معونت کے اور بغیر کلفت وتکلیف، بغیر حیلہ کے مشتری بذات خود مبیع کو پکڑ سکتا ہے تو اس اجازت کو شرعی حیثیت سے قبضہ شرعی قرار دیا جائے گا، لیکن اگر دروازہ کھولنے کے بعد بآسانی خود نہیں پکڑ سکتے، بلکہ حیلہ وتدبیر یا دوسرے شخص کی معونت پر گرفت موقوف ہو تو اس طرح کی اجازت کو قبضہ شرعی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ولو اشترى طيرا أو فرسا في بيت وأمره البائع بقبضه ففتح الباب فذهب إن أمكنه أخذه بلا عون كان قبضا وتمامه في البحر وحاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة (شامی ۴؍۴۳)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی نہی سے متعلق جو احادیث وآثار صحابہ ہیں وہ معلول بالعلت ہیں، وہ علت "غرر اور خطر" ہے، کیونکہ مشتری کا قبل القبض فروختگی میں ممکن ہے کہ معقود علیہ کے تلف واہلاک کے موجب عقد اول فسخ ہو جائے اور وہ مبیع پر قبضہ دلانے سے عاجز رہ جائے، تو پھر مشتری کا یہ تصرف "غرر اور خطر" کے علاوہ وجہ معنی دارد۔

صاحب "فتح القدیر" نے ہدایہ کی عبارت "قوله ولا يجوز بيع السمك في الماء" کے سلسلہ میں مختلف شکل یعنی غیر مملوک اور غیر مملوک قبل القبض اور اس کا حکم تحریر فرمانے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کا قول نقل کر کے علت "غرر اور خطر" ہی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وقال أبو يوسف في كتاب الخراج رخص في بيع السمك في الآجام أقوام فكان الصواب عندنا في قول من كره، حدثنا العلاء ابن المسيب بن رافع عن الحرث العكلي عن عمر بن الخطاب قال: لا تبايعوا السمك في الماء فإنه غرر، وأخرج مثله عن ابن مسعود، ومعلوم أن الأجمة قد يؤخذ منها السمك باليد، والغرر الخطر، وغير المملوك على خطر ثبوت الملك وعدمه فلذا جعل من بيع الخطر (فتح القدیر ۶؍۴۰۱، مکتبہ رشیدیہ پاکستان)۔

چنانچہ علامہ کاسانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

(ومنها) القبض في بيع المشترى المنقول فلا يصح بيعه قبل القبض كما روى أن النبي عليه السلام نهى عن بيع مالم يقبض، والنهي يوجب فساد المنهي، ولأنه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه لأنه إذا هلك المعقود عليه قبل القبض يبطل البيع الأول فينفسخ الثاني لأنه بناه على الأول وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع فيه غرر، وسواء باعه من غير بائعه أو من بائعه، لأن النهي مطلق لا يوجب الفصل بين البيع من غير بائعه وبين البيع من بائعه وكذا معنى الغرر لا يفصل بينهما فلا يصح الثاني (بدائع ۵/۱۸۰)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ استثناءات اور تخصیصات بھی ہیں جس میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی صرف "صحت" کا عدم ہے نہ کہ نفاذ بیع اور لزوم بیع کا۔

وہ اشیاء مستثنیٰ یہ ہیں: عقار یعنی اشیاء غیر منقولہ، مہر، بدل خلع، بدل حق، بدل صلح عن دم العمد، میراث، حق، تدبیر اشیاء، وصیت۔

مشتری کا قبل القبض عقار فروخت کرنا امام شیخینؒ کے نزدیک جائز اور صحیح ہے، جبکہ امام محمدؒ، زفرؒ اور امام شافعی علیہم الرحمۃ کے نزدیک ناجائز ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل: "روى أن النبي عليه الصلوة والسلام نهى عن بيع ما لم يقبض، وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع فيه غرر" اور اس جیسی روایتیں ہیں۔

امام شیخین علیہم الرحمۃ کی دلیل: "أحل الله البيع" اور "إذا قضيت الصلوة فانتشروا في الأرض" وغیرہ جیسی آیتوں کی تعمیم ہے، جس تعمیم کو خبر واحد کے ذریعہ تخصیص و تقیید نہیں کر سکتے، یا خبر واحد اور آیتوں کے درمیان یوں تطبیق دی جائے کہ خبر واحد سے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی کو اشیاء منقولہ پر، اور آیتوں کی تعمیم کو اشیاء غیر منقولہ پر محمول کر کے دفع تعارض کر لیا جائے۔

ان تمام باتوں کے باوجود امام شیخین علیہم الرحمۃ بھی مشتری کا قبل القبض عقار فروخت کرنا استحساناً یعنی قیاس خفی کی بنیاد پر جائز فرماتے ہیں، ورنہ قیاس جلی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح کی بیع کو یہ دونوں حضرات بھی ائمہ ثلاثہ کی طرح ناجائز کہتے ہیں، وجہ استحسان یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کی بناء "غرر" ہے، وہ غرر یہ ہے کہ معقود علیہ کی ہلاکت کی وجہ سے انفساخ عقد کا احتمال ہے، اور یہ اشیاء منقولہ ہی میں متصور ہے، اسلئے اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے، اور چونکہ اشیاء غیر منقولہ میں اس قسم کا احتمال غرر متصور ہے ہی نہیں، فثبت أن بيع المشترى العقار قبل القبض جائز (بدائع ۵/۱۸۱)۔

ایسا عقد جو احتمال نقض و فساد رکھتا ہے یعنی اگر بائع نقض بیع کرے تو وہ معاملہ و عقد ٹوٹ سکتا ہے، خواہ یہ نقض و فساد اس وقت ہو جبکہ مشتری قبل القبض مبیع میں تصرف وغیرہ کرے، یا بعد القبض تصرف کرے، لیکن یہ قبضہ بدون اذن البائع ہو تو اس قسم کے عقود میں مشتری کے تصرفات کے سلسلہ میں امام شیخین اور محمد و زفر وغیرہ کا باہم اختلاف ہوا ہے۔

لیکن وہ عقود اگر اس طرح کے ہیں کہ مشتری کی طرف سے کئے گئے تصرفات احتمالِ نقض رکھتے ہی نہیں، جیسے تصرف حقِ تدبیر، استیلاء وغیرہ، تو ایسی صورت میں بالاتفاق مشتری کے یہ تصرفات صحیح اور درست قرار پائیں گے، خواہ یہ تصرف قبل القبض ہو، یا بعد القبض بدون اذن البائع ہو، ہمارے اس دعویٰ کی دلیل علامہ شامی کی یہ عبارت ہے:

(قوله صح بيع عقار) اى عندهما و قال محمد لا يجوز ..... الخ إلى أن قال، وكذا كل تصرف يقبل النقض إذا فعله المشترى قبل القبض او بعده بغير إذن البائع فللبائع إبطاله بخلاف ما لا يقبل النقض كالعتق والتدبير والاستيلاء، بحر (شامی ۴/۱۹۲، طبع بیروت)۔

ہر وہ عقد جو عوض کی ہلاکت کے سبب عقد ٹوٹ سکتا ہے تو اس قسم کے عوض میں مالک کو قبضہ سے پہلے کسی قسم کے تصرف کا حق وجواز نہیں، لیکن تمام وہ عقود جو عوض کی ہلاکت سے نفس عقد باطل اور زائل نہیں ہو پاتا، تو اس قسم کے عوض میں قبل القبض، مالک کو تصرف کا حق جواز حاصل ہے، بشرطیکہ ان عقود کا عوض متعین فی الخارج ہو، جیسے مہر، بدل خلع، عتق علی مال، بدل صلح عن دم العمد۔

ان دونوں شکلوں (ہلاکت عوض سے فسخ عقد اور عدم فسخ عقد) میں سے پہلی شکل میں قبضہ سے پہلے تصرف کی ممانعت اور دوسری شکل میں تصرف کی اجازت، ان بھی امور میں امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمۃ متفق اور متحد ہیں، لیکن امام محمد پہلی شکل میں صرف صدقہ، رہن، قرض، ان تصرفات کے جواز کے قائل ہیں جو تصرفات قبضہ کے بعد ہی تام اور مکمل ہوتے ہیں، جبکہ امام ابو یوسف پہلی شکل میں مطلقاً بشمول تمام تصرفات کو حق کے ہبہ کو بھی ناجائز ہی قرار دیتے ہیں، معلوم نہیں اس مقام پر دیگر ائمہ کرام کا کیا مسلک ومذہب ہے، ملاحظہ ہو شامی کی پوری تفصیلی عبارت:

قال في الفتح الأصل أن كل عقد ينفسخ بهلاك العوض قبل القبض لم يجز التصرف في ذلك العوض فالتصرف فيه قبل القبض جائز كالمهر وإذا كان عينا يجوز بيعه و هبته و إجارته قبل قبضه وسائر التصرفات في قول أبي يوسف ثم قال محمد كل تصرف لا يتم إلا بالقبض كالهبة والصدقة والرهن والقرض فهو جائز قلت: وحيث مشى المصنف على قول محمد كان ينبغي للشارح ذكر الأصل الثاني أيضا لأنه يظهر مما ذكرنا أن الأصل الأول غير خاص بقول أبي يوسف إلا أن الشق الأول منه وهو ما ينفسخ بهلاك العوض قبل القبض كالبيع والإجارة لا يجوز التصرف قبل القبض في عوضه المعين عند أبي يوسف مطلقا وأجاز محمد فيه كل تصرف لا يتم إلا بالقبض كالهبة ونحوها لأن الهبة لما كانت لا تتم إلا بالقبض صار الموهوب له نائبا عن الواهب (شامی ۴/۱۹۲-۱۹۳)۔

قبضہ سے پہلے ملک موروث میں وارث اور مال موصی بہ میں موصی لہ تصرفات کا مکمل اختیار رکھتا ہے اور اس کے تصرفات صحیح ہوں گے، بدائع میں ہے:

وكذلك الميراث يجوز التصرف فيه قبل القبض لأن معنى الغرر لا يتقرر فيه ولأن

الوارث خلف الميت في ملك الموروث وكذلك الموصى به بأن أوصى إلى إنسان بشئ ثم مات الموصي فللموصى له أن يتصرف قبل القبض لأن الوصية أخت الميراث ويجوز التصرف في الميراث قبل القبض فكذا في الموصى به (بدائع ۵/۱۸۱، مطبوعہ پاکستان)

۲۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کر دیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہونچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری اسی شخص (خریدار) نمبر (۱) کا نقصان قرار پاتا ہے، یہ صورت معاملہ اگرچہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر حقیقی قبضہ نہیں ہوا، لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہونچنے سے پہلے اس کی ضمانت میں رہا، سوال یہ ہے کہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے دوسرے شخص کے ہاتھ اس فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے، یا ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا؟

سوال مذکور میں جب بائع نے مشتری سے مال فروخت کر دیا، اور بائع نے یا وکیل بائع یا ولی بائع نے براہ راست خرید شدہ مال کو مشتری آخر کے پاس بھیج دیا، یہ پتہ دے رہا ہے کہ بائع نے تمام موانع اور رکاوٹ کو دور کر دیا ہے، جس کے نتیجہ میں مشتری خرید کردہ مال کو مشتری ثانی کے پاس بھیج رہا ہے، جو عین قبضہ پر دال ہے، مشتری اول کا مشتری ثانی کے پاس مال بھیج کر مبیع میں تصرف کرنا بعد القبض ہے نہ کہ قبل القبض، جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر مال راستہ ہی میں ہلاک ہو جائے تو اس مال کا ضمان مشتری اول پر عائد ہوتا ہے، خرید و فروخت کے باب میں حسًا قبضہ لازم نہیں ہے، بلکہ دراصل وہی قبضہ معتبر ہے جسے عرف عام میں قبضہ کہا جاتا ہو، جس کی تشریح پیچھے گذر چکی ہے۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں جب بھی عرف وشرط ہو کہ جہاز پر مال چڑھانے کے بعد، وہ مال بائع کے قبضہ سے نکل کر مشتری کے قبضہ واحراز میں چلا آتا ہے، اگر وہ مال دریا میں غرق ہو جائے تو مال کا خسارہ صرف مشتری کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اس کے باوجود جبکہ وہ مال سمندر میں ہے، مشتری اول اس مال کو مشتری ثانی کی معرفت فروخت کر دیتا ہے، اور یہ بھی طے ہو جاتا ہے کہ اگر مال ہلاک ہو جائے تو ضمان مشتری ثانی کو برداشت کرنا پڑے گا، تو یہ معاملہ مشتری اول کا مشتری ثانی سے کرنا فی نفسہ جائز ہے، کیونکہ مشتری اول کیلئے مبیع مقبوض ہے، لیکن ابھی اس مال پر مشتری ثانی کا قبضہ متحقق نہیں ہے، اسلئے ہلاکت کی صورت میں مال مذکور کا ضمان مشتری ثانی پر ہرگز عائد نہیں ہوگا۔

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

☆☆☆☆☆

یعنی حصول قبضہ کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ "یداً بید" یا مکمل طور پر حسی گرفت ہو، جیسا کہ لفظ براجم سے سمجھا جا رہا ہے، بلکہ مفہوم یہ ہے کہ بائع کا مشتری کے سامنے رکھ دینا یا اپنی حفاظتی گرفت سے خارج کرنا کہ جس پر مشتری اپنا تصرف کر سکے، یعنی مشتری کی گرفت اس مبیع پر جس حیثیت سے ہو اسی حیثیت سے ان کا قبضہ عرفاً مانا جاتا ہو، اور عادۃً لوگوں میں مشتری کا قبضہ متصور ہو، البتہ یہ تصور حقیقۃً ہونے کہ مجازاً، یعنی لوگوں میں مثلاً عادۃً جس حیثیت سے قبضہ مانا جاتا ہو اسی حیثیت سے ہونا ضروری ہے، نہ تاویلاً، یا ارادہ وغیرہ، اور مشتری اس پر تصرف کرنے پر قادر ہو، نیز مشتری کے تصرفات میں کسی طرح کی بائع کی طرف سے رکاوٹ نہ ہو اور مکمل تخلیہ ہو، مراد اس سے یہ ہے کہ بائع کا حق تصرف اس سے ختم ہوگیا ہو اور مشتری کی اس پر تمکین ہو جائے یہ تمکین "من حیث الأخذ بالید" ہو، یا رفع حائل و موانع سے ہو، جو بھی عرف میں معتبر مانا جاتا ہو یہ حقیقۃً ہو یا حکماً، در حقیقت بات یہ ہے کہ ایسے تخلیہ کو شرعاً قبضہ کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے کہ علامہ شامی نے شرائط التخلیۃ کو بیان کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی ہے، البتہ یہ مبیع کی حالت کے اعتبار سے مختلف بھی ہوتا ہے، عبارت یہ ہے:

وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع (۵۶۲/۴)۔

مگر تخلیہ کے اندر یہ بات ملحوظ ہونی چاہئے کہ مبیع اتنی قریب ہو کہ اس پر اگر قبضہ حقیقی کرنا چاہے تو کوئی دشواری پیش نہ آئے اور اگر فی الحال مبیع اتنی دوری پر ہو کہ اگر اس پر قبضہ حقیقی کرنا چاہے تو بہت مشکل ہو، یعنی قبضہ حقیقی دوری کی وجہ سے غیر متصور ہو تو ایسی صورت میں تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا، چونکہ خانیہ کے حوالے سے علامہ شامی نے یہ ذکر کیا ہے جس کا ابھی ترجمہ ہوا عبارت یہ ہے:

وفي الخانية والصحيح ما ذكر في ظاهر الرواية لأنه إذا كان قريبا يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض أما إذا كان بعيدا لا يتصور القبض في الحال فلا تقام التخلية مقام القبض (۵۶۳/۴)

لیکن علامہ شامی نے اس مذکورہ عبارت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

قلت: لكن نقل ابن المصنف في زواهر الجواهر عن بيوع فتاوى قارى الهداية أنه متى مضى مدة يتمكن من الذهاب إليها والدخول فيها كان قابضا وإلا فلا فتنبه۔

یعنی اوپر کی عبارت میں یہ کہا گیا ہے کہ دوری اگر ایسی ہے کہ اس میں فی الحال قبضہ حقیقی غیر متصور ہے تو تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا، اس کی تشریح یہ کی ہے کہ دوری اگر ایسی ہے کہ وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے، اس پر قدرت ممکن ہے تو ایسی دوری بھی تخلیہ کو قبضہ حقیقی کے قائم مقام ہونے سے نہیں روکے گی، اور قبضہ کا حاصل ہونا تخلیہ کے ذریعہ یہ تمام اموال کے اندر ہے، کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے:

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال (بدائع

۲۴۴/۵)۔

اور قبضہ کی جو تعریف کی گئی ہے اور تفصیل گذر چکی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے حکم کو بیان فرمایا گیا ہے کہ قبضہ وتخلیہ ہی ہے، لہٰذا بائع اگر مال مبیع کو تخلی کر دے تو اسے مسلم یعنی سونپ دینے والا کہا جائے گا، اور مشتری کو قابض، یعنی قبضہ کرنے والا کہا جائے گا۔

فالتسليم والقبض عندنا سوا التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضا له (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)

اب بات یہ رہ جاتی ہے کہ اشیاء منقول اور غیر منقول کے اعتبار سے قبضہ سے پہلے خرید وفروخت میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں بات یہ ہے کہ اشیاء غیر منقول کے اندر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت درست ہے، یعنی زمین، جائداد، مکان، دوکان وغیرہ کی بیع ہونے کے بعد ہی بغیر کسی طرح کے قبضہ کے اس میں تصرف چاہے بیعا ہو، یا ہبۃ ہو وغیرہ، درست ہے، اور یہ قول طرفین رحمہما اللہ کا ہے، اگرچہ اس میں امام محمد کا اختلاف ہے لیکن فتویٰ طرفین کے قول پر ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بیع کا صدور اہل بیع، یعنی عاقل، بالغ ہوتا اور محل یعنی مال مملوک میں ہوا ہے، اور اس میں کوئی غرر بھی نہیں ہے، اس لئے کہ زمین وغیرہ کی ہلاکت بہت نادر ہوتی ہے، البتہ اشیاء منقول کا حکم اس سے جداگانہ ہے،

اور قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت والی حدیث معلول بالعلۃ ہے، یعنی غرر کی وجہ سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، لہٰذا جہاں غرر کا امکان ہے وہاں یہ ممانعت ہوگی، اور جہاں غرر نہیں ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے، اور زمین میں غرر نہیں ہے اگر ہے بھی تو نادر ہے، اور نوادر عام حکم کا مدار نہیں ہوتے ہیں۔

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسفؒ وقال محمد لا يجوز رجوعاً إلى إطلاق الحديث واعتباراً بالمنقول، ولهما أن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه لأن الهلاک في العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهي عنه غرر إنفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز (ہدایہ ۵۹/۳)۔

البتہ اشیاء منقول کے اندر مبیع پر قبضہ کا ہونا جواز بیع کیلئے ضروری ہے، اور یہ حکم بالاجماع ہے۔

ولا يجوز التصرف في المبيع المنقول قبل القبض بالاجماع (بدائع الصنائع ۲۳۴/۵)۔

لہٰذا قبضہ کی جو تفصیل اوپر گذری ہے اگر اس کے مطابق قبضہ نہ ہو تو ایسی صورت میں مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع کرنا جائز نہیں ہے اور یہ عدم جواز کا تعلق نہ بیع باطل سے ہے اور نہ فاسد سے، البتہ اس کا تعلق کراہت سے ہے، چونکہ احتمال غرر کا ہے اور ایسا احتمال جہاں ہوتا ہے وہاں کراہت کا اطلاق ہوگا نہ کہ فساد کا، اس لئے کہ فساد کا تعلق عموماً قطعیت کے ساتھ ہوتا ہے لیکن احتمال ناشی عن دلیل ہے تو اس کا بھی شمار فساد میں ہوتا ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت اور چند جدید مسائل

مولانا احمد نادر القاسمی

بیع قبل القبض جائز ہے یا ناجائز؟

بیع وشراء کی صحت اور عدم صحت کا مدار اصل میں قبضہ پر ہے، اسی لئے اسلامی شریعت نے قبضہ کو غیر معمولی نگاہ سے دیکھا ہے، ظاہری بات ہے کہ جو چیز انسان کے قبضہ وقدرت میں نہیں اسے فروخت کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے، خواہ اشیاء منقول ہوں، یا غیر منقول، فرق اتنا ہے کہ اشیاء منقول میں قبضہ حسی ضروری ہے اور غیر منقول میں قبضہ حسی ضروری نہیں ہے، بلکہ عام لوگ جس کو قبضہ تصور کرتے ہیں وہ اس کا قبضہ شمار ہوتا ہے، اس لئے یہ بات پوری طرح سے ظاہر اور عیاں ہے کہ بیع قبل القبض نبی پاک کے اس ارشاد "نهى عن بيع مالم يقبض" کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے، رہا اشیاء منقول اور غیر منقول میں علماء کا اختلاف، تو یہ اختلاف بھی احقر کے خیال کے مطابق حقیقتاً جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں بلکہ قبضہ کے تعین کا اختلاف ہے جو ائمہ مذاہب سے منقولات اور غیر منقولات، مطعومات اور غیر مطعومات کی تفصیلات کے ساتھ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، حکیم ابن حزام کی روایت جسے بیہقی نے نقل کیا ہے اس طرح ہے:

عن حكيم بن حزام قال: قلت يا رسول الله إني أبتاع هذه البيوع فما يحل لي منها وما يحرم علي قال: يا ابن اخي لا تبيعن شيئا حتى تقبضه هذا إسناد حسن متصلا۔

حکیم ابن حزام سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں مختلف چیزوں کی خرید وفروخت کرتا ہوں ان میں سے کونسی چیز میرے لئے حلال ہے اور کون حرام؟ فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز اس طرح نہیں بیچی جائے گی جب تک اس پر قبضہ نہ ہو جائے، امام بیہقی کہتے ہیں: حدیث کی یہ سند حسن اور متصل ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی ۳۱۳/۵، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع ۱۸۰/۵، کتاب الام محمد بن ادریس الشافعی ۶۹/۳، المغنی لابن قدامہ ۹۱/۴، فتح القدیر ۵۱۱/۶، المجموع شرح المہذب ۲۶۴/۹، شرح زرقانی ۲۹۹/۳، مختصر طحاوی ص ۸۴)۔

البتہ بیع کے اندر جب معاملہ بائع اور مشتری کے درمیان طے پا جاتا ہے تو گویا بیع متحقق ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ جب تک سپردگی نہیں ہوتی اس وقت تک اس کا التزام نہیں ہوتا، جس سے یہ معلوم ہوا کہ ثمن ادا کرتے ہی مشتری کا مبیع پر معنوی قبضہ ہو جاتا ہے، حسی قبضہ نہیں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بیع پوری طرح تقاضا بھی ثابت ہو جائے؟ لہذا اس نوعیت سے جبکہ معنوی قبضہ اور معنوی ملکیت ثابت ہو چکی ہے، حسی نہیں ہوئی ہے، اگر مشتری اس مرحلہ میں مبیع کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا ہے تو ظاہر ہے عدم قدرت علی التسلیم فی الفور کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی، باطل نہیں ہوگی،

کیونکہ معاملہ بیع فوری مبیع کی سپردگی کا تقاضہ کرتا ہے، جو بظاہر موہوم ہے۔ اس لئے کہ بیع قبل القبض اصل میں بیع غرری سے عبارت ہے، جس میں بائع اول کی طرف سے سپردگی اور عدم سپردگی مبیع دونوں کے امکانات رہتے ہیں، جو معاملہ بیع کے منافی ہے، چنانچہ صاحب عنایہ ابن محمود بابرتی لکھتے ہیں:

وتقريره في البيع قبل القبض غرر انفساخ العقد الأول على تقدير هلاك المبيع في يد البائع والغرر غير جائز۔

اور بیع میں غرر کا تحقق اس طرح ہے کہ عقد اول کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے مبیع کی ہلاکت بائع کے قبضہ میں متحقق ہونے کی صورت میں، اور غرر جائز نہیں (شرح العنایہ مع الفتح ۶/۵۱۲)۔

نیز علامہ عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں:

قالوا: من البيع الفاسد بيع الأعيان المنقولة قبل قبضها سواء باعها لمن اشتراها منه أو لغيره فإذا اشترى حيوانا أو قطيعا أو ثيابا أو نحو ذلك ثم باعها لمن اشتراها منه أو لغيره كان البيع الثاني فاسدا۔

فقہاء کہتے ہیں کہ بیع فاسد میں سے ایک، منقول اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت بھی ہے، خواہ مشتری خود بیچنے والے شخص سے اس کو بیچے، یا اس کے علاوہ کسی اور سے، لہذا جب کسی نے جانور خریدا، یا جانوروں کا ریوڑ یا کپڑا اور اس قسم کی کوئی اور چیز، پھر اس کو اسی سے بیچ دیا جس سے خریدا تھا، یا کسی اور سے فروخت کر دیا تو دوسری بیع فاسد ہوگی (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۱۱)۔

علامہ ابن عابدین نے باطل اور فاسد کے احتمال کو ختم کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

يحتمل البطلان والفساد والظاهر الثاني لأن علة الفساد الغرر (رد المحتار ۴/۱۸۲، المغنی لابن قدامہ ۶/۵۱۲)۔

علامہ شامی کہتے ہیں کہ مصنف کی پیش کردہ عبارت میں بیع کے بطلان اور فساد دونوں کا احتمال ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ثانی یعنی (فساد) ہے، اس لئے کہ یہاں فساد کی علت غرر ہے۔

قبضہ کی حقیقت:

مبیع اور ثمن پر قبضہ کے سلسلہ میں ایسی کوئی روایت یا نص موجود نہیں ہے جس سے کہ قبضہ کی کوئی خاص نوعیت معلوم کی جاسکے اور اس کو تعیین قبضہ کا مدار قرار دیا جائے، ایک روایت ہے بھی تو اس سے قبضہ کی کوئی حد متعین نہیں ہوتی، کتب احادیث اور فقہ کے عمومی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ زمانہ اور حالات کی رفتار اور عادات ومحاورات کا تغیر ہر دور میں جداگانہ طور پر وقوع پذیر رہا ہے، اس لئے شریعت نے قبضہ کو لوگوں کے رواج اور تعامل پر چھوڑ دیا ہے، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ حقیقتاً قبضہ کا مدار ارتفاع موانع ہے کہ بیع وشراء کے بعد نہ مشتری کو مبیع پر قبضہ کرنے میں رکاوٹ اور دقت ہو اور نہ بائع کو ثمن پر، چونکہ ارتفاع موانع امور اضافیہ میں سے ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ اس کا مدار

عرف ورواج ہی پر ہوگا، مگر اس میں اشیاء کی حقیقتوں کے اعتبار سے ائمہ کے یہاں تھوڑا سا فرق نظر آتا ہے، وہ یہ کہ مالکیہ نے صرف اشیاء منقولہ کے قبضہ کو عرف ورواج پر چھوڑا ہے، چنانچہ مشہور مالکی عالم احمد دردیر قمطراز ہیں:

وقبض العقار بالتخلية وقبض غيره اي غير العقار من عروض وأنعام و دواب بالعرف الجاري بين الناس۔

زمینوں کا قبضہ تخلیہ کے ذریعہ مانا جائے گا اور اس کے علاوہ سامان، جانور، چوپایہ وغیرہ کے قبضہ کی نوعیت وہ ہوگی جو عرف لوگوں کے درمیان رائج ہو (الشرح الکبیر مع دسوقی لاحمد الدردیر ۳/۱۴۵)۔

تاہم حنفیہ اور حنابلہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قبضہ کا مدار مطلقاً عرف کو قرار دیا ہے، منقولات کے قبیل کی چیز ہو یا غیر منقولات کے، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة۔

اسلئے کہ قبضہ کا معنی مشتری کو مبیع پر قدرت دینا، تخلیہ اور عرفی وحقیقی طریقے سے حائل رکاوٹوں کو دور کرنا ہے (بدائع الصنائع ۵/۱۴۸)۔

نیز ابن قدامہ نے اسی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

لأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالإحراز والتفرق۔

اس لئے کہ قبضہ شریعت میں مطلقاً بیان کیا گیا ہے، لہذا اس سلسلہ میں عرف کی طرف مراجعت ضروری ہوگی، جیسے کسی چیز کی حفاظت اور علاحدگی کا تصور عرف پر مبنی ہوتا ہے (المغنی لابن قدامہ ۴/۹۰)۔

منقولی اور غیر منقولی اشیاء کے قبضہ کی نوعیت:

قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے منقولی اور غیر منقولی اشیاء میں احادیث اور ائمہ کی تصریحات کے مطابق خاصا فرق نظر آتا ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دونوں میں بنیادی فرق ہے، وہ اس طرح کہ اشیاء غیر منقولہ میں بعد المعاملہ بائع اور مبیع کے درمیان اس طرح تخلیہ اور مبیع کی حوالگی ہو جائے کہ مشتری مبیع پر پوری طرح شرعی اور عرفی اعتبار سے بغیر کسی موانع اور دقت کے تصرف پر قادر ہو جائے۔ چنانچہ علامہ کاسانی نے تخلیہ کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کی ہے:

وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضا له۔

رہی سپردگی اور قبضہ کی تفسیر تو سپردگی اور قبضہ کی نوعیت ہمارے یہاں تخلیہ ہے، اور تخلیہ کہتے ہیں مبیع اور بائع کے درمیان حائل رکاوٹوں کے اس طرح ختم ہو جانے کو کہ مشتری پوری طرح مبیع میں تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، تو بائع سپرد کرنے والا اور مشتری قابض سمجھا جائے گا (بدائع ۵/۲۴۴)۔

نیز ابن قدامہ حنبلی نے غیر منقولی اشیاء عقار وغیرہ میں قبضہ کی نوعیت تخلیہ قرار دیتے ہوئے اس بات کی

وضاحت کی ہے کہ تخلیہ کے ذریعہ قبضہ اس وقت متصور ہوگا جب عرف میں لوگ اس کو قبضہ مان لیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

وإن كان مما لا ينتقل ويحول فقبضه التخلية بينه و مشتريه لا حائل دونه لأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالإحراز والتفرق والعادة في قبض هذه الأشياء۔

اور اگر ایسی چیز ہو جو اپنی جگہ سے منتقل نہیں ہوتی تو اس کا قبضہ مبیع اور بائع کے درمیان اس طرح کا تخلیہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے مابین کوئی چیز حائل اور رکاوٹ نہ ہو، اس لئے کہ شریعت نے قبضہ کو مطلق بیان کیا ہے اس کی کوئی خاص نوعیت ذکر نہیں کی ہے، لہذا اس میں عرف و رواج ہی کی طرف رجوع ضروری ہوگا، جس طرح کسی چیز کی حفاظت اور اس سے علاحدگی کا تصور عرف پر مبنی اور ان اشیاء کے قبضہ کا رواج ہے (المغنی لابن قدامہ ۴؍۹۰)۔

نیز امام شافعی کے یہاں بھی قبضہ کی نوعیت میں غیر منقولی اشیاء میں تخلیہ کو کافی قرار دیا گیا ہے، علامہ نووی قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اپنا مذہب نقل فرماتے ہیں:

قد ذكرنا أن مذهبنا أن القبض في العقار ونحوه بالتخلية وفي المنقول بالنقل وفي المتناول باليد التناول۔

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ عقار اور اس قسم کی دیگر اشیاء میں قبضہ کا مدار تخلیہ ہے اور منقولی چیزوں میں انتقال اور ہاتھ سے لی جانے والی چیزوں میں دست بدست پیردگی ہے (المجموع شرح المہذب ۹؍۲۸۳)۔

اور منقولی اشیاء کے قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ اگر عددی چیز ہے تو اس کی گنتی کر دے اور کیلی چیز ہے تو اس کی کیل کر دے، اس کے بعد مشتری کو اس میں تصرف پر بغیر کسی رکاوٹ اور موانع کے قدرت حاصل ہو جائے تو اس کو قبضہ تصور کیا جائے گا، البتہ بعض روایات میں انتقال کا تذکرہ بھی آیا ہے لیکن وہ مجمل اور مطلق ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ عرف پر مبنی ہے اگر صرف کیل اور وزن نیز گنتی کو عرف میں قبضہ تصور کیا جاتا ہو تو اسے ہی قبضہ قرار دیا جائے گا اور انتقال ہی قبضہ متصور ہو تو اسی کو قبضہ مانا جائے گا، جیسا کہ روایات اور ان کی تشریحات سے معلوم ہوتا ہے، تاہم حنفیہ نے اشیاء منقول اور غیر منقول دونوں کو قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے یکساں گردانتے ہوئے محض تخلیہ کو قبضہ کے لئے کافی شمار کیا ہے اور دست بدست اور انتقال کو ضروری قرار نہیں دیا ہے، جیسا کہ بدائع کی عبارت سے معلوم ہوا، نیز علامہ ابن ہمام نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا ہے، وہ رقمطراز ہیں:

لابد من معرفة التسليم والتسلم الموجب للبراءة في التجريد، لتسليم المبيع أن يخلي بينه وبين المبيع على وجه يتمكن من قبضه من غير حائل وفي الأجناس يعتبر صحة التسليم ثلاثة معان: أن يقول خليت بينك وبين المبيع وأن يكون المبيع بحضرة المشتري على صفة يتأتى فيه الفعل من غير مانع وأن يكون مفرزاً غير مشغول بحق غيره۔

کسی چیز کے سپرد کرنے اور سپرد ہونے میں جو بری الذمہ ہونے کا سبب ہے اس کی حقیقت کا جاننا ضروری ہے، چنانچہ تجرید میں ہے کہ مبیع کی سپردگی یہ ہے کہ مبیع کا بائع اور مشتری کے درمیان اس طرح تخلیہ ہو جائے کہ مشتری بغیر کسی رکاوٹ کے مبیع کے قبضہ کرنے پر قادر ہو، اور اجناس میں سپردگی کی صحت کا اعتبار تین طرح سے ہوتا ہے: پہلی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں مبیع اور تمہارے درمیان ملکیت کی بندش سے دستبردار ہوتا ہوں، اور دوسرے مبیع مشتری کے سامنے اس ہیئت اور مرحلہ میں ہو کہ مشتری کو بغیر کسی کلفت کے تصرف کا اختیار ہو جائے، تیسرے یہ کہ مبیع غیر کے کسی بھی حق سے آزاد ہو (فتح القدیر ۶ / ۲۹)۔

مگر راقم الحروف کے خیال کے مطابق قطعی اور صحیح بات یہی ہے کہ اشیاء منقول اور غیر منقول کے قبضہ کی نوعیت میں خاصا فرق ہے، جیسا کہ مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوا، نیز روایات و شواہد بھی اسی پہلو کو اجاگر کرتے ہیں، چنانچہ عبداللہ بن عمر کی روایت جس کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، موطا امام مالک میں ہے:

عن عبد الله بن عمر انه قال كنا في زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فيبعث علينا من يامرنا بانتقاله من المكان الذي ابتعناه الى مكان سواه قبل ان نبيعه۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ عہد نبوی میں غلے خریدتے اور بیچتے تھے تو آپؐ نے ہمارے یہاں قاصد بھیجا جس نے ہمیں حکم دیا منتقل کرنے کا دوسری جگہ اس جگہ سے جہاں ہم نے اس کو خریدا ہے، ان غلوں کو بیچنے سے پہلے (موطا امام مالک ۲۶۳، صحیح مسلم ۲ / ۵)۔

دوسری روایت جو بخاری میں ہے:

قال رأيت الناس في عهد رسول الله ﷺ اذا ابتاعوا طعاما جزافا يضربون ان يبيعوه في مكانهم حتى يؤووه الى رحالهم۔

ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے عہد نبوی میں دیکھا کہ جب غلے تجار اٹکل سے خریدتے تو ان کی اس بات پر پٹائی اور سرزنش ہوتی کہ وہ اسے اس کی جگہ فروخت کریں جہاں انہوں نے خریدا ہے الا یہ کہ اسے اپنی سواریوں اور کجاوے تک منتقل کرلیں (بخاری ۱ / ۲۸۶-۲۸۷)۔

کیا بیع قبل القبض سے متعلق احادیث معلل بہ ہیں؟

بیع قبل القبض کی روایتوں اور اس بارے میں پیش کردہ علماء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کی تمام روایتیں کسی نہ کسی علت پر ضرور مبنی ہیں، مثلاً غرر انفساخ عقد، ربح مالم یضمن، شبہ ربا، ملکیت غیر کی فروختگی وغیرہ، مگر ان میں غرر انفساخ عقد زیادہ ہے، یعنی اس بات کا امکان ہے کہ بائع اول اس کو فسخ بھی کرسکتا ہے، یا مبیع ہلاک بھی ہوسکتی ہے جس کی وجہ سے بیع باطل ہو جائے، ظاہر ہے جب یہ بات ثابت ہوگی کہ اس سلسلے کی نصوص علت غرر یا خدشہ ہلاکت مبیع پر مبنی ہیں تو جہاں بھی یہ علت پائی جائے گی بیع کی حرمت بھی ثابت ہوگی اور جہاں نہیں پائی جائے گی علت ثابت ہوگی۔

حدیث کے معلل بالعلۃ ہونے ہی کی وجہ سے احناف نے منقولات کی بیع قبل القبض کو ناجائز اور غیر منقولات کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، اسی طرح حنابلہ نے مطعومات اور دیگر مکیلات اور موزونات کے قبیل کی اشیاء کی بیع کو ناجائز اور مالکیہ نے مطعومات کے علاوہ تمام کی بیع کو جائز گردانا ہے، البتہ شوافع اس باب کی تمام احادیث کو غیر معلل مان کر تمام ہی اشیاء میں قبل القبض بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ مشہور حنفی عالم علامہ شہاب الدین احمد شلبی روایات نبی کے تخصص اور معلل ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

إن القياس أن يجوز بيع المنقول قبل القبض أيضا للدلائل جواز البيع من الكتاب والسنة والإجماع إلا أنه ترك القياس بالحديث فلم يجز بيعه قبل القبض وعلل الحديث بغرر انفساخ العقد بهلاك المبيع لأن العام إذا لم يمكن إجراؤه على العموم حمل على أخص الخصوص۔

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ قبل القبض منقولات کی بیع بھی کتاب، سنت اور اجماع سے منقول دلائل جواز بیع کی وجہ سے جائز ہو مگر احادیث رسول کی وجہ سے قیاس ترک کر دیا گیا ہے لہٰذا منقولات کی بیع قبل القبض جائز نہیں، رہی حدیث میں ممانعت تو احادیث منع بیع کے فساد کے خدشے سے معلل ہے جو کہ مبیع کی ہلاکت سے متعلق ہے، اس لئے کہ عام جب اپنی عمومیت پر باقی نہ رہے تو اس کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے (حاشیہ شلبی مع تبیین الحقائق للزیلعی ۴/۸۰، فتح القدیر ۶/۵۱۲، المغنی ۴/۸۸، الہدایۃ اکبری)۔

اور ماضی قریب کے جلیل القدر فقیہ اور حنفی عالم مولانا ظفر احمد تھانوی حنفیہ کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إلا أن أبا حنيفة وأبا يوسف خصا النصوص بالمنقول لعلة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاك قبل القبض واحتج أبو حنيفة بأن الحكم معلل بغرر انفساخ العقد بهلاك المبيع والهلاك في غير المنقول نادر والنادر كالمعدوم۔

مگر یہ کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے نصوص کو منقولات کے ساتھ ممانعت کی علت کی وجہ سے خاص کیا ہے، اور وہ قبل القبض مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے عقد کے ختم ہونے کا خدشہ ہے، اور امام ابوحنیفہ نے اس بات سے استدلال کیا ہے کہ (ممانعت) کا حکم مبیع کی ہلاکت سے بیع کے ختم ہونے کے خطرہ سے معلل ہے، اور غیر منقول اشیاء میں یہ اندیشہ نادر ہے جو کالعدم ہے (إعلاء السنن ۱۴/۲۳۵)۔

البتہ دور حاضر کے مشہور فقیہ وہبہ زحیلی نے بیع قبل القبض سے متعلق احادیث کو معلل بہ قرار دے کر انہوں نے نہی کی علت "ربا" کا شبہ قرار دیا ہے، جو اصل میں غرر ہی کا لازمی نتیجہ ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۷۹)۔

غرض یہ حدیثیں معلل ہیں اور علت غرر انفساخ عقد (بیع اول کے دوران معاملہ ختم ہو جانے کا خدشہ) ہے۔

بیع قبل القبض کی ممانعت اور اختلاف ائمہ:

کتب فقہ اور ائمہ کے اقوال، نیز مذاہب اربعہ کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت علی الاطلاق اور عام نہیں ہے، بلکہ ان میں تخصیصات واستثناءات بھی ہیں، بعض ائمہ کے یہاں تو صرف اشیاء خوردنی اور بعض کے یہاں منقولی اور بعض کے یہاں خورد ونوش کی اشیاء میں بھی مکیلی اور موزونی، نیز دوسرے بعض حضرات کے یہاں منقولی اور غیر منقولی دونوں کی ممانعت کی صراحت ملتی ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق ائمہ کی آراء ان کے دلائل اور نقاط نظر علاحدہ علاحدہ ذکر کردیئے جائیں۔

حنفی نقطہ نظر:

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ نے منقولی اشیاء کے اندر بیع قبل القبض کو ناجائز اور غیر منقولی میں جائز قرار دیا ہے، اور حنفیہ کے یہاں مختار قول یہی ہے، البتہ امام محمدؒ نے اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ ابوجعفر طحاوی مسلک احناف کی ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ولا یجوز بیع مالم یقبض من الأشیاء المبیعات إلا العقار فإن أبا حنیفة کان یجیز بیعه قبل قبضه وأما أبو یوسف و محمد فکانا لا یجیزان بیع ذلک أیضا حتی یقبض وبه نأخذ ثم رجع أبو یوسف عن ذلک إلی قول أبی حنیفة ولا یجوز لمن اشتری شیئاً کیلا وإن قبضه أن یبیعه حتی یکتاله و کذلک حتی یعده إن کان اشتراه عددا۔

خریدی اور بیچی جانے والی چیزوں میں سے کسی کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں سوائے زمین کے، امام ابوحنیفہ نے عقار کی بیع قبضہ سے پہلے جائز قرار دی ہے، امام ابویوسفؒ و محمدؒ نے منقولی اشیاء کی بیع قبل القبض نادرست قرار دی ہے، اور میں اسی کو اختیار کرتا ہوں، پھر امام ابویوسفؒ نے امام صاحب کی طرف رجوع کرلیا، لہذا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کیلی چیز خرید کرے اور اس کی کیل سے پہلے اس کو فروخت کرے اگرچہ اس پر قابض ہو جائے، اسی طرح عددی چیز گنتی سے قبل فروخت کرے (مختصر طحاوی ۸۲، بدائع ۲۳۲/۵، فتح القدیر ۵۱۰/۶)۔

دلائل:

حنفیہ نے غیر منقولی اشیاء کی قبل القبض بیع کی ممانعت اور عقارات کے قبیل کی چیزوں کے جواز پر مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کیا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ منقولی اشیاء میں چونکہ فسخ عقد کا احتمال رہتا ہے، اور غیر منقولی اشیاء میں یہ احتمال نہیں رہتا، اس لئے ان کی خرید وفروخت جائز ہے، البتہ اگر غیر منقولی چیزوں میں بھی یہ احتمالات پیدا ہوجائیں تو ان کی بیع بھی قبل القبض جائز نہ ہوگی۔

فإن هلاک العقار نادر و لا یبنی الفقه باعتباره فلا یمنع الجواز وهذا لأنه لا یتصور هلاکه إلا صار بحرا أو نحوه حتی قال بعض المشائخ إن جواب أبی حنیفة فی موضع لا یخشی علیه أن یصیر بحرا أو یغلب علیه الرمال فأما فی موضع لا یؤمن علیه ذلک فلا یجوز کما فی

جائے اور آیت کی عمومیت بھی باقی رہے، کیونکہ غیر منقولی اشیاء میں وہ اندیشہ نہیں ہے جو منقولی میں ہے۔ هذا تطبيق جيد للأحناف۔

چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی شیخین کی رائے کی تائید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ولهما عمومات البياعات من الكتاب العزيز من غير تخصيص ولا يجوز تخصيص عموم الكتاب بخبر الواحد عندنا أو نحمله على المنقول توفيقا بين الدلائل صيانة لها عن التناقض ولأن الأصل في ركن البيع إذا صدر من الأهل في المحل هو الصحة والامتناع لعارض الغرر وهو غرر انفساخ العقد بهلاك المعقود عليه ولا يتوهم هلاك العقار فلا يتقرر الغرر فبقي بيعه على حكم الأصل۔

امام ابوحنیفہ وابو یوسف کی دلیل بغیر تخصیص کے خرید وفروخت کی اجازت کا عام ہونا ہے، اور ہمارے یہاں اصولی طور پر کتاب اللہ کے عموم کو خبر واحد سے مقید کرنا جائز نہیں ہے، یا یہ کہ اس ممانعت کو ہر منقول چیز پر محمول کریں گے، تاکہ دونوں دلائل میں تطبیق ہو جائے اور تناقض نہ ہو اور اصول یہ ہے کہ جب کوئی رکن اہل بیع وشراء سے بیع محل میں صادر ہو تو اصل اس کی صحت ہے اور اس کی ممانعت خارجی علت کی بناء پر ہے اور وہ مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے عقد بیع کے فسخ کا امکان ہے، اور یہ امکان عقارات میں متصور نہیں، لہذا اس میں غرر بھی ثابت نہیں ہوگا، اور بیع اپنے حکم اصلی (جواز) پر باقی رہے گی (بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

شافعی نقطہ نظر:

بیع قبل القبض کے سلسلہ میں شافعیہ کا نقطہ نظر منقولات اور غیر منقولات دونوں میں عدم جواز کا ہے، البتہ ایسے حقوق جن میں بغیر عوض ملکیت ثابت ہوتی ہے، مثلاً وصیت، میراث، غلام کی آزادی، علی اختلاف الأقوال، تو ان میں قبل القبض تصرف دیگر ائمہ کی طرح شوافع نے بھی جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور شافعی عالم محی الدین ابن شرف نووی تحریر فرماتے ہیں:

مذهبنا أنه لا يجوز بيع المبيع قبل قبضه عقارا كان أو منقولا لا بإذن البائع ولا بغير إذنه لا قبل أداء الثمن ولا بعده۔

اس بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ خواہ عقار کے قبیل کی چیز ہو یا منقولات کے قبیل کی، قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے، نہ تو بائع کی اجازت سے اور نہ بغیر اس کی اجازت کے، اسی طرح نہ ادائے ثمن سے قبل اور نہ بعد (المجموع شرح المہذب ۹/۲۶۴)۔

دلائل:

شافعیہ نے بھی قریب قریب انہیں روایتوں سے استدلال کیا ہے، جن سے دیگر ائمہ مجتہدین نے کیا ہے اور انہوں نے منقولات پر غیر منقولات کو قیاس کیا ہے، وہ اس طرح کہ جب اللہ کے نبیؐ نے اشیاء مطعومات جس کی کہ

انسان ہر وقت ضرورت محسوس کرتا ہے، کی بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دیا تو غیر منقولات کی بیع قبضہ سے قبل بدرجہ اولی ناجائز اور باطل ہوگی، نیز اس لئے بھی باطل ہے کہ کسی چیز کی فروختگی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی سپردگی پر انسان قادر ہو، اور قبل القبض کی صورت میں مشتری اس سے قاصر ہوگا، نیز شافعیہ کے یہاں بھی علت نہی وہی ہے جو حنفیہ کے یہاں ہے، یعنی غرر انفساخ عقد، چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:

واحتج أصحابنا بحديث حكيم بن حزام أن النبيؐ قال لا تبع مالم تقبضه و بحديث زيد بن ثابت أن النبيؐ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم رواه أبو دود بإسناد صحيح۔

ہمارے اصحاب نے حکیم بن حزام کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ مت بیچو تم کسی چیز کو جب تک اس پر قابض نہ ہو جاؤ، اور دوسری روایت زید بن ثابت کی ہے کہ آپؐ نے اس سے منع فرمایا کہ سامان کو اسی جگہ فروخت کیا جائے جہاں سے اسے خریدا جائے، جب تک اس کو تجار اپنے کجاوے اور سواری تک منتقل نہ کر دیں (شرح المہذب ۹/۲۶۷)۔

حنبلی نقطۂ نظر:

امام احمد کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھی بیع قبل القبض عقار کے علاوہ تمام مطعومات غیر مطعومات، مکیلات وموزونات میں ناجائز ہے، اور امام ترمذی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اشیاء خوردنی کے علاوہ جو کیلی اور وزنی نہ ہوان تمام میں جائز ہے، اور ایک دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صرف اشیاء خوردنی اور مشروبات میں ناجائز، باقی تمام چیزوں میں قبل القبض بیع جائز ہے، ابن عبد البر نے اسی تیسری روایت کو صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ محقق ابن قدامہ حنبلی (متوفی ۶۲۰ھ) نقل فرماتے ہیں:

ونقل عن احمد أن المطعوم لا يجوز بيعه قبل قبضه سواء كان مكيلا أو موزونا أو لم يكن وهذا يقتضي أن الطعام خاصة لا يدخل في ضمان المشتري حتى يقبضه فإن الترمذي روى عن أحمد أنه رخص في بيع ما لا يكال ولا يوزن مما لا يوكل ولا يشرب قبل قبضه .. وما أشبه من ما كول و مشروب فلا يبعه حتى يقبضه قال ابن عبد البر الأصح عن أحمد بن حنبل أن الذي يمنع من بيعه قبل قبضه هو الطعام۔

امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اشیاء خوردنی کی بیع قبل القبض جائز نہیں خواہ مکیلی یا موزونی ہو یا نہ ہو، اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ اشیاء خوردنی خاص کر مشتری کے ضمان میں داخل نہ ہوگی جب تک قبضہ نہ کرلیا جائے، امام ترمذی نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ امام موصوف نے غیر مکیلی اور موزونی جو اشیاء خورد ونوش نہیں ان کی بیع قبل القبض کے جواز میں رخصت دی ہے، ابن عبد البر کہتے ہیں کہ امام احمد کی صحیح روایت صرف طعام میں قبل القبض عدم جواز کی ہے (المغنی لابن قدامہ ۴/۸۸)۔

دلائل:

حنابلہ کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ حنابلہ نے بھی اس باب کی ذکر کردہ روایتوں سے استدلال کیا ہے تاہم مطعومات کی چونکہ احادیث میں صراحت ہے اس لئے مفہوم مخالف جس کا کہ حنابلہ کے یہاں کلام شارع میں اعتبار ہے۔ اس سے مطعومات کے علاوہ قبل القبض بیع کے جواز پر استدلال کیا ہے، چنانچہ ابن قدامہ کی ایک روایت پیش کر کے اس کے مفہوم مخالف کی تشریح کرتے ہیں:

لأن النبي ﷺ نهى عن بيع الطعام قبل قبضه فمفهومه إباحة بيع ما سواه قبل قبضه۔

اسلئے کہ قبضہ سے پہلے غلہ کی بیع جائز نہیں ہے، لہذا اس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ اس کے علاوہ چیزوں کی بیع قبل القبض جائز ہے (المغنی ۴/۸۸)۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه قال كنا نشترى الطعام من الركبان جزافا فنهانا رسول الله ﷺ أن نبيعه حتى ننقله من مكانه۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ نے فرمایا جو شخص غلہ خریدے، اس کو نہ بیچے جب تک اس کو وصول اور اس پر قبضہ نہ کر لے، ابن عمر کہتے ہیں کہ ہم لوگ سواری سے اٹکل سے غلہ خریدتے تھے، آپؐ نے منع فرمایا اس کے فروخت کرنے سے جب تک اس کو دوسری جگہ منتقل نہ کر دیا جائے (صحیح مسلم ۲/۵)۔

مالکی نقطہ نظر:

بیع قبل القبض میں مالکیہ نے صرف اشیاء خوردنی خواہ ربوی ہوں یا غیر ربوی، کو ناجائز قرار دیا ہے، اس کے علاوہ تمام منقولات، غیر منقولات، مکیلات وموزونات کی تمام اجناس کو اس نہی سے مستثنیٰ کر دیا ہے، چنانچہ مشہور مالکی علامہ سحنون بن سعید تنوخی لکھتے ہیں:

قلت و ما سوى الطعام والشراب مما سلفت فيه كيلا او وزنا فلا بأس أن أبيعه قبل أن أقبضه من الذى باعنى أو من غيره قال مالك، لا بأس أن تبيع ما سلفت فيه إذا كان من غيره ما يؤكل و يشرب من غير الذى عليه ذلك السلف بأقل او بأكثر۔

میں نے پوچھا اشیاء خورد ونوش کے علاوہ وہ تمام چیزیں جو کیلی اور وزنی ہوں ان میں کوئی حرج ہے؟ کہ اس کی بیع قبضہ سے پہلے کی جائے اس شخص سے کہ جس کے ہاتھ سے میں نے خریدا ہے، یا اس کے علاوہ سے تو امام مالک نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ان چیزوں کو فروخت کرو جس میں ادھار بیع کی جاتی ہے، جبکہ وہ اشیاء خورد ونوش نہ ہوں اس شخص سے جس سے کہ ادھار خریدا ہے خواہ کم میں خریدا ہو یا زیادہ میں (المدونۃ الکبریٰ ۳/۱۶۵، بدایۃ المجتہد ۲/۱۳۲)۔

دلائل:

مالکیہ نے مطعومات اور غیر مطعومات میں، نیز عقارات کے درمیان قبل القبض بیع کی ممانعت میں جو تفریق

طور پر فرق کیا ہے، وہ یہ ہے کہ مطعومات قبل القبض، بالخصوص ربوی جنس کی بیع اور غیر مطعومات میں چونکہ یہ اندیشہ نہیں ہے اس لئے سد الذریعہ کا پاس کر کے اشیاء خوردنی میں قبضہ سے پہلے بیع ناجائز اور اس کے علاوہ میں جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی مالکیہ کی طرف سے اس علت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والعلة في منع بيع الطعام قبل القبض عند المالكية هي أنه قد يتخذ البيع ذريعة الوصول إلى ربا النسيئة فهو يشبه بيع الطعام بالطعام نساء يعني سد الذرائع۔

مالکیہ کے یہاں قبل القبض اشیاء خوردنی کی بیع وشراء کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ ادھار یا نسیئہ تک رسائی کا ذریعہ بھی ہے، جو نسیئہ اشیاء خوردنی کی بیع کے مشابہ ہے یعنی مالکیہ نے سد الذریعہ اس سے روکا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳۷۴/۴)۔

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه ويقبضه۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص طعام خریدے اس کو نہ بیچے جب تک قبضہ نہ کرے (صحیح مسلم ۵/۲)۔

فیکٹری سے مال خرید کر بغیر قبضہ فروخت کرنا:

مذکورہ بالا بیع وشراء سے متعلق تمام تفصیلات فقہاء کرام کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ فیکٹری سے مال خرید کر
کوئی شخص بغیر اس پر قبضہ کئے کسی دوسرے کے ہاتھوں فروخت کر دیتا ہے تو چونکہ کمپنی سے مال خریدنے اور عقد معاملہ کرنے کی وجہ سے معنوی قبضہ ہو گیا تھا اگرچہ ظاہری نہیں ہوا اور فیکٹری سے خریدکردہ مبیع پر قبضہ کر سکتا ہے جب چاہے تبھی ہے، اس لئے بظاہر حقوق کو کسی وجہ میں قبضہ ان کر منتقل ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو فروخت کرنا اور اس سے نفع کمانا جائز ہونا چاہئے، بشرطیکہ کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو، اس لئے کہ شریعت نے جو بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دیا ہے وہ دو علتوں کی بنا پر، ایک علت غرر ہے، اور دوسری "ربح ما لم یضمن" ہے، یہ دونوں صورتیں زیر بحث مسئلہ میں نہیں پائی جاتیں، اس بنا پر کہ حوالہ اس کی وجہ سے غرر بھی خریدار کے علم میں ہے اور بائع اس نفع کو قبول کر رہا ہے اس لئے ربح ما لم یضمن بھی نہیں ہوگا۔ اس لئے اس صورت کے جواز میں کوئی خاص قباحت معلوم نہیں ہوتی۔

شپنگ:

اور شپنگ کی صورت میں چونکہ بائع اس کا ضامن نہیں ہوتا اس لئے اس طرح کا معاملہ "ربح ما لم یضمن" کی وجہ سے شرعاً نادرست ہوگا۔

☆☆☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے متعلق مسائل

مولانا محمد ارشد قاسمی

۱۔ شرع اسلامی میں جہاں بہت ساری چیزیں ممنوع اور ناجائز ہیں وہیں ایک بیع قبل القبض بھی ہے، چنانچہ بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے پر بہت ساری احادیث ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه (مسلم شریف ۵/۲)۔

۲۔ عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه، قال ابن عباس: وأحسب كل شيء مثله (مسلم شریف ۵/۲)۔

۳۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه قال ابن عباس: وأحسب كل شيء بمنزلة الطعام (مسلم شریف ۵/۲)۔

۴۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يكتاله فقلت لابن عباس لم، فقال ألا تراهم يتباعون بالذهب والطعام مرجا ولم يقل أبو كريب مرجا (مسلم شریف ۵/۲)۔

۵۔ عن نافع عن ابن عمر قال: كنا في زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فيبعث علينا من يأمرنا بانتقاله في المكان الذي ابتعناه فيه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه (مسلم شریف ۵/۲)۔

۶۔ عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله قال: من اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه، قال: وكنا نشتري الطعام من الركبان جزافاً فنهانا رسول الله ﷺ أن نبيعه حتى ننقله من مكانه (مسلم شریف ۵/۲)۔

۷۔ عن نافع عن عبد الله ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال من اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه ويقبضه (مسلم شریف ۵/۲)۔

۸۔ عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يكتاله ومن رواية أبي بكر من ابتاع (مسلم شریف ۵/۲)۔

جابر بن عبد الله يقول: كان رسول الله ﷺ يقول: إذا ابتعت طعاما فلا تبعه حتى تستوفيه (مسلم شریف ۲/۶)۔

۱۰۔ عن سالم عن ابن عمر أنهم كانوا يضربون على عهد رسول الله ﷺ إذا اشتروا طعاما جزافا أن يبيعوه في مكانه حتى يحولوه (مسلم شریف ۲/۵)۔

جب بیع قبل القبض ناجائز ہے تو کیا اس کا شمار بیع باطل میں، یا بیع فاسد میں یا بیع مکروہ میں ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ بیع قبل القبض ایک وصف ہے نہ کہ اصل، اور بیع فاسد وہ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے مشروع ہو نہ کہ وصف کے اعتبار سے، لہذا بیع قبل القبض کا شمار بیع فاسد میں ہوگا نہ کہ بیع باطل و مکروہ میں، نیز احادیث میں جو بیع قبل القبض کی ممانعت ہے اس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ بیع قبل القبض کا شمار بیع فاسد میں ہو نہ کہ بیع باطل و مکروہ میں، کیونکہ احادیث میں جو بیع قبل القبض کی مخالفت آئی ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بیع قبل القبض اصلاً ناجائز ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مشتری کو غرر ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ ہو سکتا ہے مبیع بائع اول کے پاس ہلاک ہو جائے، چنانچہ مبیع ہلاک ہونے کی وجہ سے بیع ثانی فسخ ہو جائے گی نہ کہ باطل، چنانچہ امام اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی "عنایہ" میں لکھتے ہیں:

والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسدا قبل القبض لأنه لم يدخل في ضمانه كما في الإجارة (عنایہ مع فتح القدیر ۶/۵۱۲)۔

اور نہی فساد کا تقاضا کرتا ہے، پس بیع قبضہ سے پہلے فاسد ہوگی، اس لئے کہ مبیع قبضہ سے پہلے مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوتی، جیسا کہ اجارہ میں ہے۔

وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

والنهي يوجب فساد المنهي عنه ولأنه بيع فيه غرر لتعرضه إلى الانفساخ بهلاك المعقود عليه فيبطل البيع الأول وينفسخ الثاني (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۳۱۱)۔

نہی منہی عنہ کے فساد کو ثابت کرتی ہے، اور اس لئے کہ مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے اس بیع کا فسخ ہونا ممکن ہے جو باعث غرر ہے تو بیع اول باطل اور دوسری بیع فسخ ہو جائے گی۔

۲۔ اسلامی شریعت میں کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی ہے، بلکہ اسے لوگوں کے عرف وعادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً قبضہ مانا جائے گا، چنانچہ ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں:

لأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف (المغنی ۴/۹۰)۔

اس لئے کہ قبضہ شریعت میں مطلق ہے، پس اس میں رجوع واجب ہوگا عرف کی طرف۔

اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت:

اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت تخلیہ ہے اور تخلیہ کہتے ہیں کہ مبیع اور مشتری کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل نہ ہو جو مبیع کیلئے مانع ہو اس طور پر کہ مشتری مبیع میں تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، گویا بائع مبیع کو سپرد کرنے والا اور مشتری اس کو لینے والا ہو جائے، چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضا له وكذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

سپردگی اور قبضہ کی تفسیر ہمارے یہاں (حنفیہ) سپردگی اور قبضہ تخلیہ ہے اور تخلیہ یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان حائل کو ختم کر دے اس طریقے پر کہ مشتری مبیع میں تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، گویا بائع مبیع کو سپرد کرنے والا اور مشتری اس کو قبضہ کرنے والا ہو جائے، ایسے ہی ثمن کی سپردگی ہے مشتری سے بائع کی طرف۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق:

اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب مندرجہ ذیل ہیں:

احناف کا مسلک:

احناف اور مالکیہ کے یہاں تمام چیزوں میں تخلیہ معتبر قبضہ ہے جبکہ مشتری اس پر بغیر مشقت کے قادر ہو، لیکن قبضہ کی نوعیت مبیع کے اعتبار سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔

اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ قبضہ ہے اگر قریب ہو، لیکن اگر دور ہے تو اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگرچہ اشیاء غیر منقولہ دور ہو پھر بھی تخلیہ قبضہ سمجھا جائے گا، صاحبین کا مذہب اس کے برخلاف ہے، لیکن امام صاحب کے مذہب کو البحر الرائق میں ضعیف کہا گیا ہے۔

اشیاء منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ہر چیز کے اعتبار سے مختلف ہے، اگر گیہوں کو گھر میں فروخت کیا گیا تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری کو چابی دیدے اس طور پر کہ مشتری گھر کھولنے پر بغیر کسی مشقت کے قادر ہو جائے، اور اگر گھر کو فروخت کیا گیا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری گھر بند کرنے پر قادر ہو جائے، اگر جانور کو چراگاہ میں فروخت کیا گیا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس کو دیکھ لے یا اس کی طرف اشارہ کر دے، اگر مبیع کپڑا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس سے متصل ہو، اگر گھوڑا یا جانور گھر میں فروخت کیا گیا تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو بغیر کسی مددگار کے لینا ممکن ہو، تیل میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری بائع کو شیشی دے اور بائع مشتری کی موجودگی میں اس میں تیل وزن کر دے، اور اگر مبیع مکیلی یا موزونی ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری بائع کو برتن دیدے اور بائع اس میں مشتری کے علم سے کیل یا وزن کر دے، چنانچہ ابن عابدین شامی "رد المحتار" میں تحریر کرتے ہیں:

جائے گا۔ چنانچہ تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا۔

حنابلہ کا مسلک:

حنابلہ کے یہاں اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت تخلیہ ہے، باقی اشیاء منقولہ میں قبضہ کی نوعیت مختلف ہے، اگر اشیاء منقولہ ان چیزوں میں سے ہے جس کو کیل یا وزن کیا جاتا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو ہاتھ میں لے لیا جائے، اگر کپڑا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے منتقل کر دیا جائے، اور اگر حیوان ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے چلا دیا جائے گویا ہر چیز کا قبضہ اس کی جنس کے ساتھ ہوگا، چنانچہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

وقبض کل شيء بحسبه فإن کان مکیلاً أو موزوناً بیع کیلاً أو وزناً فقبضه بکیله ووزنه . . وإن کان الجواهر أو الدنانیر فقبضها بالید، وإن کان ثیاباً فقبضها نقلها، وإن کان حیواناً فقبضه تمشیته من مکانه، وإن کان مما لا ینقل ویحول فقبضه التخلیة بینه وبین مشتریه لا حائل دونه.

ہر چیز کا قبضہ اس کی جنس کے ساتھ ہے، پس اگر کوئی چیز مکیلی یا موزونی ہو، اور وہ کیل یا وزن کر کے فروخت کی جائے تو اس کا قبضہ اس کے کیل یا وزن کے ساتھ ہے، اور اگر مبیع دراہم و دنانیر ہے تو اس کا قبضہ ہاتھ سے ہے، اور اگر کپڑا ہے تو اس کا قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے منتقل کر دیا جائے، اور اگر حیوان ہے تو اس کا قبضہ اس کی جگہ سے چلا دینا ہے، اور اگر مبیع ایسی چیز ہے جس کو منتقل نہیں کیا جا سکتا ہے تو اس کا قبضہ تخلیہ ہے، اور تخلیہ نام ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

شوافع کا مسلک:

شوافع کے یہاں اشیاء غیر منقولہ اور منقولہ میں قبضہ کی تین صورتیں ہیں

۱۔ اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ ہے۔ ۲۔ اگر اشیاء ان چیزوں میں سے ہے جس کو عادۃً منتقل کیا جاتا ہے مثلاً لکڑی، دانہ اور غلہ وغیرہ تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو اپنی جگہ سے منتقل کر دیا جائے۔ ۳۔ اور اگر اشیاء منقولہ ان چیزوں میں سے ہے جس کو ہاتھ سے لیا جاتا ہے مثلاً دراہم و دنانیر، کپڑا اور برتن وغیرہ تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو ہاتھ میں لے لیا جائے، چنانچہ امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: ہمارے اصحاب نے کہا کہ قبضہ کے معاملہ میں عرف کی طرف رجوع کرتے ہوئے اموال کی تین قسمیں ہیں، ان میں سے ایک زمین اور درخت ہے جس کا قبضہ تخلیہ ہے، دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جو عادتاً منتقل کی جاتی ہیں، جیسے لکڑی، دانے اور غلہ اور اس جیسی دوسری چیزیں، ان کا قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے منتقل کر دیا جائے، اس سلسلہ میں بائع کی کوئی تقسیم نہیں ہے، برابر ہے کہ وہ مشتری کی طرف منتقل کی جائے یا غیر آباد زمین کی طرف یا مکان کی طرف یا مسجد کی طرف یا اس کے علاوہ کی طرف، تیسری قسم وہ ہے جس کو ہاتھ سے لیا جاتا ہے، جیسے دراہم و دنانیر، مال، کپڑا اور برتن جو ہلکا ہو اور کتاب اور اس جیسی دوسری چیزیں، پس ان کا قبضہ ہاتھ سے لینے سے ہے

اخرجہ المہذب ۱/ ۲۶۳-۲۶۴۔

۳۔ بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، ممانعت کی علت غرر ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام "فتح القدیر" میں تحریر کرتے ہیں:

ان رسول اللہ ﷺ نہی عن بیع ما لم یقبض

والحدیث الذی استدل بہ معلول بہ ای بغرر الانفساخ والدلیل علیہ أن التصرف الذی لا یمتنع بالغرر نافذ فی المبیع قبل القبض وھو العتق والتزوج علیہ (فتح القدیر ۵/ ۲۱۳)۔

اس سلسلہ کی مستدل حدیث معلول ہے جس کی علت عقد کے فسخ ہونے کا اندیشہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ تصرف جس میں غرر مانع نہیں ہے تو وہ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے نافذ ہو جاتے ہیں، مثلاً آزادی، تزویج وغیرہ۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت عام نہیں ہے، بلکہ اس میں استثناءات و تخصیصات ہیں۔ اس بابت ائمہ کے مذاہب مع دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

احناف کا مسلک:

احناف کے یہاں اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، جائز نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں غرر کا اندیشہ ہے، وہ اس طرح کہ ممکن ہے کہ شئی بائع کے پاس ہلاک ہو جائے جس کی وجہ سے عقد فسخ ہو جائے، بطور دلیل کے یہ پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبل القبض خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اشیاء غیر منقولہ کے سلسلہ میں خود احناف میں اختلاف ہے، امام محمد کا مذہب یہ کہا گیا، غیر منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے جس طرح اشیاء منقولہ کی بیع جائز نہیں ہے۔ وجہ ان کا کہنا ہے کہ حدیث میں جو بیع قبل القبض کی ممانعت آئی ہے وہ مطلق ہے اس میں اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے اس لئے دونوں کی بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا کہنا ہے کہ اشیاء غیر منقولہ کی بیع قبل القبض جائز ہے۔ ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ احادیث میں بیع قبل القبض کی جو ممانعت آئی ہے وہ غرر کی وجہ سے ہے، اور غرر اشیاء منقولہ ہی میں متحقق ہے۔

اشیاء غیر منقولہ میں ہلاکت ممکن نہیں ہے، اور اگر کبھی خدانخواستہ غرر پیدا بھی ہو جائے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ یہ نادر ہے، اور نادر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

مشائخ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اشیاء غیر منقولہ کی بیع قبل القبض کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے، جبکہ اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو، لیکن اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو، مثلاً زمین دریا کے کنارے ہو، اور امکان اس بات کا ہے کہ وہ دریا برد ہو جائے، تو پھر اس کی قبل القبض فروخت کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں۔

کسی شخص نے کوئی ایسی چیز خریدی جو منتقل کی جاتی ہے، تو اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، کیونکہ بیع

دوسرے عدم جواز کی، لیکن عدم جواز کی روایت ان سے زیادہ مشہور ہے، مطعومات کے ناجائز ہونے پر وہی روایت پیش کرتے ہیں، جس کو امام احمدؒ نے پیش کیا ہے، قبل القبض مطعومات کے ناجائز ہونے اور غیر مطعومات کے جائز ہونے کے سلسلہ میں ابن رشد القرطبی تحریر کرتے ہیں:

وأما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في مذهب مالك في إجازته وأما الطعام الربوي فلا خلاف في مذهبه أن القبض شرط في بيعه، وأما غير الربوي من الطعام فعنه في ذلك روايتان أحدهما المنع وهي الأشهر ..... والرواية الأخرى الجواز (بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۳)۔

طعام کے علاوہ قبضہ سے پہلے جس چیز کو فروخت کیا جائے، امام مالک کے مذہب میں اس کے جائز قرار دینے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور بہر حال طعام ربوی تو اس میں قبضہ شرط ہے فروخت کرنے سے قبل امام مالکؒ کے مذہب میں اور طعام غیر ربوی کے سلسلہ میں دو روایت ہے، ایک جواز کی، دوسرے عدم جواز کی، لیکن عدم جواز کی روایت زیادہ مشہور ہے۔

خلاصہ:

ائمہ اربعہ کے مذاہب پر نظر دوڑانے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، البتہ غیر طعام کے سلسلہ میں ان کا اختلاف ہے، جیسا کہ معلوم ہوا، بالکل یہی بات ابن منذر نے مغنی کے اندر نقل کی ہے:

وقال ابن المنذر أجمع أهل العلم أن من اشترى طعاماً فليس له أن يبيعه حتى يستوفيه (المغنی ۴/۸۸)۔

اور ابن منذر نے کہا کہ تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے طعام کو خریدا اس کے لئے اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہ ہوگا۔

۹۔ سوال نمبر چھ کے تحت جو صورت بیان کی گئی ہے، اس میں ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے گا، جیسا کہ ''مغنی'' کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز مشتری کے ضمان میں آجائے تو اس کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے، جس طرح قبضہ کے بعد فروخت کرنا اور تصرف کرنا جائز ہے، چنانچہ ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں:

ولو دخل في ضمان المشتري جاز له بيعه والتصرف فيه كما بعد القبض (المغنی ۴/۸۸)۔

اگر کوئی چیز مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے تو اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے، جیسا کہ قبضہ کرنے کے بعد جائز ہے۔

نیز حدیث میں ''ربح مالم یضمن'' سے منع کیا گیا ہے، اور مذکورہ صورت میں ''ربح مالم یضمن'' نہیں ہے،

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

مولانا محمد شاہد قاسمی

۴-۳- قبضہ کی حقیقت:

احادیث کے ذخیرے میں کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جس سے قبضہ کی حقیقت واضح ہو جائے، اس لئے اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں

مسلک حنفی:

احناف کے یہاں تمام اشیاء میں، چاہے منقول ہوں یا غیر منقول تخلیہ کو حکما قبضہ سمجھا گیا ہے، لیکن ہر قبضہ کے تحقق میں یہی ہے تخلیہ وہ معتبر ہے جس میں مبیع پر قبضہ بلا مشقت ہو سکے اور بائع مبیع کو اس طرح مشتری کے حوالہ کرے کہ اس میں کسی کی شرکت نہ ہو اور مشتری بلا کلفت و مشقت تصرف کر سکے، تو تخلیہ کی نوعیت مبیع کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔

علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں

إن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلا فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض (رد المحتار ۴/۵۶۲)۔

تخلیہ حکما قبضہ ہے، مگر اس پر قدرت بلا مشقت ہو یعنی یہ مبیع کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوگا، تو گھر میں رکھے ہوئے گیہوں کی بیع میں کنجی دے دینا قبضہ سمجھا جائے گا جب کہ اس کا کھولنا بلا مشقت ممکن ہو اور گھر جیسی چیز میں تو اس کے بند کرنے پر قدرت قبضہ ہے۔

اسی طرح کی بات علامہ کاسانی نے فرمائی ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

مسلک شافعی:

شوافع کے یہاں بھی قبضہ کی نوعیت مبیع کے احوال کے اعتبار سے ہے، چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

إن القبض في العقار ونحوه بالتخلية وفي المنقول بالنقل وفي المتناول باليد بالتناول

(شرح مہذب ۹/۲۸۲)

زمین اور اس جیسی چیزوں میں قبضہ کا تحقق تخلیہ سے، منقول میں نقل کرنے اور جو ہاتھ سے لیا جاتا ہو ہاتھ میں لے کر ہوگا۔

فروخت کا کون سا معاملہ میرے لئے حلال ہے اور کون حرام ہے؟ تو فرمایا کہ جب تم کسی چیز کو خریدو تو اسے قبضہ کرنے سے پہلے مت بیچو۔

اس قسم کی بھی کئی احادیث ہیں، جن میں طعام کی قید نہیں اور حدیث مطلق ہے، تو بعض ائمہ کرام نے حدیث کے عموم کو باقی رکھتے ہوئے تمام اشیاء میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیا اور بعض ائمہ نے ممانعت کو مطعومات کے ساتھ مخصوص کردیا، اس لئے اب ہم اس سلسلہ میں فقہاء کے مسلک ونظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔

مسلک حنفی:

احناف کے یہاں اس مسئلہ میں احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور علت نہی غرر انفساخ عقد ہے، یعنی یہ ممکن ہے کہ مبیع بائع کے پاس رہتے ہوئے ہلاک ہوجائے تو مشتری کا دوسرے سے یہ معاملہ (عقد کا) کالعدم ہوجائے گا، جو باعث غرر ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے غرر کی بیع سے منع فرمایا ہے (مسلم شریف ۲/۲) گویا حدیث میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت مذکورہ غرر کی وجہ سے ہے، چونکہ اشیاء غیر منقول میں اس غرر کا اندیشہ نہیں ہے، اس لئے احناف کے یہاں اشیاء غیر منقول میں قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی اجازت ہے اور منقول میں ممانعت، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

من اشتری شیئاً مما ینقل ویحول لم یجز لہ بیعہ حتی یقبضہ لأنہ علیہ السلام "نھی عن بیع الغرر ما لم یقبض" ولأن فیہ غرر انفساخ العقد علی اعتبار الھلاک فیجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفۃ وأبی یوسف (ہدایہ ۳/۵۸)۔

اگر کسی نے غیر منقول شی کو خریدا تو قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے غیر مقبوض شی کی بیع سے منع فرمایا ہے، اور اس میں ہلاکت کے ممکن ہونے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہونے کا غرر ہے، تو زمین کی بیع شیخین کے نزدیک قبضہ سے پہلے جائز ہوگی۔

نیز علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

لا یجوز التصرف فی المبیع المنقول قبل القبض بالإجماع وفی العقار اختلاف (بدائع الصنائع ۵/۲۳۴)۔

احناف کا اتفاق ہے کہ مبیع منقول میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے، اور زمین میں اختلاف ہے۔

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے بیع کی اجازت نہیں ہے، نیز بعض اشیاء ایسی ہیں جس میں تخلیہ بھی قبضہ کے حکم میں ہے، لیکن کافی نہیں سمجھا گیا، وہ یہ ہے کہ اگر کسی کیلی، یا وزنی شی کو کیل، یا وزن کرکے خریدا گیا تو مشتری کو دوبارہ کیل و وزن کئے بغیر بیچنے کی گنجائش نہیں ہے، اگرچہ تخلیہ کے ذریعہ قبضہ ہوگیا ہو (دیکھئے بدائع الصنائع ۵/۲۳۴) چونکہ حدیث شریف میں دوبارہ کیل و وزن کئے بغیر بیع کے عدم جواز کی صراحت ہے۔

نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الطعام حتی یجری فیہ الصاعان صاع البائع وصاع

المشتری (مجمع الزوائد ۴/۹۹)۔

نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يكتال (مجمع الزوائد ۴/۹۹)۔

بعض مشائخ نے اس صورت کو غیر معقول المعنی تعبدی قرار دیا ہے اور بعض مشائخ نے تخلیہ کو صرف اسی مسئلہ میں قبضہ ناقص قرار دیا ہے اور دوبارہ کیل و وزن کو قبضہ تام۔

اب رہی یہ بات کہ مبیع مشتری کے ضمان میں کب آتی ہے، اگر مطلقاً قبضہ کے بعد آتی ہے تو عقار کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ "ربح مالم یضمن" میں داخل ہو کر ممنوع قرار پائے گی، تو اس مسئلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ اشیاء منقولہ ہیں تب تو قبضہ سے پہلے وہ مشتری کے ضمان میں نہیں آئیں گی، یہی وجہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہو جائے تو عقد فسخ ہو جاتا ہے اور مشتری اپنا ثمن واپس لے گا اور اگر ثمن ادا نہیں کیا تھا تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوتا ہے (رد المحتار ۴/۱۶۲) اور اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ سے پہلے ہی وہ شیئ مشتری کے ضمان میں آجاتی ہے، چونکہ مبیع کا ہلاک ہونا تقریباً نادر کے درجہ میں ہوتا ہے تو کسی قسم کا غرر نہ ہونے کی وجہ سے قبضہ سے پہلے تمامیت عقد کے بعد اس کا مضمون ہونا سمجھا گیا۔

مسلک شوافع مع دلائل:

شوافع کے یہاں کسی بھی شیئ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، چاہے منقولہ ہو یا غیر منقولہ، چونکہ ممانعت والی حدیث عام ہے اور اس کی علت حنفیہ کی طرح غرر انفساخ عقد ہے، چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

جس چیز پر ملکیت مستقر نہ ہوئی ہو اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، اس کی دلیل حکیم بن حزام کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں مختلف اشیاء کی بیع کرتا ہوں، تو ان میں سے کون سی بیع میرے لئے حلال ہے اور کون حرام ہے؟ تو فرمایا کہ غیر مقبوض شیئ کی بیع جائز نہیں ہے، اور اس لئے کہ اس کی ملکیت اس پر مستقر نہیں ہوئی ہے، تو ممکن ہے کہ مبیع ہلاک ہو جائے اور عقد فسخ ہو جائے اور یہ غرر ہے جو بغیر حاجت کے پیش آتی ہے، لہذا یہ جائز نہیں ہے، رہے احکام تو ہمارا مذہب یہ ہے کہ مبیع کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں، چاہے غیر منقول ہو یا منقول۔ (شرح مہذب ۹/۲۶۴)۔

مسلک حنابلہ مع دلائل:

حنابلہ کے نزدیک مطعومات کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، جب کہ وہ مکیلی، موزونی، معدودی ہو، اس کے علاوہ دیگر اشیاء میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی گنجائش ہے، چونکہ حدیث شریف مطعومات کے ساتھ خاص ہے، اور بعض نے مکیلی، موزونی اور معدودی کے ساتھ خاص کیا، تو چونکہ ان کے نزدیک یہ تینوں چیزیں مشتری کے ضمان میں نہیں آتی ہیں جب تک کہ قبضہ نہ کرلیا جائے اور ان کے علاوہ دیگر اشیاء قبضہ سے پہلے مشتری کے ضمان میں آجاتی ہیں، لہذا ان کے یہاں حدیث معلول بالعلۃ ہے اور وہ حنفیہ کی طرح غرر ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۵۵۶، المغنی ۴/۱۲۰)۔

مسلک مالکیہ:

قبضہ سے پہلے خرید وفروخت مطعومات میں ناجائز ہے، اس کے علاوہ میں جائز ہے، چونکہ حدیث شریف مطعومات کے ساتھ خاص ہے، نیز مطعومات میں بھی عدم جواز اس وقت ہے جب کہ کیل، یا وزن کر کے خریدا گیا ہو، اگر جزافاً خریدی ہوئی ہو تو قبضہ سے پہلے اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے، چونکہ جزافاً کی صورت میں مبیع مشتری کے ضمان میں قبضہ سے پہلے ہی آجاتی ہے اور اگر خرید کیل و وزن کے ذریعہ ہوئی ہو تو بغیر قبضہ کئے ہوئے مبیع ضمان میں نہیں آتی ہے، لہذا قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی صورت میں "ربح مالم یضمن" لازم آئے گا، جس سے آپ نے منع فرمایا ہے، طعام کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ یہ معاملہ ربا نسیہ کی طرف پہنچنے کا ذریعہ ہے اس لئے سد للذرائع اسے ناجائز قرار دیا گیا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۶۷)۔

نیز الثمر الدانی میں ہے:

غلہ، چاہے ربوی ہو، یا غیر ربوی، کو خریدنے کے بعد اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے، اور قبل القبض طعام کی بیع کی ممانعت اس وقت ہے جب کہ مشتری نے وزن، یا کیل، یا شمار کر کے خریدا ہو، برخلاف جزاف (کسی چیز کو کیل، یا وزن، یا شمار کئے بغیر فروخت کرنا) کے، چونکہ اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت مشہور قول کے مطابق جائز ہے، اس لئے کہ وہ اس کا مالک عقد کرنے ہی سے ہوگیا، اسی وجہ سے اگر مبیع قبضہ سے پہلے تلف ہوجائے تو اس کا ضمان مشتری کی جانب سے ہوگا۔ (الثمر الدانی ر۳۱۹)۔

ا۔ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کا حکم:

شوافع کے نزدیک مطلقاً، احناف کے نزدیک اشیاء منقول، مالکیہ کے نزدیک مطعومات، جب کہ خرید کیل، یا وزن کر کے ہو، اور حنابلہ کے نزدیک مطعومات اگر معدودی، مکیلی، یا موزونی ہو، کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں ہے اور اس کا شمار احناف کے یہاں بیع فاسد میں ہوگا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع باطل میں۔

علامہ عبد الرحمان جزیری فرماتے ہیں:

الحنفية قالوا: من البيع الفاسد بيع الأعيان المنقولة قبل قبضها، سواء باعها لمن اشتراها منه أو لغيره (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۱۱)۔

حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد ہی میں سے اعیان منقول کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت ہے، چاہے اس کو اس شخص کے ہاتھ فروخت کرے جس سے خریدا ہے، یا اس کے علاوہ کے ساتھ۔

اور ڈاکٹر وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں:

وعند غير الحنفية: البيع إما صحيح أو باطل وغير الصحيح لا يفيد الملك أصلاً (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۶۵)۔

حنفیہ کے علاوہ کے نزدیک بیع، یا تو صحیح ہے، یا باطل ہے اور غیر صحیح ملک کا بالکل ہی فائدہ نہیں دیتا ہے۔

إلا أن يشترطه على البائع (بدایۃ المجتہد ۲؍۱۸۵)

امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مشتری قبضہ کرنے کے بعد ہی ضامن ہوتا ہے .... رہی بات مبیع غائب کی تو امام مالکؒ سے اس کے متعلق تین روایات ہیں، پہلی روایت یہ ہے کہ ضمان بائع کی جانب سے ہوگا، سوائے اس کے کہ مشتری پر ضمان کی شرط لگادے، دوسرا قول یہ ہے کہ ضمان مشتری کی جانب سے ہوگا، مگر یہ کہ بائع پر ضمان کی شرط لگادے۔

جب مبیع مشتری کے ضمان میں آجائے تو قبل القبض بیع کی گنجائش ہے، خواہ وہ طعام ہی کے قبیل سے کیوں نہ ہو۔

بخلاف الجزاف وهو بيع الشيء بلا كيل ولا وزن ولا عدد فإن بيعه قبل قبضه جائز على المشهور لأنه قد ملكه بالعقد ولذا لو تلف قبل قبضه كان ضمانه من المشتري (الفقہ المالکی ۳۱۹)۔

برخلاف جزاف کے (اور وہ کیل، وزن اور عدد کے بغیر کسی چیز کو فروخت کرتا ہے) کہ اس کی قبضہ سے پہلے خرید وفروخت مشہور قول کے مطابق جائز ہے، اس لئے کہ وہ عقد کرنے سے اس کا مالک ہوگیا، اسی وجہ سے اگر مبیع قبضہ کرنے سے پہلے تلف ہوجائے تو اس کا ضمان مشتری کی جانب سے ہوتا ہے۔

ان عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ مشتری اول کا ضامن بننا صحیح ہے اور ضامن بننے کی وجہ سے قبل القبض بیع کی گنجائش ہے (اگرچہ ضامن بننے کو قبضہ نہیں سمجھا جائے گا)۔

۷۔ حنفی مسلک کے اعتبار سے مذکورہ صورت کی بیع کا عدم جواز ظاہر ہے، خواہ مشتری اول ضامن ہی کیوں نہ بن جائے، مالکی مسلک کے اعتبار سے اس کی تفصیل کی جاسکتی ہے کہ اگر مشتری اول سرے سے ضامن ہی نہ ہوا ہو یعنی مبیع بائع کے ضمان سے نکلنے کے بعد مشتری اول مشتری ثانی کو ضامن ٹھہرائے تو یہ صورت "ربح مالم یضمن" کے تحت داخل ہوکر ناجائز ہوگی، شاید کہ سوال کا منشا یہی صورت ہے، اور اگر مبیع بائع کے ضمان سے نکلنے کے بعد مشتری اول کے ضمان میں آجائے، لیکن مبیع ابھی راستے ہی میں تھی کہ کسی کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے تو مسلک مالکی کے موافق درست ہے، جیسا کہ تفصیل سے پچھلے سوال کے جواب میں گذرا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

تجاویز بابت جدید تجارتی شکلیں

دورِ حاضر میں خرید و فروخت کی بہت سی ایسی صورتیں مروج ہیں جن میں فروخت شدہ شئی پر قبضے کے بغیر خریدار دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے۔ اسی پس منظر میں ایسے مروجہ معاملات کی بابت اسلامک فقہ اکیڈمی کے نویں سیمینار منعقدہ جامعۃ الہدایہ جے پور میں درج ذیل تجاویز طے پائیں:

- اصولی طور پر قبضے سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، تاہم اگر قبضے سے پہلے بیع کر دی جائے تو یہ بیع فاسد ہوگی نہ کہ باطل، اور قبضے کے بعد مفید ملک ہوگی۔

۲- کتاب و سنت میں قبضہ کی حقیقت اور اس کی کوئی خاص صورت مقرر نہیں کی گئی ہے، گویا شریعت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے عرف کو حکم قرار دیا ہے، لہٰذا ہر عہد کے مروجہ طریقوں اور اشیاء کی مختلف انواع کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت متعین ہوگی۔

۳- فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ اصل میں مبیع پر خریدار کے ایسے استیلاء کا نام ہے کہ مبیع پر اس کے تصرف میں کوئی مانع باقی نہ رہے، اسی کو فقہ کی کتابوں میں "تخلیہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴- بیع قبل القبض کی ممانعت "غرر انفساخ" کی علت پر مبنی ہے، یعنی جب تک مبیع خریدار اول کے ہاتھ نہ آ جائے اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ مبیع اس کے قبضہ میں آنے نہ پائے اور وہ خریدار دوم کو مبیع کی حوالگی پر قادر نہ رہے۔

۵- بیع قبل القبض کی ممانعت کا تعلق اموال منقولہ سے ہے، اموال غیر منقولہ میں بیع قبل القبض جائز ہے، بشرطیکہ خریدار کے لئے انفساخ کا کوئی قوی اندیشہ نہ پایا جاتا ہو۔

۶- اگر ایک شخص کسی بائع (فیکٹری وغیرہ) سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دے اور ابھی خریدا ہوا مال فیکٹری نے روانہ بھی نہ کیا ہو تو یہ صورت بیع قبل القبض میں داخل ہے اور جائز نہیں ہے۔

۷- اگر ایک شخص کسی فیکٹری وغیرہ سے خرید کر اس کو کسی خاص ذریعہ (جیسے ٹرانسپورٹ، پوسٹ وغیرہ) سے سامان کی ترسیل کا آرڈر دے اور مطلوبہ سامان فیکٹری سے روانہ بھی کر دیا جائے اور نقصان کی صورت میں خریدار اس کا ضامن ہوتا ہو، نیز ترسیل کی اجرت خریدار کے ذمہ ہو تو جس ذریعہ سے مال روانہ کیا جائے اس کا قبضہ خریدار کی طرف سے وکالۃً قبضہ متصور ہوگا، لہٰذا اس صورت میں مال پہنچنے سے پہلے خریدار کو فروخت کرنا جائز ہے اور یہ بیع قبل القبض میں داخل نہیں، البتہ جس شخص نے اس خریدار سے مال خریدا ہے اس خریدار دوم کے لئے مال پہنچنے سے پہلے دوبارہ بیع جائز نہیں اور اگر بیع کرے تو یہ بیع قبل القبض کے زمرہ میں داخل ہوگی۔

☆☆☆☆☆